مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ

تعلیم و تعلّم (حصہ دوم)

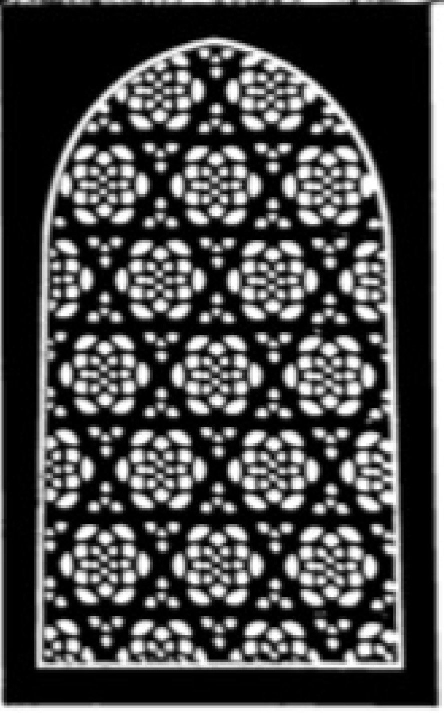

جلد: ۵

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

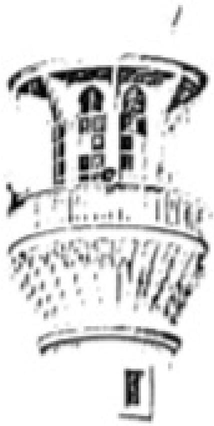

مواعظِ عثمانی

تعلیم و تعلم

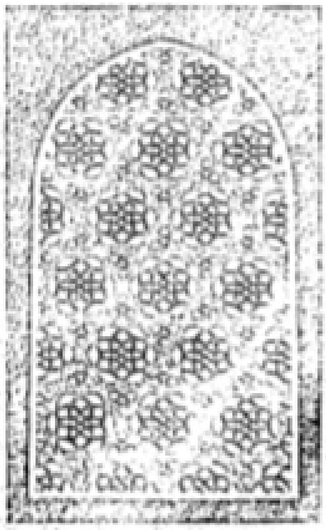

جلدِ پنجم

مفتی محمد تقی عثمانی

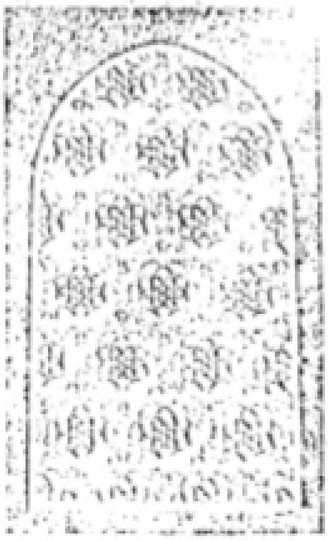

ترتیب و تخریج

مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

جملہ حقوق طباعت بحق مکتبۂ معارف القرآن کراچی محفوظ ہیں

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبۂ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن پھر بھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہِ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام : [illegible]
طبع جدید : [illegible]
ناشر : مکتبۂ معارف القرآن کراچی
ترتیب و ڈیزائننگ : عمران خان

فون : (92-21) 35031565, 35123130
ای میل : info@mmqpk.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com
آن لائن : fb/onlinesharia

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

ONLINE SHARIAH.com
[illegible]
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
[illegible]

ملنے کے پتے

مکتبہ دار العلوم، کراچی	قدیمی کتب خانہ، کراچی	اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد	مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
دار الاشاعت، کراچی	مکتبہ … حیدرآباد	مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
بیت القرآن، کراچی	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان	مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی	دار الاخلاص، پشاور
مکتبہ … القرآن، کراچی	مکتبہ رحمانیہ، لاہور	اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی	مکتبہ … العلوم، کرک
بیت الکتب، کراچی	مکتبہ بیت العلوم، لاہور	مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی	مکتبہ حبیبیہ، تیمرگرہ
ادارہ اسلامیات، کراچی، لاہور	مکتبہ سید احمد شہید، لاہور	مسٹر بکس، اسلام آباد	مکتبہ … ، مردان
مکتبہ عمر فاروق، کراچی	المیزان پبلشرز، لاہور	دار السلام، اسلام آباد	[illegible]، مردان

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کررہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالبا ۲۵ جلدیں ہوچکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کرکے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماکر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴   بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلدِ پنجم ''تعلیم وتعلّم (حصہ دوم)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعیٔ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہورہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہورہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

مواعظِ عثمانی

حضور ﷺ نے فرمایا	اصلاحی خطبات	اصلاحی مواعظ
اصلاحی مجالس	خطباتِ عثمانی	خطبات دورۂ ہند
درسِ شعب الایمان	نشری تقریریں	فرد کی اصلاح
اصلاحِ معاشرہ	تربیتی بیانات	ذکر وفکر

The Islamic months

اور اس کے علاوہ

آسان ترجمہ قرآن	اسلام اور ہماری زندگی	انعام الباری
تقریرِ ترمذی	جہانِ دیدہ	سفر در سفر
دنیا مرے آگے	اسلام اور جدید معاشی مسائل	اسلام اور ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات ومضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان وعقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب ومعاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

خضر قاسمی (ناظم ادارہ)

مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	دولتِ قرآن کی قدر وعظمت	۲۹
۲	ہم قرآنِ کریم کو کیسے سمجھیں؟	۵۹
۳	ختمِ قرآنِ کریم ودعا	۷۷
۴	تبلیغ ودعوت کے اصول	۱۰۱
۵	جہاد اور دعوت وتبلیغ	۱۳۴
۶	علماء، طلبہ اور عوام کو ایک ایک نصیحت	۱۴۳
۷	دار الافتاء سے متعلق اہم ہدایات	۱۵۳
۸	جامعہ دار العلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد قائم کرنے کے مقاصد اور اس کی ضرورت	۱۶۳
۹	ایک خوشی کا واقعہ	۱۷۵
۱۰	درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟	۱۸۵
۱۱	علم وعمل اور صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت	۲۱۵
۱۲	درسِ بخاری	۲۴۳
۱۳	دار العلوم دیوبند کا تقدس اور اس کا سبب	۲۵۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۴	دارالعلوم دیوبند اپنے مزاج کے آئینے میں	۲۷۷
۱۵	مدارسِ دینیہ میں عصری تعلیم	۲۹۱
۱۶	عالم باعمل بنیے	۳۱۵
۱۷	مدارس میں معیاری تعلیم کی ضرورت اور اہمیت	۳۲۵
۱۸	دینی مدارس کی اثر انگیزی کی کمی کے اسباب	۳۵۱

تفصیلی فہرست

عنوان	صفحہ
دولتِ قرآن کی قدر وعظمت	**۲۹**
نعمت و دولتِ قرآن کی قدر	۳۲
قرآنِ کریم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین	۳۳
قرآنِ کریم کی تلاوت کا اجر	۳۵
قرآنِ کریم سے غفلت کا باعث	۳۶
درحقیقت مُفلس کون ہے؟	۳۷
حقوق العباد کی اہمیت	۳۹
مسلمان کون ہے؟	۴۱
تعلیمِ نبوی	۴۳
مسلمان کی عزت وعظمت	۴۳
دینِ اسلام کی حقیقت	۴۵
عبرت آموز واقعہ	۴۷
جنت کی راحت اور جہنم کی شدت	۴۹
ہماری زبوں حالی	۵۰

صفحہ	عنوان
۵۰	ایک مسئلے پر تمام دنیا کے انسان متفق ہیں
۵۱	ایک سبق آموز واقعہ
۵۳	ابدی زندگی کی فکر
۵۴	قرآنِ کریم کی قدر کا طریقہ
۵۵	مسلمانوں کا فرض
۵۶	بچپن کی تعلیم
۵۹	ہم قرآنِ مجید کو کیسے سمجھیں؟
۶۲	بعثتِ نبوی کے مقاصد
۶۳	پہلا مقصد: تلاوتِ قرآن
۶۴	علم تجوید کے محاسن
۶۴	فہم قرآن کی پہلی سیڑھی
۶۵	عربی جاننے والوں کو کتاب اللہ کی تعلیم
۶۶	انسان اور جانور کی فطرت میں فرق
۶۷	مربی کے بغیر کسی فن میں کمال نہیں ہوتا
۶۷	نبی کے بغیر صرف کتاب کبھی نہیں آئی
۶۸	روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں ہوتا
۶۸	تعلیم کتاب فرائضِ نبوت میں سے ہے
۶۹	پہلے اسلامی مدرسے کا طرز تعلیم
۷۰	ترجمہ دیکھ کر تفسیر کرنے والا جہلِ مرکب میں مبتلا ہے
۷۱	”قرآن آسان ہے“ کا مطلب

عنوان	صفحہ
قرآن میں عقلی گھوڑے دوڑانے والے مفسر	۷۲
اپنی عقل سے قرآن سمجھنے والا گمراہ ہے	۷۴
فہمِ قرآن کے لیے تزکیہ کی ضرورت	۷۴
ختمِ قرآنِ کریم و دعا	**۷۷**
تمہید	۸۰
عظیم انعام	۸۰
''تراویح'' ایک بہترین عبادت	۸۱
''سجدہ'' ایک عظیم نعمت	۸۲
''نماز'' مؤمن کی معراج ہے	۸۳
اللہ میاں نے مجھے پیار کرلیا	۸۳
یہ پیشانی ایک ہی چوکھٹ پر ٹکتی ہے	۸۴
اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت سنتے ہیں	۸۴
ختمِ قرآن کے موقع پر دو کام کریں	۸۵
عبادت سے استغفار	۸۶
عبادت کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟	۸۷
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ	۸۸
عباداتِ رمضان پر شکر کرو	۸۹
اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرو	۸۹
اُن کی رحمت پر نظر رہنی چاہیے	۹۰
قبولیتِ دعا کے مواقع جمع ہیں	۹۱
اہتمام سے دعا کریں	۹۲

عنوان	صفحہ
اجتماعی دعا بھی جائز ہے	۹۲
عربی دعائیں	۹۳
اردو میں دعائیں	۹۵
تبلیغ و دعوت کے اصول	**۱۰۱**
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات	۱۰۴
دعوت و تبلیغ کے دو طریقے: انفرادی، اجتماعی	۱۰۵
اجتماعی تبلیغ فرضِ کفایہ ہے	۱۰۶
انفرادی تبلیغ فرضِ عین ہے	۱۰۶
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے	۱۰۷
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب فرض ہے؟	۱۰۸
اس وقت نہی عن المنکر فرض نہیں	۱۰۹
گناہ میں مبتلا شخص کو موقع پر روکنا	۱۰۹
اگر ماننے اور نہ ماننے کے احتمال برابر ہوں	۱۱۰
اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو	۱۱۰
ٹوکتے وقت نیت درست ہونی چاہیے	۱۱۱
بات کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہیے	۱۱۲
نرمی سے سمجھانا چاہیے	۱۱۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز	۱۱۴
انبیاء علیہم السلام کا اندازِ تبلیغ	۱۱۵
حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۱۱۷
بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟	۱۱۷

صفحہ	عنوان
۱۱۸	اجتماعی تبلیغ کا حق کس کو ہے؟
۱۱۹	درسِ قرآن اور درسِ حدیث دینا
۱۲۰	حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور درسِ قرآن
۱۲۱	امام مسلم اور تشریح حدیث
۱۲۲	کیا بے عمل شخص وعظ و نصیحت نہ کرے؟
۱۲۳	دوسروں کو نصیحت کرنے والا خود بھی عمل کرے
۱۲۵	مستحب کے ترک پر نکیر درست نہیں
۱۲۶	اذان کی دعا پڑھنا
۱۲۶	آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں
۱۲۷	چارزانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے
۱۲۸	میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے
۱۲۸	زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے
۱۲۹	بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے
۱۲۹	ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا
۱۳۰	ایک سبق آموز واقعہ
۱۳۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد
۱۳۳	مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ
۱۳۴	خلاصہ

جہاد اور دعوت و تبلیغ ۱۳۵

صفحہ	عنوان
۱۳۸	تمہید
۱۴۰	جہاد سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟

عنوان	صفحہ
دعوتِ فرض دنیا میں ہر ایک فرد کو پہنچ چکی ہے	۱۴۱
تبلیغی جماعت کی ایک اور بے اعتدالی	۱۴۱
معاشرے کی ایک خرابی	۱۴۲
علماء، طلبہ اور عوام کو ایک ایک نصیحت	**۱۴۳**
تمہید	۱۴۵
عام مسلمانوں سے گزارش	۱۴۶
علماء اور طلبہ سے گزارش	۱۴۸
آج کی دنیا میں آپ کا جائزہ	۱۵۱
فضلائے کرام کو مبارک باد	۱۵۱
دار الافتاء سے متعلق اہم ہدایات	**۱۵۳**
جامعہ دار العلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد قائم کرنے کے مقاصد اور اس کی ضرورت	**۱۶۳**
تمہیدی کلمات	۱۶۵
دعوتِ دین کا خلاصہ	۱۶۶
حکمت کیا ہے؟	۱۶۷
اپنی بات پہنچانے کا صحیح ڈھنگ آنا بھی ضروری ہے	۱۷۰
نصاب کے ساتھ عملی مشق	۱۷۱
دعوت صرف نظریاتی چیز نہیں	۱۷۲
جدال کے لیے ہتھیار ہونا ضروری ہے	۱۷۳

صفحہ	عنوان
۱۷۴	شعبے سے رابطے میں رہیں

ایک خوشی کا واقعہ ۱۷۵

درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟ ۱۸۵

۱۸۷	میزان الصرف یا علم الصرف
۱۹۰	نحو میر یا علم النحو
۱۹۳	عربی کا معلم اور طریقۃ جدیدۃ
۱۹۵	ہدایۃ النحو
۱۹۷	ترجمہ پارۂ عم
۱۹۸	مختصر القدوری
۲۰۰	زاد الطالبین، القرأۃ الراشدۃ اور معلم الانشاء
۲۰۰	علم الصیغہ
۲۰۱	تیسیر المنطق، مرقات
۲۰۲	کافیہ
۲۰۴	نفحۃ العرب
۲۰۵	کنز الدقائق
۲۰۶	اصول الشاشی
۲۰۶	تفسیر درجہ ثالثہ تا درجہ خامسہ
۲۰۷	شرح جامی
۲۰۷	شرح وقایہ

عنوان	صفحہ
نورالانوار	۲۰۸
مقامات حریری	۲۰۹
ہدایہ اولین وآخرین	۲۱۱
حسامی وقیاس نورالانوار	۲۱۲
دروس البلاغۃ ومختصر المعانی	۲۱۳
دیوان المتنبی	۲۱۴
علم وعمل اور صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت	**215**
علماء سے خطاب نہیں، بلکہ مذاکرہ	۲۱۹
خود کو عالم کہنا	۲۲۰
ساری زندگی طالبِ علم ہی فرماتے رہے	۲۲۰
کیا تم نے کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟	۲۲۱
طالبِ علم کی تعریف	۲۲۱
وفات کے وقت تک علم کی تحقیق	۲۲۲
آخری وقت تک علمی مشغلہ	۲۲۳
نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اضافۂ علم کے لیے دعا کی ہدایت	۲۲۳
حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شوقِ مطالعہ وحافظہ	۲۲۵
یہ بھی تو ایک بیماری ہے	۲۲۵
علمی کبر کب پیدا ہوتا ہے	۲۲۶
حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا برصغیر پر احسان	۲۲۷
بغیر عمل کے تنہا علم جسدِ بے روح ہے	۲۲۸

صفحہ	عنوان
۲۲۹	ابلیس عاشق نہیں تھا
۲۳۰	عشق حاصل کرنے کا طریقہ
۲۳۱	عالم اور عاشق کی مثال
۲۳۲	انبیاء علیہم السلام کا وارث امت کی امانت ہے
۲۳۳	مخاطب کو بات پیش کرنے کا اسلوب
۲۳۴	چند مثالیں
۲۳۵	میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب
۲۳۵	اجتہاد کے سلسلہ میں غلط فہمیاں
۲۳۷	نصِ قطعی میں اجتہاد نہیں ہوسکتا
۲۳۷	اکلِ خنزیر اور اجتہاد
۲۳۸	سود اور اجتہاد
۲۳۸	عربی گانا اور اجتہاد
۲۳۹	علت وحکمت کا فرق
۲۳۹	سرخ بتی (Signal) علت ہے حکمت نہیں
۲۴۰	علمِ نبوت صرف مطالعے سے حاصل نہیں ہوتا
۲۴۱	دورِ حاضر کے ہتھیاروں کو سیکھنے کی ضرورت

درسِ بخاری ۲۴۳

صفحہ	عنوان
۲۴۵	طلباء کی خدمت میں ایک تحفہ
۲۴۷	اجازتِ حدیث اور ایک گزارش
۲۴۸	مختلف قراءات سے تلاوت کا طریقہ

عنوان	صفحہ
مدرسہ میں حاضری پر اظہارِ مسرت	۲۴۹
پہلی حدیث	۲۴۹
مردوں اور عورتوں کا اختلاط شریعت میں ناپسند ہے	۲۵۰
دوسری حدیث	۲۵۱
تیسری حدیث اور اس کا پس منظر	۲۵۱
عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے	۲۵۳
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا اصل مقصد	۲۵۴
آج کل کی خراب ذہنیت	۲۵۵
باجماعت نماز کی فضیلت خواتین کے لیے نہیں	۲۵۶
مقصدِ گفتگو	۲۵۷
دار العلوم دیو بند کا تقدس اور اس کا سبب	**۲۵۹**
دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں دار العلوم کا فیض نہ پہنچا ہو	۲۶۳
انڈونیشیا کے علاقے میں	۲۶۴
دیو بند کی مقدس سرزمین	۲۶۴
دیو بند کے اس تقدس کا بنیادی سبب	۲۶۵
اکابرِ دیو بند "ما انا علیہ و اصحابی" کی صحیح تفسیر تھے	۲۶۷
معاشرت و اخلاق میں اکابرِ دیو بند کے واقعات	۲۶۸
مفتی اعظم ہند اور تواضع	۲۶۸
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۲۷۱
دین نام ہے اعتدال کا	۲۷۱

عنوان	صفحہ
دینِ اسلام میں نظم وضبط کی اہمیت	۲۷۳
دین صرف عبادات کا نام نہیں	۲۷۴
دار العلوم دیوبند	۲۷۷
اپنے مزاج کے آئینے میں	۲۷۷
دار العلوم میں حاضری پر خوشی کا اظہار	۲۸۰
اظہارِ تشکر	۲۸۱
در مدرسہ خانقاہ دیدیم	۲۸۱
دار العلوم اور اس کا مزاج	۲۸۳
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ	۲۸۳
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ	۲۸۴
واقعات بیان کرنے کا مقصد	۲۸۵
اگر خدانخواستہ---	۲۸۶
دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل	۲۸۶
ان شاء اللہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کامیاب ہے	۲۸۷
جذباتی فکر وطرزِ عمل نقصان دہ ہے	۲۸۸
اپنی زندگی کو پرکشش بنائیں	۲۸۸
باطل کے ابھرنے کی وجہ	۲۸۹
مدارسِ دینیہ میں عصری تعلیم	**۲۹۱**
تمہید	۲۹۳
جامعہ کی پہلی خصوصیت	۲۹۴

صفحہ	عنوان
۲۹۵	اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی تھا لیکن---
۲۹۶	اختلافات کے درجات
۲۹۷	اختلاف سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول
۲۹۸	دعوت کے پیغمبرانہ اسلوب سے فتنہ پیدا نہیں ہوتا
۲۹۹	جامعہ کی دوسری خصوصیت
۳۰۰	میرا اُن سے سوال
۳۰۱	عصری علوم کی تعلیم کس نقطہ نظر سے برحق ہے؟
۳۰۳	اس وقت کی صورتِ حال
۳۰۴	حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول
۳۰۵	عصری علوم بھی دین کا ایک حصہ ہیں
۳۰۶	نیت کے بگاڑ کا نتیجہ
۳۰۷	دینی مدارس کی اصل روح تعلق مع اللہ ہے
۳۰۷	کسی بھی زبان یا علم کی ذات میں کوئی بے دینی نہیں ہوتی
۳۰۸	جامعہ کی تیسری خصوصیت
۳۱۰	اسلامی معاشی تبدیلیاں لانے کا طریقہ
۳۱۱	غیر مسلموں کا اسلامی معیشت کی طرف بڑھتا ہوا رجحان
۳۱۱	پہلا کام! سود کی حرمت کا شعور پیدا کیا جائے
۳۱۲	دوسرا کام! علماء بھی جدید معیشت کے مسائل سے واقف ہوں
۳۱۵	**عالم باعمل بنیے**
۳۱۸	ایک اہم سوال

عنوان	صفحہ
تنہا علم کسی کام کا نہیں	۳۲۰
دار العلوم دیو بند کی مقبولیت کا راز	۳۲۰
علم وہ ہے جو انسان کو اللہ تک پہنچائے	۳۲۱
وہ علم کس کام کا جس سے ایمان نصیب نہ ہو	۳۲۲
جب تربیت نہ ہو	۳۲۳
طلبائے مدارس اسلامی اخلاق و کردار کا نمونہ پیش کریں	۳۲۳
مدارس میں معیاری تعلیم کی ضرورت اور اہمیت	**۳۲۵**
تمہید	۳۲۸
ایک جامع آیت	۳۲۹
آیت کی تشریح	۳۳۰
ہم سب طالب علم ہیں	۳۳۱
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طالب علمی	۳۳۲
حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی انہماک	۳۳۳
طلبِ علم کے لیے علمی پیاس کی ضرورت ہے	۳۳۴
اکابر اہل اللہ کی طالب علمانہ زندگی	۳۳۵
طلبِ علم کے لیے جانے کا مقصد کیا ہو	۳۳۵
ایک علمی لطیفہ	۳۳۷
ہمارے مدارس میں بصیرت کی کمی	۳۳۷
تفقہ کے لیے مشقت کی ضرورت ہے	۳۳۸
روایتِ حدیث مستقل مقصود ہے	۳۳۹

عنوان	صفحہ
عالمِ اسلام کا ہمارے دورۂ حدیث پر رشک	۳۳۹
نئے نظریات کی تعلیم	۳۴۰
علم کے ساتھ صحبتِ اہل اللہ	۳۴۰
تربیت کے لیے صرف لیکچر اور تقریر کافی نہیں	۳۴۱
لفظِ ''انذار'' کی خصوصیت	۳۴۲
حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا اندازِ دعوت	۳۴۳
پتھر کا جواب پھول سے	۳۴۳
والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک قیمتی نصیحت	۳۴۴
باطل کا اِبطال ضرور کرنا چاہیے	۳۴۶
باطل کی قسمیں	۳۴۶
عالمِ دین اور داعیٔ حق کا فریضہ	۳۴۷
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ	۳۴۷
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۳۴۸
حکیمانہ اندازِ کلام کا نتیجہ	۳۴۹
دینی مدارس کی اثر انگیزی میں کمی کے اسباب	**۳۵۱**

دولتِ قرآن کی قدر و عظمت

(اصلاحی خطبات ۳/۵۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دولتِ قرآن کی قدر وعظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۱)

(۱) سورۃ الإسراء آیت (۹).

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

حضرات علمائے کرام! بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان وکرم ہے کہ آج ایک ایسی مجلس میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے، جو قرآنِ کریم کی تعلیم کے اختتامِ سال پر منعقد ہوئی اور اس موقع پر کئی بچوں نے قرآنِ کریم حفظ مکمل کیا ہے، اس قرآنِ کریم کی درس وتدریس کی تکمیل کے موقع پر شریک ہونا ہر مسلمان کے لیے باعث سعادت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور سب کو قرآنِ کریم کی اس برکت میں حصہ دار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نعمت و دولتِ قرآن کی قدر

حقیقت یہ ہے کہ آج ہم لوگوں کو قرآنِ کریم کی اس نعمت اور دولت کی قدر معلوم نہیں، بچے قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، حفظ کرتے ہیں اور الحمد للہ حسب توفیق ہم اس پر خوشی منالیتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس قرآنِ کریم کی دولت کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہمیں، آپ کو اس دنیا میں رہتے ہوئے ہو ہی نہیں سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ قرآن کی دولت ہمیں گھر بیٹھے چھپٹر پھاڑ کر عطا کردی۔ ہمیں اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے، اس نعمت کے حصول کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی، ہم نے کوئی محنت نہیں اٹھائی، کوئی قربانی نہیں دی، کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا، کوئی جان ومال کی قربانی اس راہ میں پیش نہیں کی، اس واسطے اس کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہمیں اور آپ کو نہیں، اس

دولتِ قرآنِ کریم کی صحیح قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھیے، جنہوں نے ایک ایک آیت کو حاصل کرنے لیے اپنی جان کی، آبرو کی، خاندان کی، جذبات کی ایسی قربانیاں دیں کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

قرآنِ کریم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآنِ کریم کی ایک ایک آیت کو سیکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جو دشواریاں اٹھائی ہیں، جو محنتیں اٹھائی ہیں، ان کا حال آج ہمیں معلوم نہیں۔ قرآن ہمارے سامنے ایک نہایت خوش نما مجلد کتاب کی صورت میں موجود ہے، مدرسہ کھلا ہوا ہے، استاد پڑھانے کے لیے موجود ہے اور ہمارا کام صرف یہ ہے کہ نوالہ بنا کر منہ میں لے جائیں اور حلق سے اتار دیں، لیکن وہ بھی صحیح معنوں میں جس طرح اتارنا چاہیے اس طرح نہیں اترتا۔

قرآنِ کریم کی قدر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھیے، جنہوں نے ایک ایک، چھوٹی چھوٹی آیت کی خاطر ماریں کھائی ہیں، کفار کے ظلم وستم برداشت کیے ہیں اور کس کس طرح اس قرآنِ کریم کا علم حاصل کیا ہے، صحیح بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں چھوٹے بچے تھے اور مدینہ طیبہ سے بہت فاصلے پر ایک بستی میں رہتے تھے، مدینہ طیبہ آنا جانا ممکن نہ تھا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ کرتا تھا کہ روزانہ اس سڑک پر چلا جاتا جہاں سے مدینہ طیبہ کے قافلے آیا کرتے تھے، جو کوئی قافلہ آتا تو ان سے پوچھتا کہ بھائی اگر آپ لوگ مدینہ طیبہ سے آرہے ہیں تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کو قرآنِ کریم کی کوئی آیت یاد ہے؟ کسی کو

قرآنِ کریم کی کوئی ایک آیت یاد ہوتی، کسی کو تین آیتیں یاد ہوتیں، اس طرح ان قافلے والوں سے سن سن کر اور ان کے پاس جاجا کر میں نے ایک ایک دو دو آیتیں حاصل کیں اور الحمدللہ اس طرح میرے پاس قرآنِ کریم کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہوگیا۔(۱) ان سے اس قرآن کی قدر پوچھیے، جن کو ایک ایک آیت حاصل کرنے کے لیے قافلے والوں کی منت سماجت کرنی پڑ رہی ہے، جن اللہ کے بندوں نے اسے ہم تک پہنچایا، جن محنتوں، قربانیوں اور مشکلات سے گزر کر اس کو ہمارے لیے تیار کرکے چھوڑ گئے۔ اب ہمارے پاس قرآن تیار شکل میں موجود ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا رہ گیا ہے کہ اس کو پڑھ لیں، پڑھنا سیکھ لیں، اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر عمل کریں، گویا پکی پکائی روٹی تیار ہے صرف کھانے کی دیر ہے، اس واسطے قدر معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور بہن کا واقعہ ہے (اس واقعے کو ہر مسلمان جانتا ہے) وہ دونوں جانتے تھے، اگر ہم یہ قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں گے (اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو وہ ہمیں پڑھنے نہیں دیں گے، بلکہ ہمیں سزا دیں گے، اس واسطے چھپ چھپ کر پڑھتے تھے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے جارہے تھے، کسی نے کہا کہ دوسروں کو تو اسلام سے روکتے ہیں، اپنے گھر کی جا کر خبر نہیں لیتے، وہاں پر کیا ہورہا ہے؟ واپس آکر دیکھا کہ بہن اور بہنوئی قرآنِ کریم کھولے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کررہے تھے

(۱) صحیح البخاری ۱۵۰/۵ (۴۳۰۲).

(لمبا واقعہ ہے، جو آپ حضرات کو معلوم ہے)۔(۱)

بہر حال! ان مشکلات کے دور میں ایک ایک آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح حاصل کی ہے، اس لیے وہ اس کی قدر و قیمت پہچانتے تھے، چونکہ ہم اور آپ کو بیٹھے بٹھائے یہ دولت مل گئی ہے، اس لیے اس کی قدر نہیں پہچانتے، جب تک یہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، جب تک یہ دنیا کا نظام چل رہا ہے، جب تک موت نہیں آتی، اس وقت تک ذہن دنیا کی ظاہری چمک دمک میں اور دوسری چیزوں میں لگا ہوا ہے۔ ایک وقت آنا ہے، جب دنیا سے جانا ہے۔ جب انسان قبر کے اندر پہنچے گا، وہاں اس قرآنِ کریم کی دولت اور عظمت کا پتا چلے گا، وہاں جا کر اس نعمت کا پتا چلے گا، ایک ایک آیت پر کیا کچھ انوار، کیا کچھ نعمتیں اور کیا کچھ انعامات ملیں گے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا اجر

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص قرآنِ کریم پڑھتا ہے تو اس کو ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ پھر تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی کہ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے، تو جب الم پڑھا تو اس الم کے پڑھنے سے نامہ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہوگیا۔(۲)

---

(۱) ملاحظہ ہو فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل ۲۷۹/۱ (۳۷۱) طبع الرسالة۔

(۲) سنن الترمذی ۳۳/۵ (۲۹۱۰) وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید کو بغیر سمجھے پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ تو ایک نسخۂ ہدایت ہے، اس کو سمجھ کر انسان پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اس کا فائدہ حاصل ہوگا، محض طوطے مینا کی طرح اس کو رٹ لیا، اس سے فائدہ کیا؟ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بیان فرمادیا کہ یہ قرآن ایسا نسخۂ شفا ہے کہ جو شخص اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرے، اس کے لیے تو باعث شفا ہے ہی، لیکن اگر کوئی شخص محض اس کی تلاوت کیا کرے، بغیر سمجھے بھی تو اس پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی نیکیاں لکھی ہیں کہ ایک الم کے پڑھنے پر تیس نیکیوں کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

قرآنِ کریم سے غفلت کا باعث

ان نیکیوں کو حاصل کرنے کے لیے کوئی کشش پیدا نہ ہوئی، کوئی جُنبش نہ ہوئی، کوئی حرکت نہیں ہوئی، کوئی جذبہ دل میں پیدا نہ ہوا، کیوں؟ اس واسطے کہ آج کی دنیا کا سکہ نیکیاں نہیں، یہ جو کہا جارہا ہے کہ نیکیوں کا اضافہ ہوجائے گا، نامۂ اعمال میں اضافہ ہوجائے گا، یہ سکہ رائج الوقت نہیں، اگر یوں کہا جاتا کہ الٓمٓ کے الف پر دس روپے ملیں گے، لام پر دس روپے ملیں گے، میم پر دس روپے ملیں گے، یعنی الٓمٓ پڑھنے پر تیس روپے ملیں گے تو اس کی طرف کھنچتا، کشش ہوتی، لوگ دوڑتے اور بھاگتے۔ یہاں تو بہت سستا سودا مل رہا ہے کہ الم پڑھو اور تیس روپے کماؤ، لیکن چونکہ یہ کہا جارہا ہے کہ روپوں کے بجائے نیکیاں ملیں گی، کوئی کشش، کوئی جنبش، کوئی حرکت دل میں پیدا نہیں ہورہی، اس واسطے کہ نیکیوں کی قدر نہیں معلوم، جانتے نہیں کہ نیکی کے بڑھنے سے کیا ہوتا ہے اور روپے کی قدر معلوم ہے، دس روپے ملیں گے تو ان سے اتنا کام ہوگا، نیکیاں کرنے سے کون سی کار ہاتھ آگئی، کون سا بنگلہ بن گیا، کون سے بینک بیلنس میں

اضافہ ہوگیا، نیکیاں بڑھ گئیں تو کیا ہوگیا، سکہ رائج الوقت تو ہے نہیں، اس واسطے اس کی طرف کشش نہیں ہوتی، اس کی طرف دل میں حرکت نہیں ہوتی۔

جس روز آنکھ بند ہوگی، جس روز اس قلب کی حرکت رک جائے گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی اس دن پتا چلے گا کہ یہ نیکیاں کیا چیز تھیں اور روپے جس کی ہم قدر کیا کرتے تھے جو آج بڑی قیمتی چیز ہیں یہ کیا تھے؟

درحقیقت مُفلس کون ہے؟

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا فرمایا کہ یہ بتاؤ! مفلس کسے کہتے ہیں؟ مفلس کے معنی کیا ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مفلس تو اس کو کہتے ہیں جس کے پاس دینار ودرہم نہ ہوں، یعنی جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، اس زمانے میں درہم چلتے تھے، اشرفیاں سونے کی اور درہم چاندی کے، تو جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، دولت نہ ہو وہ مفلس ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ حقیقی مفلس نہیں، حقیقی مفلس کون ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں، حقیقی مفلس وہ ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، تو نیکیوں سے اس کا میزان عمل کا پلڑا بھرا ہوا تھا، بہت سی نیکیاں لے کر آیا تھا، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، تسبیحات پڑھی تھیں، اللہ کا ذکر کیا تھا، تعلیم کی تھی، تبلیغ کی تھی، دین کی خدمات انجام دی تھی، بہت ساری نیکیاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں لے کر آیا تھا، لیکن جب نیکیاں پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ نیکیاں تو بہت کی تھیں، نماز بھی پڑھی، روزہ بھی رکھا، زکوٰۃ بھی دی، حج بھی کیا، سب کچھ کیا، لیکن بندوں

کے حقوق ادا نہ کیے، کسی کو مارا، کسی کو برا بھلا کہا، کسی کا دل دکھایا، کسی کو تکلیف پہنچائی، کسی کی غیبت کی، کسی کی جان پر حملہ آور ہوا، کسی کا مال کھایا، کسی کی آبرو پر حملہ کیا۔ یہ اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کیے، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، عبادتیں کی تھیں، قرآنِ کریم کی تلاوت کی تھی، سب کچھ کیا تھا، لیکن لوگوں کو اپنے ہاتھ سے اپنی زبان سے اور مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچائی تھی، اب جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا، وہاں تو عدل ہے، انصاف ہے، اس لیے جن کے حق مارے تھے ان سے کہا گیا کہ تم اس سے اپنا حق وصول کرو، کسی کا روپیہ کھایا تھا اس سے کہا جائے گا کہ اس سے پیسے وصول کرو، اب وہاں کوئی پیسے تو ہیں نہیں، نہ روپیہ، نہ پیسہ، نہ دولت، وہاں دنیا کی سب کرنسیاں ختم ہوچکیں، وہ حق کیسے ادا کرے؟

باری تعالیٰ فرمائیں گے یہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں، یہاں کا سکہ تو نیکیاں ہیں، وہ نیک اعمال ہیں جو اس نے دنیا کے اندر کیے تھے، لہٰذا اسی کے ذریعے تبادلہ ہوگا، چنانچہ جس کے پیسے کھائے تھے، اس سے کہا جائے گا اس کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں سے لے لو، اس نے بہت ساری نفلی نمازیں پڑھی تھیں، وہ سب ایک صاحبِ حق کو مل گئیں، دوسری نمازیں دوسرا صاحبِ حق لے گیا، روزے تیسرا صاحبِ حق لے گیا، حج چوتھا صاحبِ حق لے گیا اور جتنے نیک اعمال کیے تھے، ایک ایک کرکے لوگ لے جاتے رہے، یہاں تک کہ ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی، وہ جتنا ڈھیر لے کر آیا تھا کہ وہ سارا کا سارا ختم ہوگیا، اب کچھ باقی نہیں، کچھ لوگ پھر بھی کھڑے ہیں کہ پروردگار ہمارا حق تو رہ گیا ہے، ہمارے بھی پیسے کھائے تھے، ہمیں بھی برا بھلا کہا تھا، ہماری بھی غیبت کی تھی، اس سے ہمارا بھی بدلہ دلوایئے، لیکن اس کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ تو ختم

ہوگیا، بدلہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب راستہ یہ ہے کہ تمہارے جو گناہ ہیں وہ تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا کر اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دیے جائیں، تم نے جو غیبت کی تھی، تمہارے وہ گناہ معاف، وہ گناہ اس کو دے دیا جائے، تم نے کوئی ناجائز کام کیا تھا، اس ناجائز کام کا گناہ تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا کر اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نیکیوں کا ڈھیر لے کر آیا تھا، لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ نیکیاں باقی رہتیں۔ اور لوگوں کے گناہ بھی اس کی گردن پر ڈال دیے، فرمایا حقیقت میں مفلس وہ ہے جو نیکیاں لے کر آیا تھا اور گناہوں کا بوجھ لے کر جا رہا ہے۔(۱)

حقوق العباد کی اہمیت

اس لیے یہ حقوق العباد بڑے ڈرنے کی چیز ہے۔ لوگوں کے حقوق مارنا خواہ پیسے کی شکل میں ہو، یا عزت کی شکل میں ہو، یا جان کی شکل میں ہو، یہ اتنا خطرناک معاملہ ہے کہ اور گناہ توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، لیکن حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص شراب پیے، معاذاللہ، زنا کرے، جوا کھیلے، کوئی اور گناہ کرے اور کتنے ہی بڑے سے بڑے گناہ کیے ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر سچے دل سے توبہ کرے اور "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" پڑھ لے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

---

(۱) صحیح مسلم ۱۹۹۷/٤ (۲٥۸۱).

"اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ"(۱)

جو ایک مرتبہ گناہ سے تائب ہوجائے تو ایسا ہوجاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، سب معاف فرمادیتے ہیں۔

لیکن اگر بندوں کے حقوق مارے، مثلاً ایک پیسہ بھی کسی کا ناجائز کھا لیا، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، کسی کا دل دکھا دیا، یہ ایسا گناہ ہے، اس کی معافی کی کوئی شکل نہیں، یہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا، جب تک وہ صاحبِ حق معاف نہ کرے جس کا حق سَلب کیا ہے، اس واسطے اس معاملہ میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

ابھی مدرسہ دیکھنے کے لیے بالائی حصے پر جانا ہوا، بڑا دل خوش ہوا، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی ترقیات عطا فرمائے، یہاں دین کے سچے طالب پیدا فرمائے، ماشاء اللہ بڑا کام ہورہا ہے، لیکن جب اوپر بیٹھا تھا، تو لاؤڈ اسپیکر کی آواز اتنی تیز کان میں آرہی تھی، باہر بھی، اوپر بھی کہ چاروں طرف اس کا شور مچ رہا تھا، میں نے گزارش کی کہ اس کی آواز ہلکی کرنی چاہیے، اور ساتھ یہ بھی گزارش کی کہ کسی ایک جگہ پر بات چیت سننے کے لیے لوگ جمع ہوں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ آواز اتنی ہی ہونی چاہیے جتنی کہ حاضرین کے پہنچانے کے لیے کافی ہو، لیکن سارے محلے، کو سارے شہر کو سنانا کئی وجہ سے جائز نہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه ٣٢٠/٥ (٤٢٥٠) طبع الرسالة، والمعجم الكبير ١٥٠/١٠ (١٠٢٨١) وذکرہ المنذری فی "الترغيب والترهيب" ٤٨/٤ وقال: رواه ابن ماجه والطبرانی، کلاهما من رواية أبی عبيدة بن عبد الله بن مسعود عن ابيه، ولم يسمع منه، ورواة الطبرانی رواة الصحيح.

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی آواز کی وجہ سے کوئی اللہ کا بندہ کسی گھر میں بیمار ہے اور وہ سونا چاہتا ہے اور اس کی آواز کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچ رہی ہے، اس کی بیماری میں اضافہ ہورہا ہے یا کوئی اور شخص ہے جو بیمار تو نہیں، لیکن سونا چاہتا ہے اور ہماری آواز کی وجہ سے اس کی نیند میں خلل آرہا ہے، اس کی نیند خراب ہورہی ہے، ہم خوش ہیں کہ ہماری تقریر کی آواز دور دور تک پہنچ رہی ہے، قیامت کے دن پوچھ ہوگی کہ میرا ایک بندہ تمہاری وجہ سے تکلیف میں تھا، بتاؤ! تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

مسلمان کون ہے؟

حدیث میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" (۱)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس کے ہاتھ سے بھی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس کی زبان سے بھی کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہم تو اپنے زعم میں دین کی بات کررہے ہیں، لیکن دین کی بات کرنے کا بھی شریعت نے طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ کی بات سننا نہیں چاہتا، آپ اس کے کان کے اوپر لاؤڈ اسپیکر لگا کر زبردستی اس کو بات سنائیں، اس کا شریعت میں کوئی جواز نہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ ایک

---

(۱) صحیح البخاری ۱۱/۱ (۱۰).

صاحب وعظ کہہ رہے ہیں اور لوگ جمع ہیں، لوگ تھوڑے سے ہیں، لیکن واعظ آواز بہت تیز نکال رہے ہیں، جو باہر دور تک جا رہی ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ اے واعظ! اتنی آواز نکالو، جتنے تمہارے سننے والے موجود ہوں، اس سے باہر تمہاری آواز نہیں جانی چاہیے اور اگر آئندہ تمہاری آواز باہر جائے گی تو سمجھ لو کہ میں اپنا درّہ کام میں لاؤں گا، اس واسطے کہ باہر کے لوگ سننے والے نہیں ہیں، جن کو سننا ہی ہو وہ آپ کے پاس آکر بیٹھ جائیں۔اس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر کا تو رواج ہی نہیں تھا، ویسے ہی آواز باہر جا رہی تھی، تب بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے روکا، اگر اس زمانے میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہوتے تو نہ جانے ہم میں سے کتنوں کی کمر پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا درّہ ہوتا کہ دن رات جہاں دیکھو دین کے نام پر ہم وہ کام کرتے ہیں جو دین کے خلاف ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی کے ساتھ تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ وہ جمعے کے بعد کچھ آرام کیا کرتی تھیں، وہاں ایک صاحب وعظ کہنے کے لیے تشریف لے آتے تھے اور وہ بڑی بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پیغام بھجوایا کہ آپ جب وعظ کریں تو جتنے لوگ جمع ہوں، ان کے مطابق آواز نکالا کریں، باہر دور تک آواز نہ پہنچایا کریں، وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ میں تو دین کا حکم سنا رہا ہوں، دین کی تبلیغ کر رہا ہوں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی اور کہا کہ وہ شخص یہاں آکر وعظ کہتا ہے اور میری نیند میں خلل واقع ہوتا ہے، آپ اس کو روکیں۔ (۱)

---

(۱) تاریخ المدینة لابن شبة ۱/۱۵ طبع السید حبیب۔الجدة۔

تعلیمِ نبوی

نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ طریقہ سکھایا، آج ہم نے پتا نہیں کس چیز کا نام دین سمجھ لیا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو طریقہ سکھایا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ تہجد کے لیے بیدار ہو رہے ہیں اور اس وقت بستر سے کس انداز سے اٹھتے ہیں، حدیث میں آتا ہے۔ قام رویدا آہستہ سے اٹھتے ہیں ''وفتح الباب رویدا''(۱) دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں، کیوں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اٹھنے سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نیند میں خلل نہ آجائے، وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کے ایک ایک حکم پر آپ کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، ایک نیند تو کیا، کروڑوں نیندیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، حضورِ اقدس سرکارِ دو عالم ﷺ پر، لیکن تعلیم یہ دے رہے ہیں کہ اپنی عبادت انجام دینی ہے تو اس طرح نہ دو جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

یہ ہیں حقوق العباد، جو نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے سکھائے۔ آج اگر ہم دین کی کوئی بات کر رہے ہیں تو ساری دنیا کو سنانا ضروری ہے، چاہے کوئی سو رہا ہو یا مر رہا ہو یا بیمار ہو، اس بات کا کوئی لحاظ نہیں، کسی کے ذہن میں بھی نہیں آتا کہ ہم یہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔

مسلمان کی عزت و عظمت

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے، ایسا ہی گناہ ہے، جیسے شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا، چوری کرنا، زنا کرنا۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ

---

(۱) صحیح مسلم ۲/۶۶۹ (۹۷٤)۔

ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو خطاب کرکے فرما رہے ہیں: اے اللہ کے گھر! تو کتنی حرمت والا ہے، کتنی عظمت والا ہے، کتنا تقدس والا ہے، کتنا مقدس ہے! پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ لیکن ایک چیز ایسی ہے، جس کی عظمت، جس کا تقدس تجھ سے بھی زیادہ ہے، یہ کعبہ سے خطاب کرکے فرمایا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دم سے میرے کان کھڑے ہوگئے، میں چونکا کہ وہ کون سی چیز ہے کہ جس کی عزت وحرمت اور جس کی عظمت بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ چیز ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو۔ (۱)

مسلمان کی جان، مسلمان کا مال اور مسلمان کی آبرو، یہ تین چیزیں ایسی ہیں، اے کعبۃ اللہ! ان کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے، کیا مطلب؟ کہ اگر کوئی شخص ناجائز طور پر کسی مسلمان کی جان پر حملہ آور ہو، اس میں جان سے مارنا، قتل کرنا، زخمی کرنا، نقصان پہنچانا، تکلیف پہنچانا، جسمانی تکلیف کوئی بھی پہنچائی جائے، وہ سب اس میں داخل ہیں، تو کسی مسلمان کی جان یا مال یا آبرو کو نقصان پہنچانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کعبۃ اللہ کو ڈھادے، کعبے کا منہدم کردینا جتنا بڑا گناہ ہے اتنا ہی کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر ناحق حملہ کرنا گناہ ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجه ٨٥/٥ (٣٩٣٢) وقال البوصيرى فى "مصباح الزجاجة" ١٦٤/٤ (١٣٨٥) وقال هذا اسناد فيه مقال نصر بن محمد ضعفه ابو حاتم وذكره ابن حبان فى "الثقات" وباقى رجال الإسناد ثقات۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو کے بارے میں کتنی تاکید فرمائی ہے۔ آج خدا نہ کرے کوئی بدبخت یہ جرأت کرے کہ بیت اللہ شریف پر معاذ اللہ حملہ آور ہو کر اس کو منہدم کرنے کی کوشش کرے، کیا کوئی مسلمان ایسا ہے جو اس کی تکہ بوٹی چھوڑ دے، اگر اس کے قابو میں آ گیا، تو کبھی اس کی غیرت گوارا نہ کرے گی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی بیت اللہ پر حملہ آور ہو۔

لیکن صبح سے شام تک کتنے بیت اللہ ڈھائے جا رہے ہیں، کتنے کعبے ڈھائے جا رہے ہیں، مسلمان کی جان، جس کو نبی کریم ﷺ نے عظمت والا قرار دیا تھا وہ مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے کہ ایک مکھی یا مچھر کو مارا، یا کسی مسلمان کو مارا اور مارنے کے علاوہ تکلیف پہنچانے کے جتنے راستے ہیں، جن کا میں نے ذکر کیا وہ سب اس کے اندر داخل ہیں اور ان سب کو نبی کریم ﷺ نے کتنا بڑا گناہ قرار دیا اور اسی وجہ سے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا مفلس وہ شخص ہے کہ جو قیامت کے دن نیکیوں کا بڑا ذخیرہ لے کر آئے، لیکن بالآخر اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہ رہے، دوسروں کے گناہ اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دیے گئے۔(۱)

دینِ اسلام کی حقیقت

آج ہم نے چند ظاہری عبادتوں کا نام دین رکھ لیا ہے، نماز پڑھی، روزہ رکھا، کچھ زکوٰۃ دے دی، کچھ نہیں بھی دی اور حج کرنے اور عمرہ کرنے کی دولت

---

(۱) صحيح مسلم ٤/١٩٩٧(٢٥٨١).

مل گئی، یہ عبادتیں اپنی جگہ بڑی نعمتیں ہیں، لیکن دین ان میں منحصر نہیں۔ دین کا جو علم ہے، جسے فقہ کہتے ہیں، اس کے چار حصے ہیں، ان میں سے ایک حصہ عبادات سے متعلق ہے، باقی تین حصے حقوق العباد سے متعلق ہیں، لیکن ہم نے حقوق العباد کو دین سے بالکل خارج کر لیا ہے۔ کسی کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ میں نے کوئی گناہ کا کام کیا یا ناجائز کام کیا، یا اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض کرنے والا کام کیا ہے، اگر ایسا ناراض کرنے والا کوئی کام کیا تو اس کی توبہ کی کوئی شکل نہیں، جب تک وہ صاحبِ حق اس کو معاف نہ کردے۔

رشوتوں کا دور دورہ ہے، لوگوں کو ایذا پہنچا رہے ہیں، تکلیفیں پہنچائی جارہی ہیں، ان کا حق لوٹا جارہا ہے، یہ ساری کی ساری باتیں حقوق العباد سے متعلق ہیں، تکلیف پہنچانے کی جو بھی چیزیں ہیں، وہ حقوق العباد کو تلف کرنے والی ہیں۔ بہرحال یہ بات تو اس حدیث کے تحت زبان پر آگئی، لیکن بڑی اہم بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اہمیت اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔

یہ دین چند ظاہری عبادتوں کا نام نہیں ہے۔ یہ ہمیں ایک ایک چیز کے بارے میں ہدایت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ آج کی اس دنیا میں جب تک کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، اس وقت تک ہمیں ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی، ساری دولت روپے، پیسے کو سمجھ رکھا ہے۔ میرے پاس بینک بیلنس زیادہ ہوجائے، پیسے زیادہ ہوجائیں، بنگلہ بن جائے، کار مل جائے، بس ساری دوڑ دھوپ، سارا سوچ بچار کا محور ہم نے اس کو بنا رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نیکیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

عبرت آموز واقعہ

اس کی مثال بالکل ایسی ہے، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ مفتی اعظم پاکستان نے (اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل فرمائے، آمین) اپنا ایک واقعہ سنایا اور جو اللہ والے ہوتے ہیں، یہ اپنے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آئے، اس سے کوئی نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔ اپنے بچپن کا واقعہ سناتے ہیں کہ بچپن میں جب میں چھوٹا سا بچہ تھا، اپنے ایک بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا اور دیوبند ہندوستان میں حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بچوں کے کھیل آج کے بچوں کی طرح نئے نئے کھیل تو تھے نہیں، ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کھیل ہوا کرتے تھے، یہ سرکنڈے ہوتے ہیں، اس کے چھوٹے چھوٹے پورے بنا کر اس سے بچے کھیلا کرتے تھے۔ ایک بچے نے اپنا پورا نیچے کی طرف لڑھکایا، دوسرے بچے نے بھی لڑھکایا، جس کا پورا پہلے پہنچ گیا وہ جیت گیا اور وہ دوسرے سے ایک پورا لے لیتا تھا۔

فرمایا کہ میں یہ کھیل ایک مرتبہ اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا، بہت سارے پورے لے کر آیا، وہ بھی لے کے آئے تھے، اب جب کھیلنا شروع کیا، تو جب بھی میں اپنا پورا لڑھکاتا ہوں تو میرا پورا پیچھے رہ جاتا ہے، بھائی کا پورا آگے بڑھ جاتا ہے اور ہر مرتبہ وہ مجھ سے ایک پورا لے لیتے، یہاں تک کہ جتنے پورے لے کر آیا تھا، وہ سارے کے سارے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے، اب میرے پاس کوئی پورا نہیں اور بھائی جتنے لائے تھے، ان کے پاس اس سے دو گنے ہو گئے، فرماتے ہیں کہ جب میں سارے کے سارے پورے ہار گیا، مجھے یاد ہے کہ مجھے اتنا شدید صدمہ اور اتنا غم ہوا اور میں اس پر اتنا رویا کہ اس کے

بعد اس سے بڑے سے بڑے نقصان پر اتنا صدمہ نہیں ہوا اور یہ سمجھا کہ آج تو میری کائنات لٹ گئی، آج تو میری دنیا تباہ ہوگئی، یہ صدمہ اس وقت اتنا ہو رہا تھا کہ کسی بڑی سے بڑی جائیداد کے لٹ جانے پر بھی نہیں ہوتا۔

فرماتے ہیں کہ آج جب سوچتا ہوں کہ کس بات پر رویا تھا، کس بات پر صدمہ ہوا تھا، کس بات پر اتنا غم کیا تھا، ان معمولی، بے حقیقت، بے قیمت پوروں کے چھن جانے سے اتنا صدمہ ہو رہا تھا تو آج اس واقعے کو یاد کر کے ہنسی آتی ہے، کتنی حماقت کی بات تھی، کتنی بیوقوفی کی بات تھی۔ پھر فرمایا اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم بے وقوف تھے، بچے تھے، عقل نہیں تھی، اس واسطے اس بے حقیقت چیز کے کھو جانے پر اتنا صدمہ کر رہے تھے، اس لیے اب اس پر ہنستے ہیں، لیکن اب سمجھتے ہیں کہ اب عقل آگئی ہے کہ وہ پورے بے حقیقت تھے، درحقیقت یہ روپے پیسے یہ بنگلے، یہ جائیدادیں، یہ کاریں، یہ ہیں اصل چیز کہ جن کو انسان حاصل کرے۔

لیکن فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس آخرت میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت پتا چلے گا کہ یہ تمام چیزیں جن کے اوپر دنیا میں لڑ رہے تھے، یہ زمین، یہ جائیداد، یہ دولت، یہ کوٹھیاں، یہ بنگلے، یہ کاریں، یہ ساری کی ساری ایسی بے حقیقت تھیں، جیسے کہ وہ سرکنڈے کے پورے اور جس طرح آج اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ پوروں کے چھن جانے سے افسوس ہو رہا تھا، اسی طرح اس وقت ان کی حقیقت معلوم ہوگی کہ جو کوٹھیاں ہم بنایا کرتے تھے، جائیدادوں پر، زمینوں پر اور مال و دولت کی بنیاد پر جھگڑتے اور اکڑتے اور دنیا میں ان چیزوں کو دولت سمجھا کرتے تھے، یہ حقیقی دولت نہیں تھی، حقیقت میں دولت یہ اعمال حسنہ تھے، جو جنت میں لے جانے والے ہیں۔

جنت کی راحت اور جہنم کی شدت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ایسے شخص کو بلائیں گے جس نے ساری عمر تکلیفوں میں، مشقتوں میں، صدمات میں گزاری اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری زندگی کیسی گزری؟ وہ کہے گا پروردگار! میری زندگی کا آپ کیا پوچھتے ہیں، اتنے صدمے اٹھائے، اتنی تکلیف سہی، اتنی پریشانیاں اٹھائیں کہ ساری عمر کوئی خوشی یاد نہیں، ساری عمر صدمات ہی صدمات میں گزری، باری تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس کو ذرا جنت کے باہر سے ہوا لگا لاؤ، اس کو فرشتے لے جائیں گے اور جنت کے باہر سے اس طرح سے ایک چکر لگا کر لے آئیں گے کہ جنت کی ہوا کا کوئی جھونکا لگ جائے گا۔ اس کے بعد اس سے پوچھیں گے کہ اب بتا کیسی زندگی گزری؟ وہ کہے گا پروردگار! میری زندگی تو اتنی عافیت میں گزری ہے کہ میں نے کسی غم کی شکل دیکھی ہی نہیں ہے، میں نے تو ساری عمر مسرتوں میں، عیش وعشرت میں اور بہت خوشی میں بسر کرتا رہا ہوں اور میں نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی، وہ جو ذرا سی جنت کی ہوا لگ گئی، اس کی لذت، اس کی راحت، اس کا سکون، اس کا اطمینانِ قلب اتنا پیارا ہوگا کہ ساری دنیا کی تکلیفوں کو بھول جائے گا۔

پھر فرمائیں گے ایسے شخص کو بلاؤ کہ جس نے دنیا کے اندر کسی غم کی شکل دیکھی نہیں، کوئی صدمہ نہیں دیکھا، بلکہ آرام میں، عیش میں ساری عمر گزاری اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری زندگی کیسی گزری۔ وہ کہے گا کہ یا اللہ! میری زندگی تو بڑے آرام کے ساتھ گزری، بڑے عیش وعشرت میں گزری، کوئی صدمہ میرے پاس نہیں پھٹکا، کہا جائے گا کہ اس کو ذرا سی ایک ہوا جہنم کی لگا لاؤ باہر ہی

سے اندر داخل مت کرنا۔ فرشتے اس کو لے جائیں گے اور جہنم کے پاس اس طرح سے گزار کے لے آئیں گے کہ جہنم کی لپٹ کا ذرا سا جھونکا اس کو لگ جائے گا۔

اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا، اب بتاؤ، تمہاری زندگی کیسی گزری؟ وہ کہے گا یا اللہ! میں تو ساری عمر تکلیف میں رہا ہوں، ساری عمر صدمات میں گزاری ہے، خوشی کی کوئی شکل نہیں دیکھی۔ وہ چند لمحات کی جہنم کی ہوا، اس کی جو شدت ہے اور اس میں جو سختی ہے، وہ اتنی زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے ساری عمر کی راحتیں، مسرّتیں بھول جائے گا، یہ ہے جنت وجہنم کی راحت و شدّت کا حال کہ اس کے مقابلے میں ہم دنیا کو بھول جائیں گے(۱)۔

ہماری زبوں حالی

اور ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہمارے دماغ پر اور دل پر جو فکر مسلّط ہے، جو سوچ بچار ہے، جو دوڑ دھوپ ہے، وہ اس دنیا کے بے حقیقت مال ومتاع کے لیے ہے، آخرت کی زندگی کو درست کرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔

ایک مسئلے پر تمام دنیا کے انسان متفق ہیں

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر ساری دنیا کے انسان متفق ہوں، ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہے، لیکن ایک بات ایسی ہے، اس سے کسی فردِ بشر کا اختلاف نہیں اور وہ یہ ہے کہ مجھے ایک دن مرنا

(۱) صحیح مسلم ٤/٢١٦٢ (٢٨٠٧).

ہے، موت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ لوگوں نے خدا سے انکار کردیا، خدا کے وجود سے انکار کردیا، رسالت سے انکار کردیا، لیکن موت سے انکار کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں، بڑے سے بڑا دھریہ، بڑے سے بڑا ملحد، کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موت نہیں آئے گی، ہر شخص اس کو مانتا ہے اور ساتھ ہی اس کو بھی مانتا ہے کہ اس مرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں، ہوسکتا ہے اگلے لمحے آجائے، ہوسکتا ہے کل آجائے، ہوسکتا ہے کہ دو دن کے بعد آجائے، ہوسکتا ہے کہ مہینے بعد آئے، ہوسکتا ہے کہ سال بھر میں آجائے، بہت زیادہ جی لے تو ستر سال، اسی سال، پھر بہت ہی زیادہ جی لے تو سو سال، اس کے بعد تو جانا ہی جانا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور بڑا عجیب واقعہ ہے، یاد رکھنے کا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر پر جا رہے ہیں، جاتے جاتے سفر کے دوران کچھ بھوک لگی، وہ ہوٹلوں، ریسٹورینٹوں کا زمانہ تو تھا نہیں کہ بھوک لگی، تو کسی ہوٹل میں گھس گئے اور وہاں جا کر کھانا کھا لیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تلاش کیا کہ آس پاس بستی ہو، لیکن وہاں کوئی بستی بھی نہیں، تلاش کرتے کرتے دیکھا کہ ایک بکریوں کا ریوڑ چر رہا ہے، خیال ہوا کہ اس بکری والے سے کچھ دودھ لے کر پی لیں، تاکہ بھوک مٹ جائے، تو دیکھا کہ چرواہا بکریاں چرا رہا ہے، اس سے جا کر کہا کہ میں مسافر ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے، مجھے ایک بکری کا دودھ نکال دو تو میں پی لوں اور اس کی جو قیمت تم چاہو، وہ میں تم کو ادا کردوں۔

چرواہے نے کہا کہ جناب! میں ضرور آپ کو دودھ دے دیتا، لیکن یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو ملازم ہوں، نوکر ہوں، بکریاں چرانے کے لیے مجھے میرے مالک نے رکھا ہوا ہے اور جب تک اس سے اجازت نہ لے لوں، اس وقت تک مجھے آپ کو دودھ دینے کا حق نہیں، آپ رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہارے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرلو، پوچھا کیا؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایسا کرو کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو، پیسے میں تمہیں ابھی دیتا ہوں، میرا فائدہ تو یہ ہوگا کہ مجھے دودھ مل جائے گا، ضرورت ہوگی تو میں اسے کاٹ کر گوشت بھی کھالوں گا اور پھر مالک جب تم سے پوچھے ایک بکری کہاں گئی؟ تو کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا اور اس کی وجہ سے تباہ ہوگئی اور بھیڑیا تو بکریوں کو کھاتا ہی رہتا ہے، کہاں مالک تمہاری تحقیق کرتا پھرے گا، بھیڑیے نے کھایا یا نہیں کھایا؟ تم ان پیسوں کو اپنی جیب میں رکھ کر ان کو اپنی ضروریات میں استعمال کرنا، ایسا کرلو، اس میں تمہارا بھی فائدہ، میرا بھی فائدہ۔

اس چرواہے نے یہ بات سنی اور سنتے ہی بے ساختہ جو کلمہ اس کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا "یاابن الملك! فاین الله؟" شہزادے! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں مالک سے جاکر جھوٹ بول دوں اور یہ کہہ دوں کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا، تو اللہ میاں کہاں گئے؟ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ بے شک میرا مالک مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن مالک کا مالک، مالک الملک وہ دیکھ رہا ہے، اس کے پاس جاکر میں کیا جواب دوں گا، مالک کو تو خاموش کرسکتا ہوں، لیکن مالک کے مالک کو کیسے خاموش کروں۔(۱)

جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی احساس باقی ہے، اس وقت تک

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۲۲۳/۷(٤٩٠٨) طبع الرشد.

دنیا میں امن وسکون باقی ہے اور جب یہ ختم ہوگیا تو اس وقت انسان، انسان نہ رہے گا، بلکہ بھیڑیا بن جائے گا، جیسا کہ آج کل بنا ہوا نظر آرہا ہے۔

انسان انسان نہیں، درندہ بنا ہوا ہے، دوسرے کی بوٹیاں نوچنے کی فکر میں ہے، دوسرے کی کھال اتارنے کی فکر میں ہے، دوسرے کا خون پینے کی فکر میں ہے، صرف اس دنیا کے کچھ فائدے حاصل کرنے لیے کہ اس کے کچھ فائدے حاصل ہوجائیں۔

ابدی زندگی کی فکر

نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فکر پیدا فرمائی کہ دنیاوی زندگی تو خدا جانے کتنے دن ہے، کب ختم ہوجائے، اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ جو اَبدی زندگی ملنے والی ہے، اس کی فکر کرو اور وہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ تم لاکھ جمع کرلو، کروڑ کرلو، ارب کرلو، کھرب کرلو، سب یہیں دنیا میں چھوڑ کر جاؤ گے، کوئی تمہارے ساتھ جانے والا نہیں ہے، وہاں اگر کوئی چیز جانے والی ہے تو وہ نیک عمل ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مردہ قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے، تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں: ایک اس کے عزیز واقارب جاتے ہیں اس کو چھوڑنے کے لیے، دوسری چیز اس کا مال جاتا ہے، یعنی وہ کپڑے جو اس کے اوپر ہیں اور چارپائی ہے، جن میں اس کو لپیٹ کر لِٹا کر لے جایا جارہا ہے اور تیسری چیز جو اس کے ساتھ جاتی ہے وہ اس کا عمل ہے۔ فرمایا پہلی دو چیزیں یعنی عزیز و اقارب اور مال قبر کے کنارے جانے کے بعد واپس ہوجاتے ہیں، آگے جانے والی چیز ایک ہی ہے اور وہ اس کا

عمل ہے، خواہ نیک عمل ہے یا اس کا برا عمل ہے۔(۱)

اس واسطے وہاں کا سکّہ یہ روپیہ پیسہ نہیں، یہ مال ودولت نہیں، وہاں کا سکّہ نیکیاں ہیں اور ان نیکیوں کے حصول کے لیے سب سے بڑی دولت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی وہ قرآنِ کریم کی دولت ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ قرآنِ کریم اس امت کے واسطے نسخۂ شفا بنا کر بھیجا، اس کا پڑھنا، اس کا سمجھنا، اس پر عمل کرنا، اس کی دعوت دینا، اس کی تبلیغ کرنا، سب انسان کے لیے موجبِ اجر وثواب ہے، موجبِ سعادت ہے۔

قرآنِ کریم کی قدر کا طریقہ

نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے اس وقت تک کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب،(۲) یہ چھوڑ کر آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور اس کی قدر پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کم از کم اتنا تو کرے کہ ہم مسلمانوں میں سے کسی کا بچہ بھی قرآنِ کریم کی تعلیم کے بغیر نہ رہے، جب تک قرآنِ مجید ناظرہ نہ پڑھ لے اس وقت تک اس کو کسی اور کام میں نہ لگایا جائے۔

ایک وقت تھا جب صبح کے وقت مسلمانوں کی بستیوں سے ہر طرف سے قرآنِ کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں، لیکن اب قرآنِ کریم کی تلاوت

---

(۱) صحیح البخاری ۱۰۷/۸ (٦٥١٤) وصحیح مسلم ۲۲۷۳/٤ (۲۹٦۰)۔
(۲) سنن الترمذی ۱۲۵/٦ (۳۷۸۸) وقال: ھذا حدیث حسن غریب. والمستدرک علی الصحیحین للحاکم ۱۱۸/۳ (٤٥٧٧) طبع دار الکتب العلمیة۔

کو کان ترستے ہیں، اب فلمی گانوں کی آوازیں آئیں گی اور طرح طرح کے خرافات کی آوازیں آئیں گی، نہیں آئے گی تو قرآنِ مجید کی تلاوت کی آواز نہیں آئے گی۔

مسلمانوں کا فرض

درحقیقت یہ مدارس اس غرض کے لیے ہیں کہ امت میں دینی شعور کو بیدار کیا جائے، تاکہ قرآنِ کریم کی طرف لوٹیں اور قرآنِ کریم کے الفاظ، اس کے معانی، اس کے مفاہیم پھیلانے اور پہچاننے کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کے محلے میں یہ مدرسہ یہ خدمت انجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہر طرح کی ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرمائے۔ ابھی مدرسے کے حضرات یہ کہہ رہے تھے اور بجا طور پر کہہ رہے تھے کہ یہ دین کی خدمت کا ادارہ ہے، تمام مسلمانوں کو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کے لیے کھپائی ہے اور قرآنِ کریم کی خدمت کے لیے کم از کم ان کو اس فکر سے آزاد کریں کہ وہ لوگوں کے پاس پیسے نہ مانگتے پھریں، بے شک یہ مسلمانوں پر فرض ہے۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے بھی زیادہ ضروری چندہ جو مسلمانوں سے اس وقت لینے کی ضرورت ہے، وہ بچوں کا چندہ ہے، جو مسلمان گھرانوں سے حاصل کیے جائیں، جن کو قرآنِ کریم کی تعلیم دی جائے، اب وبا پھیل چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی دولت سے بچہ محروم رہتا ہے۔

بچپن کی تعلیم

بچپن میں ایک مرتبہ قرآن پڑھا دو، اس قلب کو قرآنِ کریم سے منور کرو، اس کے بعد اس کو کسی بھی کام میں لگاؤ گے تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ قرآن کے انوار و برکات اس کے اندر شاملِ حال ہوں گے، جب قرآن اس کو پہلے پڑھا دیا اس کے کان کے ذریعے ایمان کا بیج اس کے قلب میں پیوست کر دیا اور تجربہ یہ ہے کہ جو بچے مکتب میں قرآنِ کریم پڑھ کر جاتے ہیں تو وہ کسی بھی ماحول میں چلے جائیں، لیکن ایمان کا بیج ان کے قلب میں موجود رہتا ہے۔

اگر آپ نے شروع ہی سے بچے کو بسم اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ اور قرآنِ کریم کی آیات سکھانے کے بجائے اس کو کٹ پٹ سکھانی شروع کر دی اور اس کے دماغ کے اوپر کتے بلی کو مسلط رکھا اور قرآنِ کریم کے انوار و برکات کو اس کے دل میں داخل نہ ہونے دیا تو اس کے دل میں ایمان کہاں سے آئے گا، اس کے دل میں اسلام کی محبت کہاں سے آئے گی، اس کے دل میں آخرت کی فکر کیسے پیدا ہوگی؟ پھر تو وہی مادہ پرست انسان پیدا ہوگا جو ہمیں چاروں طرف گھومتا ہوا نظر آرہا ہے، جس کو اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا احساس بھی نہیں جو دوسروں پر ظلم ڈھاتا ہے، دوسروں کی کھال کھینچتا ہے۔

اگر اپنے بچوں کے مستقبل پر رحم کرنا ہے تو خدا کے لیے جب تک انہیں قرآن کریم کی تعلیم نہ دلادیں اس وقت تک اس کو کسی اور کام میں نہ لگائیں۔ آج کی محفل سے اگر ہم یہی فائدہ اٹھالیں کہ ہم یہ عہد کر کے یہاں سے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص یہ عزم کر کے جائے کہ اپنے بچوں کو جب تک قرآنِ کریم نہیں پڑھائیں گے اس وقت تک کسی اور کام میں نہیں لگائیں گے تو میں سمجھتا

ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مجلس کا بہت بڑا فائدہ ہم نے حاصل کرلیا، ورنہ تقریریں اور باتیں تو دنیا میں بہت ہوتی ہیں۔آپ حضرات تشریف لائے، میری جو سمجھ میں آیا وہ میں نے عرض کیا۔

نشستند وگفتند وبرخاستند

ایک کان سے سنا دوسرے کان سے نکال کر اور دامن جھاڑ کر چل دیے، اس سے کچھ حاصل نہیں، کچھ فائدہ نہیں۔اگر کم از کم یہ ارادہ لے کر چلے کہ اپنی حد تک تمام بچوں کو قرآنِ کریم پڑھائیں گے اور اپنے ملنے جلنے والوں دوستوں اور عزیز واقارب کو بھی اس طرف متوجہ کریں گے، ان شاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں کہلوادیں ہیں، مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اس مجلس میں خیر وبرکت عطا فرمائے اور اس مدرسے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

ہم قرآن مجید کو کیسے سمجھیں؟

(خطبات دورۂ ہند ص ۲۴۱)

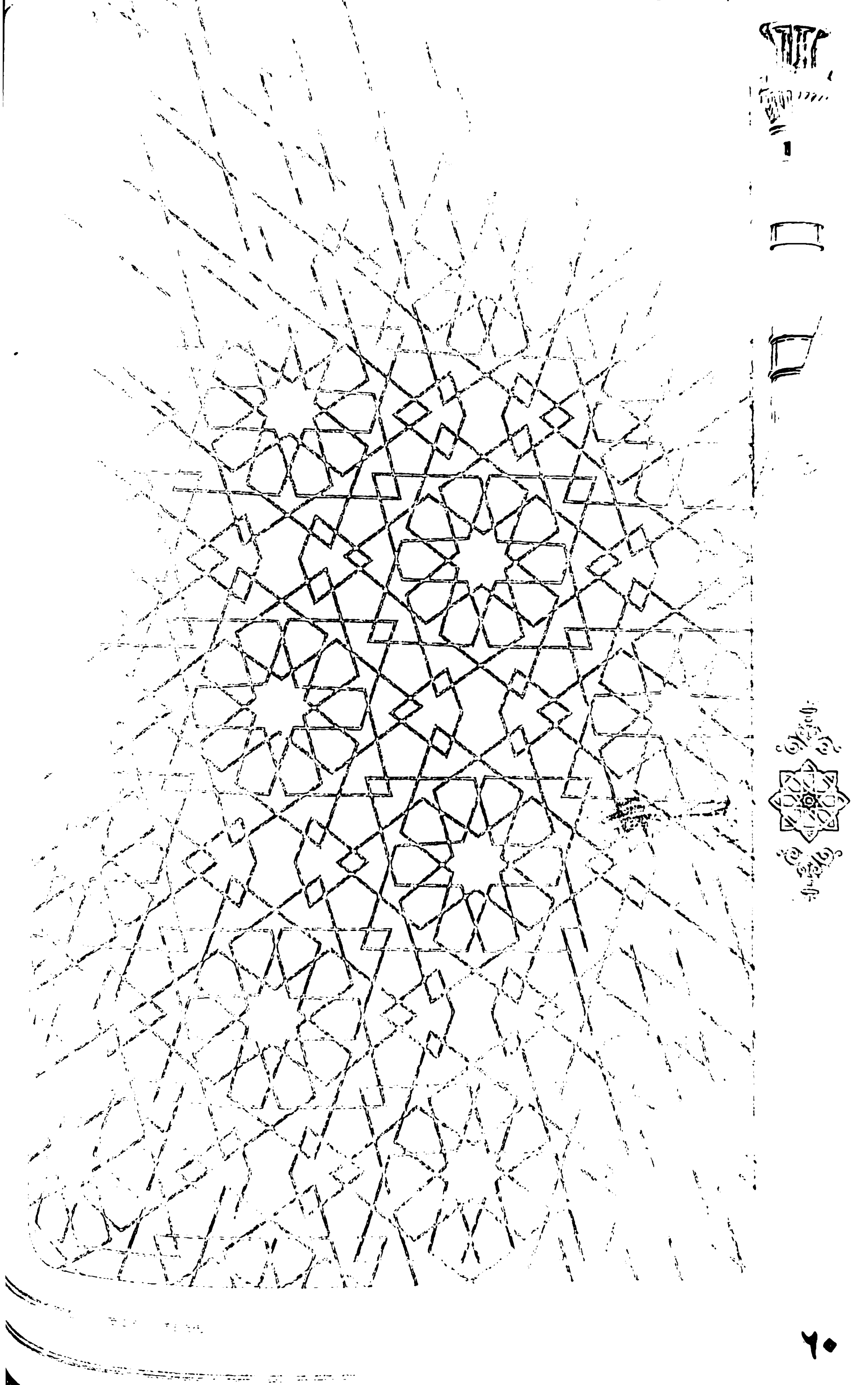

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم قرآنِ مجید کو کیسے سمجھیں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

محترم بزرگو اور دوستو! میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ مجھے ایسے شہر میں حاضر ہونے کی توفیق ہوئی جو شہر کہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کے فیوض سے مالا مال ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس بنا پر دینی فضا شہر کے اندر نمایاں نظر آتی ہے۔ مجھ سے یہ فرمائش کی گئی ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے آداب کے متعلق چند گذارشات پیش کروں اسی وجہ سے میں نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

بعثتِ نبوی کے مقاصد

باری تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱٦٤)۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا تو پہلا احسان یہ کیا کہ رسول بھیجا اور دوسرا احسان یہ کیا کہ انھیں میں سے بھیجا یعنی ایسا رسول بھیجا جو بشری تقاضوں کو جانتا ہو کہ انسانوں کے لیے کس چیز کی ضرورت اور کیا درکار ہے۔ کوئی فرشتہ نہیں بھیجا جو نہ کھاتا ہو اور نہ پیتا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں بھیجے جانے کے چار مقاصد بیان کیے۔ ایک یہ کہ "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" ان کے سامنے قرآن کی آیتوں کو پڑھ کر سنائے اور دوسرا و تیسرا مقصد یہ کہ "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" آپ کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیں اور ان مقاصد کے ساتھ ایک چوتھا مقصد بتایا "وَيُزَكِّيْهِمْ" کہ وہ انھیں پاک کرے یعنی ان کے اخلاق کو پاکیزہ، مصفّیٰ، مجلّیٰ اور بہترین بنائے۔

پہلا مقصد: تلاوتِ قرآن

ان چار مقاصد کا اللہ تعالیٰ نے چار جگہ تذکرہ کیا ہے۔ اس سے ان کی تاکید معلوم ہوتی ہے میں ان میں سے دو مقاصد کا ذکر کرنا چاہتا ہوں یعنی تلاوت اور تعلیمِ کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ آیات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مستقل مقصد بتایا ہے اور سمجھ کر پڑھنے کو ایک الگ مقصد بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سمجھے تلاوت وحفظ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا مقصد ہے۔ اس سے بعض لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مکتب میں بچوں کو قرآنِ کریم بغیر معنیٰ کے ناظرہ وحفظ پڑھایا جاتا ہے، یہ کیا طوطا مینا کی طرح رٹا دینا ہے۔ ان کو اس کے معنی ومفہوم و ہدایات معلوم نہیں تو کیا فائدہ ہوا۔ تو یہ آیتِ کریمہ ان لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کر رہی ہے کہ یہ تلاوت بذاتِ خود ایک مقصود ہے۔

علمِ تجوید کے محاسن

قرآنِ مجید نسخۂ ہدایت ہے، عام ڈاکٹروں اور حکیموں کے نسخوں کی طرح نہیں ہے کیونکہ ان کے نسخوں کو جب تک کوئی نہ سمجھے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور یہ نسخۂ ہدایت ایسا ہے کہ اس کی ایک ایک آیت پڑھنے پر دس دس نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے[1]۔ اور یہ ایسا نسخۂ ہدایت اور ایسی کتاب ہے جس سے ایسے علوم نکلتے ہیں جن کی نظیر دنیا کی کسی زبان وقوم میں نہیں ملتی۔

ایک علم ہے جسے علمِ تجوید کہتے ہیں یعنی قرآنِ کریم کے حروف کی ادائیگی کا صحیح طریقہ کہ الف کہاں سے نکلتا ہے "ب" کہاں سے نکلتی ہے "ض اور ظ" میں کیا فرق ہے؟ یہ ساری باتیں اس علمِ تجوید میں ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری زبان جیسے انگریزی ہے اس میں یہ علم نہیں کہ D کہاں سے نکلتا ہے C اور H کہاں سے نکلتا ہے۔ نتیجۃً ہر جگہ لہجہ مختلف ہوتا ہے اور امریکہ میں یہ حروف ایک طریقے سے ادا کرتے ہیں تو یورپ میں کچھ اور لہجہ ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے طریقہ میں حرفوں کو ڈھال لیتا ہے۔

فہمِ قرآن کی پہلی سیڑھی

قرآن مجید ایسا کلام ہے جس کی وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے تھے وہ قرآن پڑھ کر سناتے تھے

(۱) سنن الترمذی ۵/۳۳ (۲۹۱۰) وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب من هـــذاالوجه۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (۱)

جب ہمارا فرشتہ اس کو پڑھنے لگے تو آپ تابع ہو جایا کیجئے۔ تو اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کو قرآنِ کریم اسی طریقے سے پڑھ کر سناتے تھے جس طریقے سے وہ نازل کیا گیا اور صحابہ کرام اس کو سیکھتے تھے۔ آج الحمد للہ! پورے اعتماد کے ساتھ ہم ڈنکے کی چوٹ پہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقہ پر پڑھا ہے ہم بعینہٖ اسی طریقے پر تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس نے علمِ تجوید حاصل کرلیا۔ قرآن کے معانی کو سمجھنے کے لیے آیاتِ قرآنیہ کو صحیح طریقے سے ادا کرنا اور پڑھنا یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اگر کسی کو تلاوت ہی صحیح طرح نہ آئے تو وہ قرآنِ کریم کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اور تلاوتِ قرآن بذاتِ خود مقصود ہے، لہٰذا کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ مکتب میں رٹنا فضول اور بیکار ہے (العیاذ باللہ) تلاوتِ قرآن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد کی تکمیل ہے۔

عربی جاننے والوں کو کتاب اللہ کی تعلیم

اور دوسرا مقصد یہ بتایا ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ'' آپ مؤمنوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔ کتاب کی تعلیم سے کیا مراد ہے؟ ترجمہ کرادیں؟ کن کو تعلیم دیں؟ ابوبکر صدیق کو، عمر فاروق کو، عثمان غنی کو، علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو؟ کیا ان کو عربی زبان نہیں آتی تھی؟ ان میں کا ہر ایک عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا شہسوار تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو زبانِ عرب میں اتنی مہارت تھی کہ بڑے بڑے

(۱) سورۃ القیامۃ آیت (۱۸)۔

ادیب ان کے سامنے اپنے کلام پیش کر کے اصلاح کراتے تھے۔ ان کی عورتیں فی البدیہ اشعار کہتی تھیں۔ قرآن کہتا ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (۱)

یہ کلام واضح عربی زبان میں اتارا گیا۔

تو ان کو عربی زبان سیکھنے کے لیے یا ترجمہ معلوم کرنے کے لیے کسی معلم کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا کہ عربی زبان جاننے والوں کو کتاب کی تعلیم دیں تو معلوم یہ ہوا کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے یا محض عربی زبان جان لینے سے کتاب اللہ کی سمجھ اور قرآن کا علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی معلّم ومربی کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسان اور جانور کی فطرت میں فرق

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ بنائی ہے کہ وہ محض کتاب پڑھ لینے سے کسی بھی علم وفن میں کمال حاصل نہیں کرسکتا، بلکہ اس کو سیکھنے کے لیے معلم ومربی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں میں انسانوں اور جانوروں میں فرق رکھا ہے، مثلاً مرغی میں سے انڈا نکلا اور انڈے سے چوزہ نکلا تو پہلے ہی دن وہ چلنا شروع کردیتا ہے۔ مچھلی کا بچہ سمندر میں پیدا ہوا تو اسی وقت تیرنا شروع کردیتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اگر کوئی آدمی اپنے بچے کو دریا میں ڈال دے کہ یہ بھی تیرنا شروع کردے تو یقیناً اس کو ہلاک کردے گا۔ اس کو تیرنے کے لیے کسی معلم کی ضرورت ہوگی۔

---

(۱) سورۃ الشعراء آیت (۱۹۵)۔

مربیؒ کے بغیر کسی فن میں کمال نہیں ہوتا

اور اگر کوئی میڈیکل سائنس Medical science کی کتابیں خریدے اور ان کو پڑھ کر سمجھ بھی لے اور لوگوں کا علاج شروع کردے تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے اور کوئی خدمت انجام نہیں دے گا۔ اسی طرح کوئی انجینئر نہیں ہے اور انجینئرنگ کی کتابیں پڑھ لے، تو کوئی بھی اس کو انجینئر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور تو اور کھانا بنانا ہے تو کھانا پکانے کے موضوع پر بہت سی کتابیں بازار میں ملتی ہیں، ان میں کھانے پکانے کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریانی کیسے بنتی ہے؟ کباب کیسے بنتے ہیں؟ اور قورمہ کیسے بنایا جاتا ہے؟ تو اگر کوئی ان کو دیکھ کر قورمہ بنادے تو پتا نہیں کہ وہ کیا ملغوبہ تیار کرے گا۔ اس کے لیے بھی کسی ماہر استاذ سے تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو دنیا کے کسی بھی علم وفن میں کمال کسی مربیؒ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

نبی کے بغیر صرف کتاب کبھی نہیں آئی

اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب بھیجی ہے چاہے وہ انجیل ہو، زبور ہو، تورات ہو، قرآنِ مجید ہو ہر کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ایسی مثال تو ہے کہ پیغمبر تو آئے، مگر نئی کتاب نہیں آئی، مگر ایسی کوئی مثال نہیں کہ صرف کتاب آئی ہو اور پیغمبر نہ بھیجے گئے ہوں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو بنایا ہے اور وہی اس کی فطرت سے زیادہ باخبر ہے کہ کتاب کے ساتھ کسی معلم ومربی کی ضرورت ہوتی ہے۔

روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں ہوتا

ایک جگہ قرآن میں بڑے لطیف انداز میں فرمایا گیا

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۱)

تمہارے پاس نور اور کھلی کتاب آئی ہے۔

یہاں نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نور ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ کتاب کتنی اچھی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نور نہ ہو تو اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کتاب سے مستفید ہونے کے لیے کتاب کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی آنکھوں میں بھی نور ہونا چاہیے اس لیے کہ اپنی آنکھوں میں نور نہ ہو تو کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جس طرح روشنی کے بغیر کتاب کا فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے نور کے بغیر قرآنِ کریم سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

تعلیم کتاب فرائضِ نبوت میں سے ہے

اور ایک بات یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (۲)

کہ اس پر یکبارگی قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

---

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۱۵)۔

(۲) سورۃ الفرقان آیت (۳۲)۔

اگر اللہ چاہتا تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ رات کو لوگ سوتے اور صبح ان کے تکیے کے نیچے قرآن کے اعلیٰ درجے کے مجلد نسخے رکھ دیے جاتے اور کہہ دیتے کہ لو بھائی کتاب آگئی، پڑھو، سمجھو اور عمل کرو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ معجزہ ہوتا اور ان کے ایمان لانے کی زیادہ توقع ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا قرآن آیا اور اس کے ساتھ نور لے کر آیا یہ اس لیے ہوا تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی من مانی کرنے لگو اور من مانی کے نتیجہ میں جو مطلب سمجھ لو اس پر عمل شروع کردو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ معلم بھیجا اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا فریضہ دے کر بھیجا۔ ایک جگہ فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کردو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں۔

پہلے اسلامی مدرسے کا طرزِ تعلیم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی کس طرح تعلیم دی؟ امام ابوعبد الرحمن السلمی مشہور تابعی عالم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات قرآنِ کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے، مثلاً حضرت عثمان اور حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہما رضی اللہ عنہم انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیتیں

(۱) سورۃ النحل آیت (٤٤)۔

سیکھتے تو ان سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان آیتوں کی تمام علمی وعملی باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں۔علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں یہ روایت بیان کی ہے[1]۔آپ کو اصحابِ صفہ کا پتہ ہوگا کہ یہ وہ صحابہ تھے جو صفہ نامی چبوترے میں بیٹھے رہتے تھے۔ان کا کام اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا کہ اللہ کے نبی سے کوئی بات معلوم ہو اور اس کو حاصل کریں۔

تاریخِ اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ اور پہلی مقدس یونیورسٹی یہی صفہ کا مقام ہے۔ وہاں کیا ہوتا تھا؟ صحابہ کرام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔آپ جو بتلاتے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے سیکھتے سمجھتے اور آپ کی نقل وحرکت سے اس کا مشاہدہ کرتے تھے۔ان سب سے قرآن کی تفسیر سمجھتے تھے۔ یہ تھا صحابۂ کرام کے علم حاصل کرنے کا طریقہ، یعنی قرآن کا علم اور اس پر عمل یہ سب کچھ ساتھ ساتھ حاصل کرتے تھے۔

ترجمہ دیکھ کر تفسیر کرنے والا جہلِ مرکب میں مبتلا ہے

اور صحابی وہ شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو۔صحبت سے علم حاصل کیا پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کو اس کی تعلیم دی، پھر انھوں نے تبعِ تابعین کو دی۔اسی طرح یہ سلسلہ آج تک متوارث طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا علم الحمدللہ ہم تک چلا آرہا ہے۔آج کوئی یہ کہے کہ مجھے کسی معلم کی ضرورت نہیں، میں ترجمۂ قرآن دیکھ کر جو مطلب چاہے سمجھ لوں گا، تو آپ ہی اپنی عقل سے بتائیے کہ جس قرآن کی تفسیر کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالی نے

(۱) الاتقان فی علوم القرآن ۲۰۲/٤ طبع الهيئة المصرية.

نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس (۲۳) سال تک تعلیم دی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اپنی زندگیاں لگائیں اور تابعین نے محفوظ رکھ کر ہم تک پہنچایا، ان سب کو رد کر کے کوئی کہے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور جو میں سمجھوں وہی صحیح ہے، تو اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو گی اور اس سے بڑھ کر جہلِ مرکب میں مبتلا کون ہوگا۔ جو ان سب کی تفسیروں اور محنتوں کو پامال کر کے محض ترجمہ کی بنیاد پر من مانی تفسیر کر رہا ہے۔

"قرآن آسان ہے" کا مطلب

قرآنِ کریم کی ایک آیتِ کریمہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے یہاں اس کا ازالہ ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۱)

ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنادیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کا ترجمہ قرآن سے خود سمجھیں گے اور عمل کریں گے۔ درحقیقت انہوں نے اس آیت کو سمجھا ہی نہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں۔ بہت ساری آیتیں وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نصیحت کی ہے کہ اللہ ایک ہے، آخرت کی فکر دلائی کہ ایک دن تم

(۱) سورۃ القمر آیت (۱۷)۔

سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ نصیحت ایک عام آدمی بھی صرف ترجمہ دیکھ کر حاصل کرسکتا ہے۔اسی وجہ سے قرآن نے "للذکر" کے ذریعہ قید لگا دی کہ نصیحت کے لیے آسان ہے، لیکن دوسرے مضامین وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے احکام وامثال بیان فرمائے ہیں۔ ان احکام کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (۱)

یعنی ہم یہ مثالیں لوگوں کے فائدہ کے لیے دیتے ہیں اور انہیں سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں اور علم وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کیا۔ آج چودہ سو سال کے بعد کوئی کہے کہ میں ان کو اپنے اجتہاد سے بیان کروں گا اور جو حضرات اب تک تفسیر کرتے آئے ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آئی اور میں اس کو رد کرتا ہوں اور میں اپنی سمجھ سے کام لوں گا تو وہ سوائے ٹھوکر کھانے کے اور کیا کرے گا۔

قرآن میں عقلی گھوڑے دوڑانے والے مفسر

برصغیر میں سب سے پہلے اس طرح کی تفسیر سر سیّد احمد خان نے کی ہے۔ ان کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ سارا قرآن گویا مجاز اور استعارہ ہے اور حقیقت اس کی کچھ نہیں۔ وہ قرآن کی ایک آیت جہاں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی مانگا تو انھوں نے اپنے رب سے التجا

---

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۴۳)۔

کی تو اللہ نے حکم دیا کہ

اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ(۱)

تم اپنی لاٹھی پتھر پر مارو تو چشمے پھوٹیں گے یہ ایک معجزہ ہے۔ سر سیّد احمد خان نے اس کی تفسیر کی اور چونکہ ان کے زمانہ میں نیچریت کا غلبہ تھا، اس لیے انھوں نے کہا کہ اضرب کے معنی لے چلنا اور اضرب فی الارض کے ایک معنی چلنے کے بھی آتے ہیں اور حجر سے پہاڑ مراد لیا تو معنی یہ کیا کہ لاٹھی کے ذریعہ پہاڑ پر چڑھ جاؤ، تو وہاں چشمے نظر آئیں گے، جب وہ چڑھے تو چشمے نظر آگئے، یہ کوئی معجزہ نہیں وہ ایک حقیقت تھی۔ یہ انھوں نے تفسیر کی اور یہ ایسی تفسیر ہے جو تمام تفسیروں سے ہٹ کر ہے اور دوسری جگہ جہاں جنت کے تذکرے تھے کہ میوے ہوں گے، حوریں ہوں گی، باغات ہوں گے، محلات ہوں گے تو انھوں نے کہا کہ یہ سارے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ جاہل بدوؤں کو ذرا لالچ ملے۔ حقیقی جنت و حوریں نہیں ہیں، یہ لذت کی ایک خاص کیفیت ہے جو نیک لوگوں کو حاصل ہوگی۔ دراصل جب معلم کی ضرورت نہ رہی تو یہ حالت ہوگئی۔ جب معلّم و مربّی کے بغیر قرآن سمجھنا شروع کردیں گے اور اپنی عقل استعمال کرنے لگیں گے، تو یقیناً گمراہی کے دروازے چوپٹ کھل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۶۰)۔

اپنی عقل سے قرآن سمجھنے والا گمراہ ہے

قرآنِ کریم میں ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا(۱)

اب یہاں نئے مفسر صاحب کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنا ایک محاورہ ہے یعنی کسی کو ناکارہ کردو اور ایسی سزا دو کہ پھر وہ کوئی چوری نہ کرے یا اس کو ایسی جرأت نہ ہو۔ انہوں نے ایسی بات کیوں کہی؟ اس لیے کہ مغرب والے کہتے ہیں کہ اسلام میں ہاتھ کاٹنے کی سزا وحشیانہ عمل ہے۔ تو ان سے ڈر کر اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ اس کا مطلب ہاتھ کاٹنا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو ایسی سزا دو کہ وہ ناکارہ ہوجائے اور پھر چوری نہ کرے، تو اگر کوئی معلم و مربی نہ ہو تو ایسی تفسیروں کے راستے کھل جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور صحابۂ کرام کی متوارث تفاسیر کے بغیر اپنے طور سے، اپنی عقل سے، محض ترجمہ سے سمجھنے لگے تو گمراہی کی انتہا نہیں رہتی اقبال مرحوم کا شعر ہے ؎

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند!

فہمِ قرآن کے لیے تزکیہ کی ضرورت

تو قرآن کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کی صحیح طریقے سے تلاوت کرے پھر مربی

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۳۸)۔

کے ذریعہ اس کو سمجھے، اسی وجہ سے قرآن میں بعض جگہ ''یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ'' سے پہلے ''وَيُزَكِّيهِمْ''(۱) استعمال کیا ہے۔ یعنی پہلے ان کا تزکیہ اور ان کو پاک صاف کرو، ان کے اخلاق کو بناؤ اور اخلاص وللّٰہیت پیدا کرو پھر جب معانی بیان کروگے تو تعلیم الکتاب کا فائدہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے قرآنِ مجید کی آیت

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۲)

کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں اس کو چھوتے ہی نہیں مگر پاک صاف ہوکر۔ یعنی جو بُرے اخلاق سے پاک صاف ہوتے ہیں پھر ان میں اخلاص وطلب حق پیدا ہوتا ہے، تو تعلیم الکتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو پہلے اللہ سے دعا مانگو کہ وہ پاک صاف کردے اور اخلاص وطلب حق پیدا کردے، پھر معلم ومربی سے اس کو حاصل کرو، تو قرآنِ مجید کے انوار حاصل ہوں گے، ورنہ گمراہی کے دروازے چوپٹ کھل جائیں گے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں قرآنِ پاک صحیح طریقے سے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱٦٤)۔

(۲) سورۃ الواقعۃ آیت (۷۹)۔

ختمِ قرآنِ کریم و دعا

(اصلاحی خطبات ۱۲/ ۲۸۷)

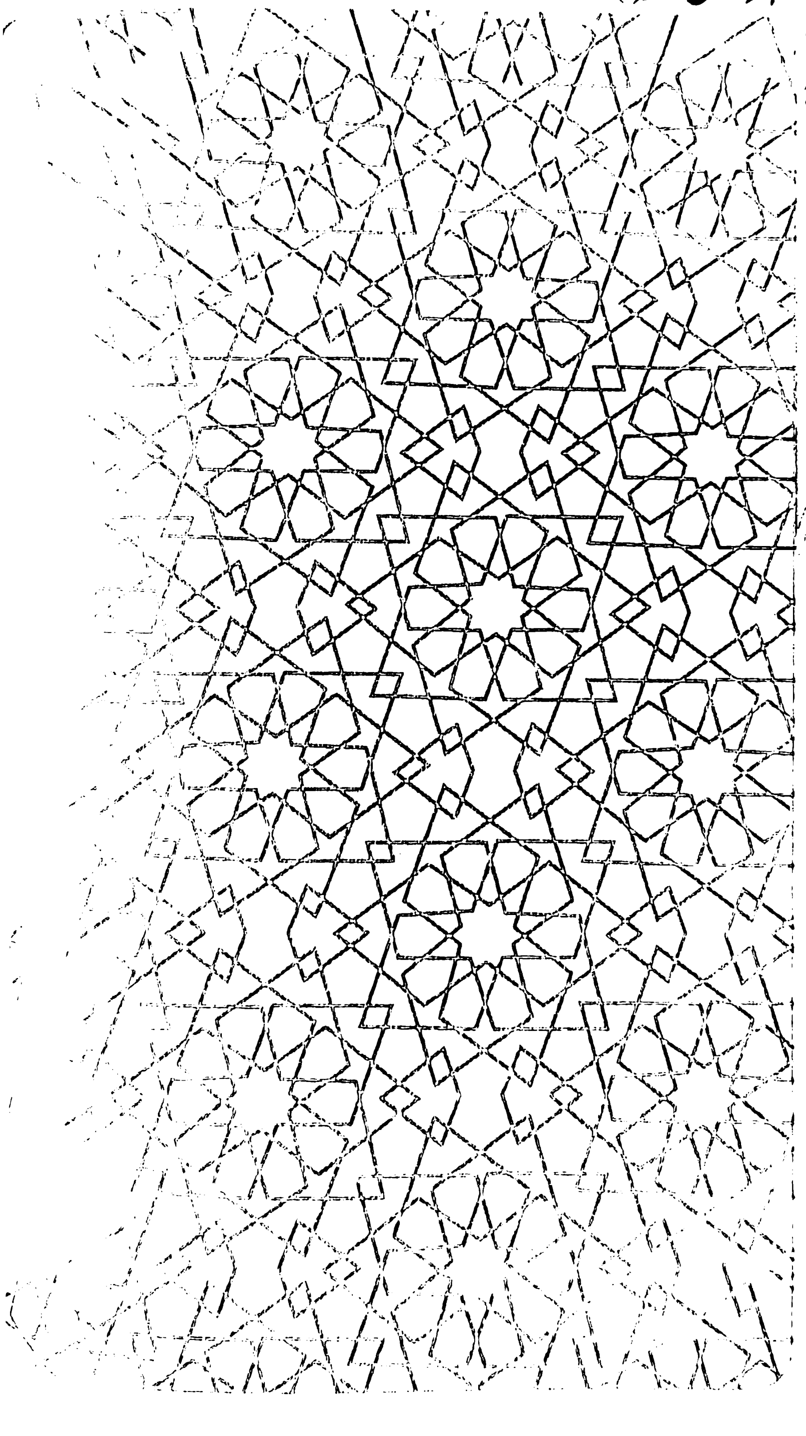

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ختم قرآنِ کریم و دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّـَٔاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا،

اَمَّا بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ
الْفَجْرِ (۱)

صدق اللہ العظیم

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اس وقت کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنا پیشِ نظر نہیں ہے، لیکن اللہ جل شانہٗ نے ہمیں اور آپ کو ایک بہت بڑے انعام سے نوازا ہے اور ایک بہت بڑا کرم فرمایا ہے، اس وقت اس انعام اور کرم پر شکر کا اظہار کرنا مقصود ہے اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ جل جلالہٗ کے حضور اپنے مقاصد اور حاجات کے لیے دعا کرنا مقصود ہے۔

عظیم انعام

وہ انعام یہ ہے کہ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور آپ کو تراویح کے اندر قرآنِ کریم مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ آج جبکہ ہماری نگاہیں اور ہمارے خیالات مادہ پرستی کے ماحول میں بھٹکے ہوئے ہیں، اس ماحول میں قرآنِ کریم کی تلاوت اور تراویح کی اس نعمت کا صحیح صحیح اندازہ ہمیں اور آپ کو نہیں ہوسکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، لیکن جس وقت یہ آنکھیں بند ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی، اس وقت اندازہ ہوگا کہ یہ قرآنِ کریم کی تلاوت، یہ روزہ، یہ تراویح، یہ نمازیں، یہ تسبیح، یہ

(۱) سورۃ القدر.

سب کتنی بڑی دولت ہیں۔ اس لیے کہ وہ جہاں ایسا ہے کہ وہاں کی کرنسی یہ روپیہ پیسہ نہیں ہے، بلکہ وہاں کی کرنسی یہ نیکیاں ہیں اور یہ اعمال ہیں، یہ نمازیں، یہ روزے، یہ تسبیحات، یہ تراویح، یہ سجدے، یہ تلاوت، یہ چیزیں وہاں کام آنے والی ہیں، یہ روپیہ پیسہ وہاں پر کام آنے والا نہیں۔

"تراویح" ایک بہترین عبادت

یوں تو رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس کا ہر ہر لمحہ رحمتوں کا لمحہ ہے، برکات کا لمحہ ہے، لیکن رمضان المبارک میں جو خصوصی عبادتیں مشروع فرمائیں، ان میں یہ تراویح کی عبادت ایک عجیب وغریب شان رکھتی ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں ان ایام کے اندر یہ نماز جناب نبی کریم ﷺ نے سنت قرار دی ہے۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صِيَامَ رَمَضَانَ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ"(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رمضان کے دنوں میں روزے فرض کیے اور میں نے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے کو سنت قرار دیا۔

یہ سنت ایسی ہے کہ اس کے نتیجے میں اور دنوں کے مقابلے میں بیس رکعتیں زیادہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور بیس رکعتوں کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) السنن الکبری للنسائی ۱۲۹/۳ (۲۵۳۱) طبع الرسالة۔ وسنن النسائی المجتبی ۱۵۸/٤ (۲۲۱۰) وسنن ابن ماجه ٤۲۱/۱ (۱۳۲۸)۔ والحدیث أخرجه الذهبی فی "السیر" ۷۰/۱ وقال: هذا حدیث حسن غریب أخرجه النسائی. (طبع الرسالة).

ہر صاحبِ ایمان کو روزانہ چالیس سجدے زیادہ کرنے کی توفیق حاصل ہورہی ہے اور اگر پورا مہینہ کا حساب لگایا جائے اور مہینے کو ۳۰ دن کا شمار کیا جائے تو ایک مہینے میں ایک صاحب ایمان کو بارہ سو سجدے زیادہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہورہی ہے۔

''سجدہ'' ایک عظیم نعمت

اور یہ ''سجدہ'' ایسی عظیم نعمت ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ عظیم نعمت کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے اللہ سے جتنا قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں اتنا قریب نہیں ہوتا۔(۱) قرآنِ کریم میں سورۂ اقرأ کی آخری آیت جو آیت سجدہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۲)

یعنی سجدہ کرو اور میرے قریب آجاؤ۔

یہ کتنا پیارا اور محبت کا جملہ ہے کہ سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور اتنا قرب حاصل کرنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی اور نہیں ہے کہ انسان سجدے میں چلا جائے۔ جس وقت بندے نے اللہ جل شانہٗ کے حضور سجدے میں پیشانی ٹیک دی تو اس دم ساری کائنات اس پیشانی کے نیچے آگئی۔

(۱) صحیح مسلم ۱/۳۵۰(٤٨٢).
(۲) سورة العلق آیت(١٩).

''نماز'' مؤمن کی معراج ہے

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' عطا فرمائی، جس میں آپ کو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' سے بھی آگے پہنچایا، جہاں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی آپ کا ساتھ نہ دے سکے، اس مقام تک پہنچایا۔ جب آپ واپس تشریف لانے لگے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ یا اللہ! آپ نے مجھے تو قرب کا یہ مقام عطا فرمادیا، لیکن میری امت کا کیا ہوگا؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے جو تحفہ عطا فرمایا، وہ پانچ نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا اور ان نمازوں میں سجدے کا تحفہ عطا فرمایا اور یہ اعلان فرمادیا گیا کہ

''اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ''(۱)

یعنی نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔

اگرچہ ہم نے آپ کو یہاں بلاکر معراج عطا فرمائی، لیکن آپ کی امت کے لیے یہ اعلان ہے کہ جو بندہ میرا قرب چاہتا ہے، وہ جب سجدے میں سر رکھ دے گا تو اس کی معراج ہو جائے گی، جب بندے نے سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر رکھ دیا تو بس اس سے بڑی دولت اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ میاں نے مجھے پیار کرلیا

ہمیں تو اس دولت کے عظیم ہونے کا اندازہ نہیں ہے، اس لیے کہ دلوں پر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۲۳/۲ طبع دار الفکر۔ وحسن التنبہ لما ورد فی التشبہ ۵۳۵/۴ طبع دار النوادر۔ اور معراج کے مفصل واقعہ کے لئے صحیح مسلم ۱/۱۴۸ (۱۶۳) ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب

غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس کی لذت اور حلاوت عطا فرماتے ہیں، ان کو پتا ہوتا ہے کہ یہ سجدہ کیا چیز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ چپکے سے کہنے لگے کہ میاں اشرف علی! کیا بتاؤں، جب سجدہ کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیار کرلیا۔ ان کو سجدے کے اندر یہ دولت نصیب ہوتی تھی۔

یہ پیشانی ایک ہی چوکھٹ پر ٹکتی ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے، ان کا ایک شعر ہے: ؎

اگر سجدہ میں سر رکھ دوں
زمین کو آسماں کر دوں

بہرحال! یہ سجدہ معمولی چیز نہیں ہے، پیشانی کسی اور جگہ پر نہیں ٹکتی، یہ پیشانی صرف ایک ہی بارگاہ میں، ایک ہی چوکھٹ پر، ایک ہی آستانے پر ٹکتی ہے اور اس آستانے پر ٹکنے کے نتیجے میں اس کو جو قرب کی دولت حاصل ہوتی ہے، اس دولت کے آگے ساری دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت سنتے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان

المبارک میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو روزانہ چالیس مقاماتِ قرب زیادہ عطا فرمائے ہیں، ہر صاحبِ ایمان کو اس تراویح کی بدولت روزانہ چالیس مقاماتِ قرب زیادہ حاصل ہو رہے ہیں، یہ معمولی دولت نہیں۔ پھر اس تراویح میں یہ مقاماتِ قرب تو تھے ہی، ساتھ ساتھ یہ حکم دے دیا کہ اس تراویح میں میرا کلام پڑھ کر اس کو پورا کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ کے ساتھ نہیں سنتے جتنی توجہ کے ساتھ اپنے کلام کی تلاوت کو سنتے ہیں۔(۱)

لہٰذا تراویح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

ختمِ قرآن کے موقع پر دو کام کریں

آج الحمدللہ قرآنِ کریم پورا ہوگیا، ہم نے غفلت کے عالم میں سن کر ختم کرلیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں،(۲) لہٰذا یہ معمولی نعمت نہیں ہے جو آج ختم قرآن کے موقع پر ہمیں آپ کو حاصل ہو رہی ہے، اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں تو بزرگانِ دین کا کہنا ہے کہ اس موقع پر دو کام کرنے

(۱) ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء ۸/۲۲٤ ولفظه: من علم آية من كتاب الله او كلمة من دين الله جنى الله له من الثواب جنيا وليس شیء افضل من شیء يليه بنفسه۔ وذكره السيوطی فی "جمع الجوامع" ۹/۵۵٦ وقال: حل عن الاوزاعی مرسلاً، طبع الأزهر الشريف.

(۲) سنن الترمذی ۵/۳۳ (۲۹۱۰) وقال ہذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

چاہییں۔ ایک یہ کہ اس عبادت کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ اے اللہ! میں تو اس قابل نہیں تھا مگر آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس عبادت کی توفیق عطا فرمادی۔ دوسرے یہ کہ استغفار کرو اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے تو مجھے عبادت کی توفیق عطا فرمائی تھی، لیکن اس عبادت کا جو حق تھا وہ مجھ سے ادا نہ ہوسکا، اس عبادت کے جو حقوق اور آداب تھے وہ میں بجا نہ لاسکا، اس میں مجھ سے کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں، اے اللہ! اس پر مجھے معاف فرما۔

عبادت سے استغفار

قرآنِ کریم نے ''سورۂ ذاریات'' میں اللہ کے بندوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ (۱)

یعنی رات کا بڑا حصہ گزارنے کے بعد بھی وہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے استغفار کرتے ہیں کہ نہ جانے ہماری عبادت میں کون کون سی کوتاہیاں رہ گئی ہوں، جن کی وجہ سے وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق نہ ہو، اس لیے آخر میں استغفار کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ

أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ

(۱) سورۃ الذاریات آیت (۱۷و۱۸).

اللهِ ﷺ عَنْ هٰذِهِ الآيَةِ: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ قَالَتْ عَائِشَةُ: أَهُمُ الَّذِينَ يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ؟ قَالَ: لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ، وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ أُولٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُونَ.(۱)

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا انہوں نے شراب پی یا چوری کی کہ کیوں خوفزدہ ہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں وہ روزے بھی رکھتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں، لیکن انہیں اندیشہ اور خوف ہے کہ اگر یہ اعمال قبول نہ ہوئے تو ہمارا کیا ہوگا اس بات کا انہیں ڈر اور خوف ہے۔

عبادت کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟

لہٰذا جس عبادت کی توفیق ہوجائے، اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرو کہ یا اللہ! عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا۔

"مَا عَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ"

اور کون شخص ہے جو عبادت کا حق ادا کرسکے؟ جبکہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ ساری رات اس طرح کھڑے ہوکر عبادت کرتے تھے کہ پاؤں پر

(۱) سنن الترمذی ۳۲۷/۵ (۳۱۷۵) والمستدرك للحاكم ۵۲۷/۲ (۳۴۸۶) وصححه ووافقه الذهبي في "التلخيص".

ورم آجاتا تھا،(۱) اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہم عبادت کا حق ادا نہ کرسکے۔

"مَاعَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ"(۲)

لہٰذا ہر عبادت کے موقع پر شکر بھی کرو اور اس کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ عبادت کرنے کے بعد یہ کہتا ہے "الحمدللہ، استغفر اللہ" تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان کا حملہ دو ہی طرح

---

(۱) صحيح البخارى ٢/٥٠(١١٣٠) و ٦/١٢٥(٤٨٣٦).

(۲) ويستأنس له من حديث أخرجه مسلم في "صحيحه" ١/٣٥٢ (٤٨٦) عن عائشة قالت: فقدت رسول الله ﷺ ليلة من الفراش، فالتمسته، فوقعت يدي على بطن قدميه وهو في المسجد وهما منصوبتان، وهو يقول: "اللهم أعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك وأعوذ بك لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك". ومن حديث أخرجه محمد بن نصر المروزي في "تعظيم قدر الصلاة" ٢/٨٠٨ (٨٠٢) عن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ قال: "إنكم لو عرفتم الله حق المعرفة لمشيتم على البحور، ولزال بدعائكم الجبال، ولو أنكم خفتم الله كحق الخوف لعلمتم العلم الذي ليس معه جهل، وما بلغ ذلك أحد قط، قلت: ولا أنت يا رسول الله؟ قال: "ولا أنا ...." الحديث. ومن حديث أخرجه الطبراني "معجمه الأوسط" ٤/٤٤ (٣٥٦٨) عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: "ما في السماوات السبع موضع قدم، ولا شبر، ولا كف، إلا وفيه ملك قائم، أو ملك راكع، أو ملك ساجد، فإذا كان يوم القيامة قالوا جميعا: سبحانك ما عبدناك حق عبادتك، إلا أنا لم نشرك بك شيئا". والله سبحانه وتعالى أعلم.

سے ہوتا ہے، یا تو اس طرح حملہ کرتا ہے کہ عبادت کے نتیجے میں انسان کے دل میں غرور پیدا کر دیتا ہے کہ میں نے بڑی عبادت کرلی، مجھ سے بڑا کام سرزد ہوگیا اور میں تو اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا، جب دل میں یہ غرور پیدا ہوا تو ساری عبادت اکارت ہوگئی۔ اس غرور کا راستہ لفظ "الحمدللہ" سے بند ہوگیا اور اس کے ذریعے یہ اقرار کرلیا کہ جو عبادت میں نے ادا کی، وہ حقیقت میں میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اے اللہ! یہ عبادت آپ کے کرم اور توفیق سے انجام پائی ہے۔

عباداتِ رمضان پر شکر کرو

کتنے لوگ ایسے ہیں کہ رمضان المبارک آیا اور چلا گیا، لیکن اس کے باوجود ان کے گھر میں پتا نہیں چلا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں میں سے نہیں بنایا، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں جیسی تیسی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، روزہ رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی، تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اس پر شکر ادا کرو اور کہو "الحمدللہ" اے اللہ! آپ کا کرم اور شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بہرحال! شیطان کا ایک حملہ تو دل میں غرور پیدا کرنے کے ذریعے ہوتا ہے۔

اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرو

شیطان کا دوسرا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیری نماز کیا، تیرا روزہ کیا؟ تو نے نماز کیا پڑھی، تو نے تو ٹکریں ماریں اور

غفلت کے عالم میں نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا، تو نے تو عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ خیال ڈال کر اس کے اندر مایوسی پیدا کر دیتا ہے، اس مایوسی کا توڑ ''استغفراللہ'' ہے، یعنی بے شک عبادت کے ادا کرنے میں میری طرف سے کوتاہی ہوئی، لیکن میں تو کوتاہیوں کا پلندا ہوں، اے اللہ! ان کوتاہیوں کی طرف سے میں آپ کے حضور استغفار کرتا ہوں اور استغفار کی خاصیت یہ ہے کہ جس کوتاہی سے استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص استغفار کرنے کا عادی ہو اس کی کوتاہیاں اور گناہ نامۂ اعمال سے مٹتے رہتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جو شخص عبادت کرنے کے بعد یہ دو کلمات زبان سے ادا کرلے، ایک ''الحمدللہ'' اور دوسرے ''استغفراللہ'' اے اللہ! آپ کی توفیق پر شکر ہے اور میری کوتاہیوں پر استغفار ہے۔ تو اس کے بعد وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان شاء اللہ قبول ہوجائے گی اور شیطان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔

اُن کی رحمت پر نظر رہنی چاہیے

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رمضان المبارک میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، ہماری طرف سے تو غفلت ہی غفلت ہے، کوتاہی ہی کوتاہی ہے، لیکن بقول حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب قدس اللہ سرہ کے، ہم اپنی غفلت اور کوتاہی کو دیکھیں یا ان کی رحمت کو دیکھیں۔ ارے! ان کی رحمت ایسی وسیع اور زبردست ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، اس کے مقابلے میں ہم اپنی کوتاہیوں کو کیوں لے کر بیٹھ جائیں اور اس کا مراقبہ کیوں کریں؟ ارے! ہم اللہ کی رحمت کا مراقبہ کریں۔ بہرحال! آج ہم دو کام کرنے

کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں، ایک اس کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے اور دوسرے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنے کے لیے، ان شاء اللہ اگر ہم نے یہ دوکام کرلیے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انوار و برکات، جو تجلیات، جو رحمتیں اور جو اجر و ثواب اس تراویح میں اور قرآنِ کریم کی تلاوت میں رکھا ہے، ان شاء اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے محروم نہیں فرمائیں گے۔

قبولیتِ دعا کے مواقع جمع ہیں

آج کی رات رمضان المبارک کی رات ہے، عشرۂ اخیرہ کی بھی رات ہے اور عشرۂ اخیرہ کی بھی طاق رات ہے جس میں شب قدر ہونے کا بھی احتمال ہے اور قرآنِ کریم کے ختم کا موقع بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس موقع پر جو دعا کی جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور قبول ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں اور ان ہواؤں کے چلنے کے دوران جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔[۱] امید ہے کہ یہ لمحات بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کے لمحات ہیں، ان شاء اللہ جو دعا کی جائے گی وہ دعا قبول ہوگی۔

---

(۱) ماخوذ از مسند الشامیین للطبرانی ۲۷۱/۳ (۲۲۳۸) بلفظ: "أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ، فِيهِ خَيْرٌ يَغْشِيكُمُ اللّٰهُ فِيهِ، فَتَنْزِلُ الرَّحْمَةُ، وَتُحَطُّ الْخَطَايَا، وَيُسْتَجَابُ فِيهِ الدُّعَاءُ، فَيَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى تَنَافُسِكُمْ، وَيُبَاهِي بِكُمْ مَلَائِكَتَهُ، فَأَرُوا اللّٰهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا، فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ". طبع الرسالة. وذكره الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۱٤۲/۳ (٤۷۸۳) وقال: رواه الطبراني في الكبير، وفيه محمد بن أبي قيس، ولم أجد من ترجمه. طبع مكتبة القدسي.

اہتمام سے دعا کریں

اب ہم سب مل کر اہتمام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں اور اس دعا کے اندر اپنی ذاتی حاجتوں کو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اپنے اعزہ و اقارب کے لیے بھی دعا کریں، اپنے دوست و احباب کے لیے بھی دعا کریں، اپنے ملک و ملت کے لیے بھی دعا کریں۔ عالمِ اسلام اس وقت دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے، اس کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نرغے سے عالمِ اسلام کو نکالے، جتنے لوگ ہیں جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کررہے ہیں، افغانستان میں، کشمیر میں، الجزائر میں، تیونس میں جہاد ہورہا ہے، ان کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور فرمائے اور ان کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

اجتماعی دعا بھی جائز ہے

دعا میں افضل یہ ہے کہ ہر آدمی انفرادی طور پر خود دعا کرے، بس وہ ہو اور اس کا اللہ ہو، تیسرے آدمی کا درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو اور اجتماعی دعا سنت نہیں ہے، لیکن جہاں مسلمان جمع ہوں اور وہاں سب مل کر اکٹھے دعا کرلیں تو یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں ہے، اس لیے کہ بعض اوقات آدمی کے دل میں بہت سی دعائیں نہیں آتیں، تو وہ دوسرے کی دعا پر ''آمین'' کہہ دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس دعا کی برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت یہ اجتماعی دعا کی جارہی ہے، اس میں پہلے وہ دعائیں کی جائیں گی جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اس کے بعد اردو میں اپنی حاجتوں کی دعائیں ہوں گی، اس کے

بعد ہر شخص خاموشی سے اپنی اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگے گا۔

سب حضرات پہلے تین تین مرتبہ درود شریف پڑھ لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عربی دعائیں

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی طَاعَتِکَ۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ تَمَامَ الْعَافِیَۃِ، وَنَسْئَلُکَ دَوَامَ الْعَافِیَۃِ وَنَسْئَلُکَ الشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَۃِ۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ، وَاَغْنِنَا بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ التَّوْفِیْقَ لِمَحَابِّکَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قُلُوْبِنَا لِذِکْرِکَ، وَارْزُقْنَا طَاعَتَکَ وَطَاعَۃَ رَسُوْلِکَ، وَعَمَلاً بِکِتَابِکَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا نَخْشَاکَ کَاَنَّا نَرَاکَ اَبَداً حَتّٰی نَلْقَاکَ وَاَسْعِدْنَا بِتَقْوَاکَ، وَلَا تُشْقِنَا بِمَعْصِیَتِکَ یَا اَرْحَمَ

الرّٰحِمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَاتَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَاتُهَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا، وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا اَحْیَیْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَاْرَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَایَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا۔

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا، وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتَنَا فِیْ قُبُوْرِنَا اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَاماً وَّنُوْراً وَّهُدًی وَّرَحْمَةً، اَللّٰھُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَانَسِیْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ اٰنَاۤءَ الَّیْلِ وَاٰنَاۤءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاۤءَ اَحْزَانِنَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تُخَلِّطَ الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَاۤئِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلَ بِہٖ اَجْسَادَنَا بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ یَا اَرْحَمَ

الرّٰحِمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْہُ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔

اردو میں دعائیں

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہماری تمام خطاؤں کو درگزر فرما۔ یااللہ! ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہمارے تمام اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے، خفیہ، علانیہ، ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ اپنی رحمت سے ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو اور ہمارے متعلقین اور احباب سب کو اپنی مغفرت کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! آپ نے رمضان کے مبارک مہینے میں جن بے شمار انسانوں کی مغفرت کے وعدے فرمائے ہیں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ یا اللہ! ہمارے استحقاق پر نظر نہ فرما، اپنی رحمت پر نظر فرما:

اَللّٰھُمَّ عَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَھْلُہٗ۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے مغفرتِ کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں جن لوگوں کو آپ جہنم سے رہائی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں، یا اللہ! ہم سب کو اور ہمارے گھر والوں کو اور متعلقین اور احباب کو ان میں شامل فرما۔ یا ارحم الرحمین! جو انوار و برکات آپ نے اس مبارک مہینے میں مقدر فرمائے ہیں،

وہ سب ہمیں عطا فرما اور ان سے محروم نہ فرما۔ یا اللہ! اس مبارک مہینے میں جن جن عبادات کی توفیق عطا فرمائی، یہ سب آپ کا کرم اور انعام ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو قبول فرما اور جو کوتاہیاں ہوگئیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہماری تراویح کو قبول فرما، تلاوتِ قرآنِ کریم کو اپنی رحمت سے قبول فرما اور جو ذکر کی توفیق ہوئی، اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما۔ یا اللہ! رمضان کی جو باقی ساعات ہیں، ان سے صحیح معنی میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما، ان ساعات میں تلافیٔ مافات کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے تمام حاضرین کو ان کے تمام جائز مقاصد میں کامیابی عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آئے ہیں، اپنی رحمت سے ان سب کو پورا فرما۔ یا اللہ! ہم میں اور ہمارے متعلقین اور احباب میں جو جو بیمار ہیں، ان سب کو اپنی رحمت سے شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرما۔ یا اللہ! ان کو تندرستی عطا فرما۔ یا اللہ! جو تنگ دست ہیں ان کی تنگ دستی کو دور فرما، یا اللہ! جو محتاج ہیں ان کی احتیاج کو رفع فرما۔ یا اللہ! جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کا سامان فرما۔ یا اللہ! جو بے روزگار ہیں، ان کو روزگار عطا فرما۔ یا اللہ! جو بے اولاد ہیں، ان کو صالح اولاد عطا فرما۔

یَا اَللّٰہُ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ، یَا اَمَانَ الْمُسْتَجِرِیْنَ، یَامُجِیْبَ دَعْوَۃِ الْمُضْطَرِّیْنَ، رَحْمَانَ الدُّنْیَا وَ رَحِیْمَھُما، اِرْحَمْنَا بِرَحْمَۃٍ تُغْنِیْنَا بِھَا عَنْ رَحْمَۃِ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

یا ارحم الراحمین! جو جو دعائیں اس مبارک مہینے میں مانگنے کی توفیق ہوئی،

اپنی رحمت سے ان ساری دعاؤں کو قبول فرما۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا بِدُعَائِكَ شَقِيًّا، وَكُنْ لَنَا رَءُوْفًا رَحِيْمًا، يَاخَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَ يَاخَيْرَ الْمُعْطِيْنَ، اِلَيْكَ نَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِنَا وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دَعْوَتَنَا وَاغْسِلْ حَوْبَتَنَا وَاَجِبْ دَعْوَتَنَا وَثَبِّتْ حُجَّتَنَا وَسَدِّدْ لِسَانَنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

یا اللہ! اس رمضان کے دنوں میں اور راتوں میں جو دعائیں کرنے کی ہمیں توفیق ہوئی، یا اللہ! ان سب دعاؤں کو قبول فرما۔ یا اللہ! جو حاجتیں ہمارے دلوں میں تھیں اور ہم ان کو آپ سے نہیں مانگ سکے، ان کو بھی قبول فرما۔ یا اللہ! اس رمضان کے مہینے میں آپ کے نیک بندوں نے جہاں کہیں جو جو دعائیں مانگیں اور وہ دعائیں ہمارے حق میں مناسب اور بہتر ہوں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو بھی ہمارے حق میں قبول فرما۔ یا اللہ! کسی رحمت سے محروم نہ فرما۔

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل سے اس قرآنِ کریم کو جن جن لوگوں نے پڑھ کر ختم کیا، ان کو دنیا و آخرت میں جزاء خیر عطا فرما، ان کو اس قرآنِ کریم کے انوار و برکات عطا فرما۔ یا اللہ! سننے والوں کو بھی اس کی برکات سے بہرہ ور فرما۔

یا اللہ! ہمارے ملک میں امن و امان قائم فرما، اس کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! اس ملک کو شریعت کا گہوارہ بنا۔ یا اللہ! ہمیں اس ملک میں شریعت نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اس ملک میں شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کر رہے ہیں، اپنی رحمت سے ان کی کوششوں کو بارآور فرما اور ان کی کوششوں میں صدق و اخلاص پیدا فرما، یا اللہ! ان کو ترقیاں عطا فرما اور جو لوگ اس راستے

میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں، اپنے فضل و کرم سے ان کو ہدایت عطا فرما، یا اللہ! ان کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں کو دور فرما۔

یا اللہ! عالم اسلام میں جہاں جہاں مسلمان کسی مشکل کا شکار ہیں، اس مشکل کو آسان فرما۔ یا اللہ! مجاہدین افغانستان کی مدد فرما! یا اللہ! مجاہدین کشمیر کی مدد فرما اور ان کی مشکلات کو دور فرما۔ یا اللہ! اپنے کلمے کو سربلند فرما۔ یا اللہ! عالم اسلام دشمنوں کے جس نرغے میں ہے، اپنی رحمت سے اس نرغے کو توڑ دے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو سربلندی عطا فرما، عزت و شوکت عطا فرما، اپنے دین کی طرف لوٹنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے دلوں کو پھیر دے، دلوں میں دین کی عظمت اور محبت پیدا فرما اور دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! سب کچھ آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، دل بھی اور دماغ بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اعمال بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ہمارے دلوں، ہمارے دماغوں اور ہمارے اعمال کو دین کے رخ پر ڈال دے۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے اسلام کو سربلند فرما، مسلمانوں کو سربلند فرما۔ یا اللہ! تمام حاضرین کی حاجتوں کو پورا فرما، ان کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔ یا اللہ! جن جن لوگوں نے ہم سے دعا کے لیے کہا ہے، ان سب کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے اس دارالعلوم کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! یہاں کے اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کو صدق و اخلاص عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرما۔ یا اللہ! یہاں سے آپ کے دین کے خادم اور اللہ والے پیدا فرما، دین پر عمل کرنے والے پیدا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے تمام

منصوبوں کو عافیت اور سہولت کے ساتھ پردہ غیب سے پورا فرما۔ یا اللہ! اس کی مشکلات کو آسان فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں مقامات عالیہ عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَاسَئَلَکَ مِنْہُ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ آمِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

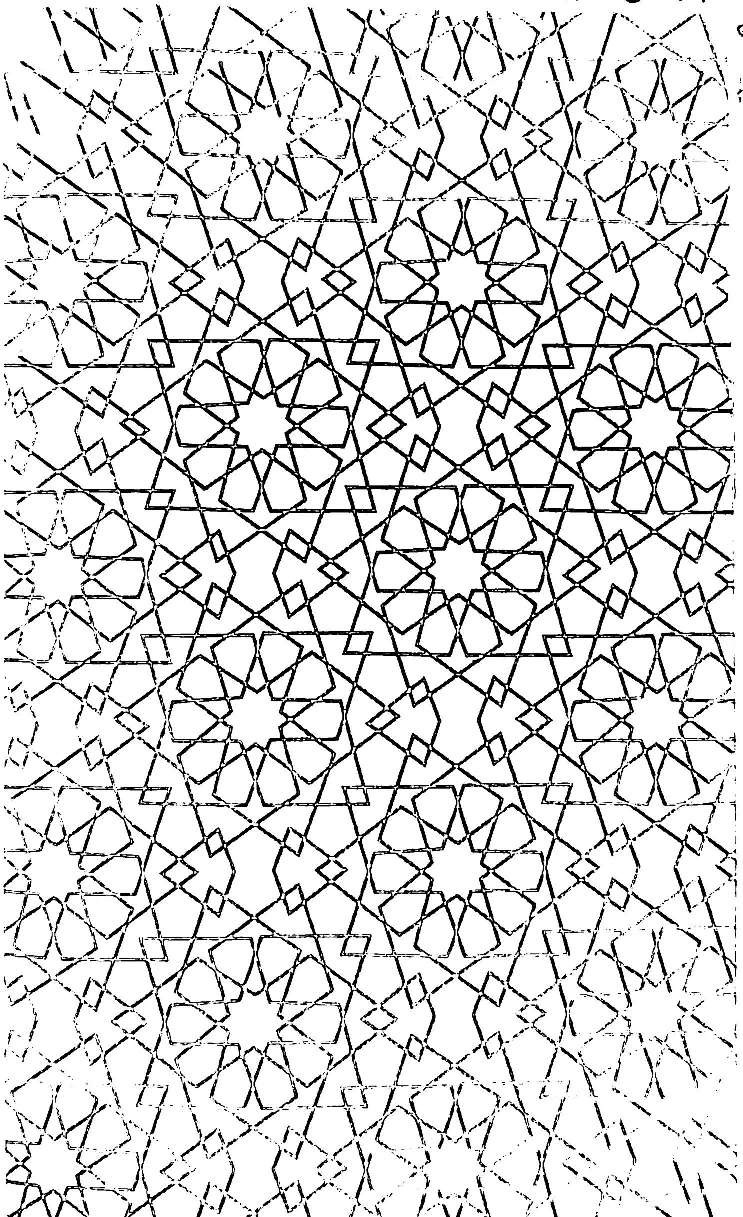

تبلیغ و دعوت کے اصول

(اصلاحی خطبات ۸/۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ ودعوت کے اصول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

أَمَّا بَعْدُ

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات

اس آیت کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔ نیک بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ امر کے معنی ہیں حکم دینا اور معروف کے معنی ہیں نیکی، نہی کے معنی ہیں روکنا اور منکر کے معنی ہیں برائی۔ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز روزہ فرضِ عین ہے، اسی طرح یہ بھی فرض عین ہے کہ اگر وہ دوسرے کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو روکے اور منع کرے کہ یہ کام گناہ ہے، اس کو نہ کرو۔ لوگوں کو اتنی بات تو معلوم ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ عین ہے، لیکن عام طور پر اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ یہ کس وقت فرض ہے اور کس وقت نہیں اور معلوم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس فریضے سے ہی بالکل غافل ہیں۔ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے بیوی، بچوں کو اور اپنے دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ حرام کاموں میں مبتلا ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو روکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ان کو

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۷۱).

دیکھ رہے ہیں کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں، لیکن ان کو کہنے کی توفیق نہیں ہوتی اور بعض لوگ اس حکم کو اتنا عام سمجھتے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک انہوں نے دوسروں کو روکنے، ٹوکنے کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ اس طرح اس آیت پر عمل کرنے میں لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا صحیح مطلب معلوم نہیں، اس لیے اس کی تفصیل سمجھنا ضروری ہے۔

دعوت وتبلیغ کے دو طریقے: انفرادی، اجتماعی

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے اور دین کی بات دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں: ① انفرادی دعوت وتبلیغ ② اجتماعی دعوت وتبلیغ۔ انفرادی دعوت وتبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی آنکھوں سے دوسرے شخص کو دیکھ رہا ہے کہ وہ فلاں گناہ اور فلاں برائی کے اندر مبتلا ہے، یا وہ شخص فلاں فرض، واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے، اب انفرادی طور پر اس شخص کو اس طرف متوجہ کرنا کہ وہ اس برائی کو چھوڑ دے اور نیکی پر عمل کرے، اس کو انفرادی تبلیغ ودعوت کہتے ہیں۔

دوسری اجتماعی دعوت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک بڑے مجمع کے سامنے دین کی بات کہے، ان کے سامنے وعظ وتقریر کرے، یا ان کو درس دے، یا اس بات کا ارادہ کرے کہ میں کسی فوری سبب کے بغیر دوسروں کے پاس جا جا کر ان کو دین کی بات سناؤں گا اور دین پھیلاؤں گا۔ جیسے ماشاء اللہ ہمارے تبلیغی جماعت کے حضرات کرتے ہیں کہ لوگوں کے پاس ان کے

گھروں پر ان کی دکانوں پر جا کر ان کو دین کی بات پہنچاتے ہیں، یہ اجتماعی تبلیغ ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ان دونوں طریقوں کے احکام الگ الگ ہیں اور دونوں کے آداب الگ الگ ہیں۔

اجتماعی تبلیغ فرضِ کفایہ ہے

اجتماعی تبلیغ فرضِ عین نہیں ہے، بلکہ فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ دوسروں کے پاس جا کر وعظ کہے یا دوسروں کے گھر جا کر تبلیغ کرے، کیونکہ یہ فرضِ کفایہ ہے۔ اور فرضِ کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ کام کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے وہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے، جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے، اب ہر شخص کے ذمے ضروری نہیں کہ وہ نماز جنازہ میں شامل ہو، اگر شامل ہوگا تو ثواب ملے گا اور اگر شامل نہیں ہوگا تو گناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ کچھ پڑھنے والے لوگ موجود ہوں، لیکن اگر ایک بھی شخص پڑھنے والا نہیں ہوگا تو اس وقت سب مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ اس کو فرضِ کفایہ کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ اجتماعی دعوت فرضِ کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔

انفرادی تبلیغ فرض عین ہے

انفرادی دعوت و تبلیغ یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ایک برائی ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں یا ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی فرض کو چھوڑ رہا ہے، تو اس وقت اپنی استطاعت کی حد تک اس برائی کو روکنا فرضِ کفایہ نہیں، بلکہ فرضِ عین

ہے اور فرضِ عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر نہ بیٹھ جائے کہ یہ کام دوسرے لوگ کرلیں گے، یا یہ تو مولویوں کا کام ہے، یا تبلیغی جماعت والوں کے کرنے کا کام ہے، یہ درست نہیں۔ اس حدیث کی رو سے یہ کام ہر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے، لہٰذا یہ انفرادی دعوت وتبلیغ فرضِ عین ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں نیک بندوں کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی وہ نیک بندے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، لہٰذا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کے ذمے فرضِ عین ہے۔

آج ہم لوگ اس کی فرضیت ہی سے غافل ہیں، اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد کو، اپنے گھر والوں کو غلط راستے پر جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اپنے ملنے جلنے والوں کو غلط کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں، لیکن پھر بھی اس برائی پر ان کو متنبہ کرنے کا کوئی جذبہ اور کوئی داعیہ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ یہ ایک مستقل فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جس طرح رمضان کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں، زکوٰۃ اور حج فرض ہے، بالکل اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے، اس لیے سب سے پہلے اس کام کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ اگر کسی نے ساری عمر نیکیوں میں گزار دی، ایک نماز نہیں چھوڑی، روزہ ایک بھی نہیں چھوڑا، زکوٰۃ اور حج ادا کرتا رہا اور اپنی طرف سے کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام نہیں دیا اور دوسروں کو برائیوں سے بچانے کی فکر بھی

نہیں کی، یاد رکھیے! اپنی ذاتی نیکیوں کے باوجود آخرت میں اس شخص کی پکڑ ہوجائے گی کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ برائیاں ہو رہی تھیں اور ان منکرات کا سیلاب امڈ رہا تھا، تم نے اس کو روکنے کا کیا اقدام کیا؟ لہٰذا تنہا اپنے آپ کو سدھار لینا کافی نہیں، بلکہ دوسروں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب فرض ہے؟

دوسری بات یہ سمجھ لیجیے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں: ایک عبادت وہ ہے جو فرض یا واجب ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ دوسری عبادت وہ ہے جو سنت یا مستحب ہے، جیسے مسواک کرنا، کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، تین سانس میں پانی پینا وغیرہ۔ اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں داخل ہیں۔ اسی طرح برائیوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک برائی وہ ہے جو حرام اور گناہ ہے اور قطعی طور پر شریعت میں ممنوع ہے، دوسری برائی وہ ہے جو حرام اور ناجائز نہیں، بلکہ خلافِ سنت ہے یا خلافِ اولیٰ ہے یا ادب کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض یا واجبات کو چھوڑ رہا ہو یا حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ عین ہے، مثلاً کوئی شخص شراب پی رہا ہے یا بدکاری کے اندر مبتلا ہے یا غیبت کر رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے، چونکہ یہ سب صریح گناہ ہیں، یہاں نہی عن المنکر فرض ہے، یا مثلاً کوئی شخص فرض نماز چھوڑ رہا ہے یا زکوٰۃ نہیں دے رہا ہے یا رمضان کے روزے نہیں رکھ رہا ہے تو اس کو اس کی ادائیگی کے لیے کہنا فرض ہے۔

اس وقت نہی عن المنکر فرض نہیں

اور پھر اس میں بھی تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب اس کو بتانے یا اس کو روکنے کے نتیجے میں اس کے مان لینے کا احتمال ہو اور اس کو بتانے کے نتیجے میں بتانے والے کو کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہے اور آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر میں اس کو اس گناہ سے روکوں گا تو یقین ہے کہ یہ شخص مانے گا نہیں، بلکہ یہ شخص الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا اور اس کی توہین کرے گا اور اس توہین کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے، اس لیے کہ شریعت کے کسی حکم کی توہین کرنا صرف گناہ نہیں، بلکہ یہ عمل انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور کافر بنا دیتا ہے،(۱) لہٰذا اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس شخص کو اس وقت اس گناہ سے روکوں گا تو یہ شریعت کے حکم کی توہین کرے گا تو ایسی صورت میں اس وقت نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے ایسے موقع پر اس کو اس گناہ سے نہیں روکنا چاہیے، بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کر لینا چاہیے اور اس شخص کے حق میں دعا کرنا چاہیے کہ یا اللہ! آپ کا یہ بندہ ایک بیماری میں مبتلا ہے، اپنے فضل و کرم سے اس کو اس بیماری سے نکال دیجیے۔

گناہ میں مبتلا شخص کو موقع پر روکنا

ایک شخص پورے ذوق و شوق کے ساتھ کسی گناہ کی طرف متوجہ ہے، اس

---

(۱) المبسوط للسرخسی: ۱۷۸/۶، طبع دار المعرفة، رد المحتار لابن عابدين: ۱/ ۸۱، طبع دار الفكر.

وقت اس بات کا دور دور تک کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ کسی کی بات سنے گا اور مان لے گا، اب عین اس وقت ایک شخص اس کے پاس تبلیغ کے لیے اور امر بالمعروف کے لیے پہنچ گیا اور یہ نہیں سوچا کہ اس وقت تبلیغ کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چنانچہ اس نے تبلیغ کی، اس نے سامنے سے شریعت کے اس حکم کا مذاق اڑا دیا اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہوگیا۔ اس کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب یہ شخص بنا، جس نے جا کر اس کو تبلیغ کی، لہٰذا عین اس وقت جب کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہو، اس وقت روکنا ٹوکنا بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے، اس لیے اس وقت روکنا ٹوکنا ٹھیک نہیں، بلکہ بعد میں مناسب موقع پر اس کو بتا دینا اور سمجھا دینا چاہیے کہ جو عمل تم کر رہے تھے، وہ درست نہیں تھا۔

اگر ماننے اور نہ ماننے کے احتمال برابر ہوں

اور اگر دونوں احتمال برابر ہوں، یعنی یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات سن کر مان لے گا اور اس گناہ سے باز آجائے گا اور یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات نہ مانے تو ایسے موقع میں بات کہہ دینا ضروری ہے، اس لیے کہ کیا پتا کہ تمہارے کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات اتار دے اور اس کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوجائے اور اگر تمہارے کہنے کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوگئی، تو پھر اس کی آئندہ ساری عمر کی نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو

اور اگر یہ خیال ہے کہ یہ شخص جو گناہ کے اندر مبتلا ہے، اگر میں اس کو روکوں

گا تو یہ شخص اگرچہ شریعت کے حکم کی توہین تو نہیں کرے گا، لیکن مجھے تکلیف پہنچائے گا، تو اس صورت میں اپنے آپ کو اس تکلیف سے بچانے کے لیے اس کو گناہ سے نہ روکنا جائز ہے اور اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض نہیں رہے گا، البتہ افضل پھر بھی یہی ہے کہ اس سے کہہ دے اور یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور میرے پیچھے پڑ جائے گا، لیکن میں حق بات اس کو کہہ دوں، لہٰذا اس وقت بات کہہ دینا افضل ہے اور جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرنا چاہیے۔ بہرحال! مندرجہ بالا تین صورتیں یاد رکھنے کی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ سامنے والا شخص میری بات سننے اور ماننے کے بجائے شریعت کے حکم کی توہین کرے گا، وہاں امر بالمعروف نہ کرے، بلکہ خاموش رہے اور جس جگہ دونوں احتمال برابر ہوں کہ شاید میری بات مان لے گا یا شاید توہین پر اتر آئے گا، اس جگہ پر بات کہنا ضروری ہے اور جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو وہاں شریعت کی بات کہنا ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ شریعت کی بات کہہ دے اور اس تکلیف کو برداشت کرے۔ یہ خلاصہ ہے، جسے ہر شخص کو یاد رکھنا چاہیے۔

ٹوکتے وقت نیت درست ہونی چاہیے

پھر شریعت کی بات کہتے وقت ہمیشہ نیت درست رکھنی چاہیے اور یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ ہم مصلح اور بڑے ہیں اور ہم دیندار اور متقی ہیں، دوسرا شخص فاسق و فاجر ہے اور ہم اس کی اصلاح کے لیے کھڑے ہوئے ہیں، ہم خدائی فوجدار اور داروغہ ہیں، اس لیے کہ اس نیت کے ساتھ اگر شریعت کی بات کہی جائے گی تو اس کا فائدہ نہ سننے والے کو پہنچے گا اور نہ تمہیں فائدہ ہوگا، اس لیے کہ اس نیت

کے ساتھ تمہارے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں رہا اور تمہارا یہ عمل بے کار اور اکارت ہو گیا اور ساری محنت ضائع ہو گئی اور سننے والے کے دل میں بھی تمہاری بات کہنے کا اثر نہیں ہوگا، اس لیے روکتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔

بات کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہیے

اسی طرح جب بھی دوسرے سے شریعت کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو، پیار و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ بات کہو، تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم ہو اور اس انداز سے بات کہو کہ اس کی سُبکی نہ ہو اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ شیخ الاسلام، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار ہم نے سنا، وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، لہٰذا جب بھی تم یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں کہیں لڑائی جھگڑا یا نقصان ہو گیا یا فساد ہو گیا تو سمجھ لو کہ ان تین باتوں میں سے ضرور کوئی بات ہوگی یا تو بات حق نہیں تھی اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا تھا یا بات تو حق تھی، لیکن نیت درست نہیں تھی اور بات کہنے کا مقصد دوسرے کی اصلاح نہیں تھی، بلکہ اپنی بڑائی جتانی مقصود تھی، یا دوسرے کو ذلیل کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے بات کے اندر اثر نہیں تھا اور بات ایسے طریقے سے کہی، جیسے دوسرے کو لٹھ مار دیا۔ کلمۂ حق کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اٹھا کر کسی کو مار دو، بلکہ حق کلمہ کہنا محبت اور خیر خواہی والا کام ہے، جو حق طریقے سے انجام پائے گا۔ جب خیر خواہی میں کمی ہو جاتی ہے تو پھر حق بات سے بھی نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نرمی سے سمجھانا چاہیے

میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی اصلاح کے لیے بھیجا اور فرعون کون تھا؟ خدائی کا دعویدار تھا، جو یہ کہتا تھا کہ

أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (۱)

یعنی میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں۔

گویا کہ وہ فرعون بدترین کافر تھا، لیکن جب یہ دونوں پیغمبر فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (۲)

یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاکر نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت مان لے، یا ڈر جائے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے اور تمہارا مدمقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا فاسق وفاجر ہو اور مشرک ہو، اس لیے کہ وہ تو خدائی کا دعویدار تھا، اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو ذرا نرمی سے بات کرنا، سختی سے بات مت کرنا، اس کے ذریعے ہمارے لیے قیامت تک یہ پیغمبرانہ

---

(۱) سورۃ النازعات آیت (۲۴).
(۲) سورۃ طٰہٰ آیت (۴۴).

طریقۂ کار مقرر فرما دیا کہ جب بھی کسی سے دین کی بات کہے تو نرمی سے کہے، سختی سے نہ کہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سمجھانے کا انداز

ایک مرتبہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، اتنے میں ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آکر جلدی جلدی اس نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد عجیب وغریب دعا کی کہ

"اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِی وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا"

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بہت تنگ اور محدود کر دیا کہ صرف دو آدمی پر رحم فرما اور کسی پر رحم نہ فرما۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، تھوڑی دیر کے بعد اسی دیہاتی نے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہا ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے اس کی طرف دوڑے اور قریب تھا کہ اس پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے۔ اتنے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"لَا تُزْرِمُوْهُ"

یعنی اس کا پیشاب بند مت کرو، جو کام کرنا تھا، وہ اس نے کرلیا اور پورا

پیشاب کرنے دو، اس کو مت ڈانٹو اور فرمایا:

"اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ"

یعنی تمہیں لوگوں کے لیے خیر خواہی کرنے والا اور آسانی کرنے والا بھیجا گیا ہے، دشواری کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، لہٰذا اب جا کر مسجد کو پانی کے ذریعے صاف کر دو، پھر آپ ﷺ نے اس کو بلا کر سمجھایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اس قسم کے کاموں کے لیے نہیں ہے، لہٰذا تمہارا یہ عمل درست نہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔(۱)

انبیا علیہم السلام کا اندازِ تبلیغ

اگر ہمارے سامنے کوئی شخص اس طرح مسجد میں پیشاب کر دے تو شاید ہم لوگ تو اس کی تکہ بوٹی کر دیں، لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے دیکھا کہ یہ شخص دیہاتی ہے اور ناواقف ہے، لاعلمی اور ناواقفی کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کی ہے، لہٰذا اس کو ڈانٹنے کا یہ موقع نہیں ہے، بلکہ نرمی سے سمجھانے کا موقع ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے نرمی سے اس کو سمجھا دیا۔ انبیا علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے، اگر کوئی مخالف گالی بھی دیتا ہے تو انبیا علیہم السلام اس کے جواب میں گالی نہیں دیتے، قرآنِ کریم میں مشرکین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے انبیا علیہم السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ

(۱) صحیح البخاری: ۱/۵۴(۲۲۰) و ۸/۳۰(۶۱۲۸).

وَ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۱)

یعنی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ بیوقوف ہیں اور ہمارے خیال میں آپ جھوٹے ہیں۔ آج اگر کوئی شخص کسی عالم یا مقرر یا خطیب کو یہ کہہ دے کہ تم بیوقوف ہو اور جھوٹے ہو تو جواب میں اس کو یہ کہہ دے گا کہ تو بیوقوف، تیرا باپ بیوقوف، لیکن پیغمبر نے جواب میں فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲)

اے میری قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔

دیکھیے! گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ محبت اور پیار کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔ ایک اور قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳)

تم کھلے گمراہ نظر آرہے ہو۔

جواب میں وہ پیغمبر فرماتے ہیں: اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ یہ پیغمبروں کی اصلاح ودعوت کا طریقہ ہے، لہٰذا ہماری باتیں جو بے اثر ہورہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو بات حق نہیں ہے یا طریقہ حق نہیں ہے یا نیت حق نہیں ہے اور اس کی وجہ سے ساری خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔

---

(۱) سورة الأعراف آيت (٦٦).
(۲) سورة الاعراف آيت (٦٧).
(۳) سورة الأعراف آيت (٦٠).

حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ہیں، جنہوں نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ دہلی کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وعظ کے دوران ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مولانا! میرے سوال کا جواب دے دیں، حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: کیا سوال ہے؟ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں ۔العیاذ باللہ۔ عین وعظ کے دوران بھرے مجمع میں یہ بات اس نے ایسے شخص سے کہی جو نہ صرف یہ کہ بڑے عالم تھے، بلکہ شاہی خاندان کے شہزادے تھے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو فوراً غصے میں آجاتا اور نہ جانے اس کا کیا حشر کرتا اور ہم نہ کرتے تو ہمارے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر ڈالتے کہ یہ ہمارے شیخ کو ایسا کہتا ہے، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کا اس طرح جواب دیا اور اس کو مسئلہ نہیں بنایا۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

لہٰذا جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی نفسانیت کو فنا کر کے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کے لیے بات کرتا ہے اور اس وقت دنیا والوں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اس کا اپنا مفاد نہیں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے، اللہ کے لیے کہہ رہا ہے تو پھر اس کی بات میں اثر ہوتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک وعظ میں ہزارہا افراد ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔ آج ہم لوگوں

نے اول تو تبلیغ ودعوت چھوڑ دی اور اگر کوئی کرتا بھی ہے، تو ایسے طریقے سے کرتا ہے جو لوگوں کو برانگیختہ کرنے کا ہوتا ہے، جس سے صحیح معنی میں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لیے یہ تین باتیں یاد رکھنی چاہییں: اول بات حق ہو، دوسرے نیت حق ہو، تیسرے طریقہ حق ہو، لہٰذا حق بات، حق طریقے سے حق نیت سے کہی جائے گی تو وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، بلکہ اس کا فائدہ ہی پہنچے گا۔

اجتماعی تبلیغ کا حق کس کو ہے؟

تبلیغ کی دوسری قسم ہے اجتماعی تبلیغ، یعنی لوگوں کو جمع کر کے کوئی وعظ کرنا، تقریر کرنا یا ان کو نصیحت کرنا، اس کو اجتماعی دعوت وتبلیغ کہتے ہیں۔ یہ اجتماعی تبلیغ و دعوت فرضِ عین نہیں ہے، بلکہ فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا اگر کچھ لوگ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے کام کریں، تو باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، لیکن یہ اجتماعی تبلیغ کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے، کھڑا ہو جائے اور وعظ کرنا شروع کر دے، بلکہ اس کے لیے مطلوب علم کی ضرورت ہے، اگر اتنا علم نہیں ہے تو اس صورت میں اجتماعی تبلیغ کا انسان مکلّف نہیں ہے۔اور کم از کم اتنا علم ہونا ضروری ہے، جس کے نتیجے میں وعظ کے دوران غلط بات کہنے کا اندیشہ نہ ہو، تب وعظ کہنے کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں۔ یہ وعظ وتبلیغ کا معاملہ بڑا نازک ہے، جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ اتنے سارے لوگ بیٹھ کر میری باتیں سن رہے ہیں، تو خود اس کے دماغ میں بڑائی آجاتی ہے۔اب خود ہی تقریر اور وعظ کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ اس دھوکے میں آجاتے ہیں کہ یہ شخص علم جاننے والا ہے اور بڑا نیک آدمی ہے اور جب لوگ دھوکے میں آگئے، اب خود بھی دھوکے میں آگیا کہ اتنی ساری مخلوق، اتنے

سارے لوگ مجھے عالم کہہ رہے ہیں اور مجھے اچھا اور نیک کہہ رہے ہیں تو ضرور میں کچھ ہوں گا، تبھی تو یہ ایسا کہہ رہے ہیں، ورنہ یہ سارے لوگ پاگل تو نہیں ہیں۔ بہرحال وعظ اور تقریر کے نتیجے میں آدمی اس فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہر شخص کو تقریر اور وعظ نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر وعظ کہنے کے لیے کوئی بڑا کسی جگہ بٹھا دے تو اس وقت بڑوں کی سرپرستی میں اگر کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

درسِ قرآن اور درسِ حدیث دینا

وعظ اور تقریر پھر بھی ہلکی بات ہے، لیکن اب تو درسِ قرآن اور درسِ حدیث دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے، جس کے دل میں بھی درسِ قرآن دینے کا خیال آیا، بس اس نے درسِ قرآن دینا شروع کر دیا، حالانکہ قرآنِ کریم وہ چیز ہے، جس کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"(۱)

جو شخص قرآنِ کریم کی تفسیر میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ قَالَ فِی کِتَابِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَأَصَابَ فَقَدْ

(۱) سنن الترمذی ۵/۶۵ (۲۹۵۰) وقال هذا حديث حسن.

اَخطَاءَ"(۱)

جو شخص اللہ جل شانہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کہے،
اگر صحیح بھی کہے تب بھی اس نے غلط کام کیا۔

اتنی سنگین وعید حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، اس کے باوجود آج یہ حال ہے کہ اگر کسی شخص کو کتابوں کے مطالعے کے ذریعے دین کی کچھ باتیں معلوم ہوگئیں، تو اب وہ عالم بن گیا اور اس نے درسِ قرآن دینا شروع کردیا، حالانکہ یہ درسِ قرآن اور درس حدیث ایسا عمل ہے کہ بڑے بڑے علماء اس سے تھراتے ہیں چہ جائیکہ عام آدمی قرآنِ کریم کا درس دے اور اس کی تفسیر بیان کرے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور درسِ قرآن

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے ستر پچھتر سال دین کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزارے، آخر عمر میں جاکر "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر تالیف فرمائی۔ اس کے بارے میں آپ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل تھا کہ تفسیر پر قلم اٹھاتا، میں تو حقیقت میں تفسیر کا اہل نہیں ہوں، لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

(۱) سنن أبی داود ۳۲۰/۳ (۳۶۵۲) سکت عنه أبو داود وقال المنذری فی "مختصره" ۵۳۳/۲ (۳۵۰۲) واخرجه الترمذي والنسائي، وقال الترمذي: هذا حديث غريب، وقد تكلم بعض اهل العلم في سهيل بن أبي حزم. هذا آخر كلامه. وسهيل بن أبي حزم بصري، واسم ابي حزم مهران، وقد تكلم فيه الإمام أحمد والبخاري والنسائي وغيرهم.

تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو میں نے آسان الفاظ میں تعبیر کر دیا ہے...... ساری عمر یہ فرماتے رہے، بڑے بڑے علمائے کرام تفسیر پر کلام کرتے ہوئے تھرّاتے رہے۔

امام مسلم اور تشریح حدیث

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے صحیح مسلم کے نام سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ جمع فرما دیا ہے، اس کتاب میں صحیح احادیث تو جمع کر دیں، لیکن حدیث کی تشریح میں ایک لفظ کہنا بھی گوارہ نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنی کتاب میں باب بھی نہیں قائم کیے، جیسے دوسرے محدثین نے نماز کا باب، طہارت کا باب وغیرہ کے عنوان سے باب قائم فرمائے ہیں، صرف اس خیال سے باب قائم نہیں فرمائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تشریح میں کوئی بات کہہ دوں اور اس میں مجھ سے غلطی ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر میری پکڑ ہو جائے۔ بس یہ فرما دیا کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کر رہا ہوں، اب علماء ان احادیث سے جو مسئلے چاہیں، مستنبط کر لیں...... اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ کتنا نازک کام ہے، لیکن آج کل جس کا دل چاہتا ہے درس دینا شروع کر دیتا ہے، معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں صاحب نے درسِ قرآن دینا شروع کر دیا ہے، فلاں صاحب نے درسِ حدیث دینا شروع کر دیا، حالانکہ نہ علم ہے اور نہ درس دینے کی شرائط ہیں، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج طرح طرح کے فتنے پھیل رہے ہیں، فتنوں کا بازار گرم ہے۔

لہٰذا کسی کے درسِ قرآن اور درسِ حدیث میں شریک ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ جو شخص درس دے رہا ہے، وہ واقعۃً درس دینے کا

اہل ہے یا نہیں؟ اس کے پاس علم ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ درس دینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ جس شخص کے پاس کماحقہ علم نہ ہو، اس کو اجتماعی تبلیغ اور وعظ وتقریر نہیں کرنی چاہیے، البتہ ایسے شخص کو انفرادی تبلیغ میں حصہ لینا چاہیے۔

کیا بے عمل شخص وعظ ونصیحت نہ کرے؟

ایک یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی غلطی کے اندر مبتلا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اس غلطی سے روکے، مثلاً ایک شخص نمازِ باجماعت کا پوری طرح پابند نہیں ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص دوسروں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین نہ کرے، جب تک کہ خود نمازِ باجماعت کا پابند نہ ہوجائے، یہ بات درست نہیں...... بلکہ حقیقت میں بات الٹی ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو نماز باجماعت کی تلقین کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ خود بھی نمازِ باجماعت کی پابندی کرے، نہ یہ کہ جو شخص نمازِ باجماعت کا پابند نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو تلقین نہ کرے۔ عام طور پر لوگوں میں یہ آیت مشہور ہے کہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۱)

یعنی اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔

بعض لوگ آیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی نیک کام نہیں کرتا تو وہ شخص دوسروں کو بھی اس کی تلقین نہ کرے، مثلاً ایک شخص صدقہ نہیں دیتا

(۱) سورۃ الصف آیت (۲).

تو وہ دوسروں کو بھی صدقہ کی تلقین نہ کرے، یا مثلاً ایک شخص سچ نہیں بولتا تو وہ دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین نہ کرے، آیت کا یہ مطلب لینا درست نہیں، بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اور جو چیز تمہارے اندر موجود نہیں ہے، تم اس کا دعویٰ مت کرو کہ یہ بات میرے اندر موجود ہے، مثلاً اگر تم نمازِ باجماعت کے پابند نہیں ہو تو دوسروں سے یہ مت کہو کہ میں نماز باجماعت کا پابند ہوں یا تم اگر نیک اور متقی نہیں ہو تو دوسروں کے سامنے یہ دعویٰ مت کرو کہ میں نیک اور متقی ہوں، یا مثلاً تم نے حج نہیں کیا تو یہ مت کہو کہ میں نے حج کرلیا ہے، اس آیت کے یہ معنی ہیں، یعنی جو کام تم کرتے نہیں ہو، دوسروں کے سامنے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کام تم نہیں کرتے تو دوسروں کو اس کی تلقین بھی مت کرو، اس لیے کہ بعض اوقات دوسروں کو کہنے سے انسان کو خود فائدہ ہوجاتا ہے، جب انسان دوسروں کو کہتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا تو انسان کو شرم آتی ہے اور اس شرم کی وجہ سے انسان خود بھی عمل کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

دوسروں کو نصیحت کرنے والا خود بھی عمل کرے

قرآنِ کریم کی ایک دوسری آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ (۱)

---

(۱) سورة البقرة آيت (٤٤).

کیا تم دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا جب تم دوسروں کو کسی عمل کی نصیحت کر رہے ہو تو خود بھی عمل کرو، نہ یہ کہ چونکہ خود عمل نہیں کر رہے ہو، لہٰذا دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو، یہ مطلب نہیں ہے۔ بہرحال دوسروں کو نصیحت کرنے میں اس بات کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے کہ میں خود اس پر کاربند نہیں ہوں، بلکہ بزرگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ

"من نہ کردم شما حذر بکنید"

میں نے پرہیز نہیں کیا، لیکن تم پرہیز کرلو۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات جب مجھے اپنے اندر کوئی عیب محسوس ہوتا ہے تو میں اس عیب کے بارے میں وعظ کہہ دیتا ہوں، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرما دیتے ہیں۔

یہ بات ضرور ہے کہ ایک شخص وہ ہے جو خود تو عمل نہیں کرتا، لیکن دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور ایک آدمی وہ ہے جو خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہے، دونوں کی نصیحت کی تاثیر میں فرق ہے، جو شخص عمل کر کے نصیحت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بات میں اثر پیدا فرما دیتے ہیں، وہ بات دلوں میں اتر جاتی ہے، اس سے انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے اور بے عملی کے ساتھ جو نصیحت کی جاتی ہے، اس کا اثر سننے والوں پر بھی کما حقہ نہیں ہوتا، زبان سے بات نکلتی ہے اور کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے، دلوں میں نہیں اترتی، لہٰذا عمل کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، مگر یہ چیز نصیحت کی بات کہنے سے مانع نہیں ہونی چاہیے۔

مستحب کے ترک پر نکیر درست نہیں

بہر حال! اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات میں کوتاہی کر رہا ہو یا کسی واضح گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو تبلیغ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ جس کی تفصیل اوپر عرض کر دی۔ شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو فرض وواجب نہیں ہیں، بلکہ مستحب ہیں، مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو کرے گا تو ثواب ملے گا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں، یا شریعت کے آداب ہیں جو علمائے کرام بتاتے ہیں۔ ان مستحبات اور آداب کے بارے میں حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی ترغیب تو دی جائے گی کہ اس طرح کر لو تو اچھی بات ہے، لیکن اس کے نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مستحب کام کو انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کے لیے اس کو طعنہ دینے یا ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ ہاں! اگر کوئی تمہارا شاگرد ہے یا بیٹا ہے یا تمہارے زیر تربیت ہے، مثلاً تمہارا مرید ہے تو بے شک اس کو کہہ دینا چاہیے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں مستحب عمل چھوڑ دیا تھا یا فلاں ادب کا لحاظ نہیں کیا تھا، اس کو کرنا چاہیے تھا، لیکن اگر ایک عام آدمی کوئی مستحب عمل چھوڑ رہا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

بعض لوگ مستحبات کو واجبات کا درجہ دے کر لوگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ حالانکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مستحب کام کیوں نہیں کیا تھا؟ نہ فرشتے سوال کریں گے، لیکن تم خدائی فوجدار بن کر اعتراض کر دیتے ہو کہ یہ مستحب کام تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں۔

اذان کی دعا پڑھنا

مثلاً اذان کے بعد دعا پڑھنا مستحب ہے:

"اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ"

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس دعا کی ترغیب ہے کہ ہر مسلمان کو اذان کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے۔[1] یہ بڑی برکت کی دعا ہے، اس لیے اپنے بچوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس کی تعلیم دینی چاہیے کہ یہ دعا پڑھا کریں۔ اس طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی اس دعا کے پڑھنے کی ترغیب دینی چاہیے، لیکن اگر ایک شخص نے اذان کے بعد یہ دعا نہیں پڑھی، اب آپ اس پر اعتراض شروع کردیں کہ تم نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی؟ اور اس پر نکیر شروع کردیں، یہ درست نہیں، اس لیے کہ نکیر ہمیشہ فرض کے چھوڑنے پر یا گناہ کے ارتکاب پر کی جاتی ہے، مستحب کام کے ترک پر کوئی نکیر نہیں ہوسکتی۔

آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں

بعض اعمال ایسے ہیں شریعت کے اعتبار سے مستحب بھی نہیں ہیں اور قرآن وحدیث میں ان کو مستحب قرار نہیں دیا گیا، البتہ بعض علماء نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، مثلاً بعض علماء نے یہ ادب بتایا ہے کہ جب کھانا کھانے کے لیے

---

(۱) صحیح البخاری: ۱۲۶/۱(٦١٤)، و٨٦/٦، (٤٧١٩).

ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے پونچھا نہ جائے۔اسی طرح یہ ادب بتایا کہ دسترخوان پر پہلے تم بیٹھ جاؤ، کھانا بعد میں رکھا جائے، اگر کھانا پہلے لگا دیا گیا، تم بعد میں پہنچے تو یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے۔قرآن وحدیث میں یہ آداب کہیں بھی موجود نہیں ہیں، لیکن علمائے کرام رحمہم اللہ نے یہ کھانے کے آداب بتائے ہیں، ان کو مستحب کہنا بھی مشکل ہے۔اب اگر ایک شخص نے ان آداب کا لحاظ نہ کیا، مثلاً اس نے کھانے کے لیے ہاتھ دھو کر تولیہ سے پونچھ لیے یا دسترخوان پر کھانا پہلے لگا دیا گیا اور وہ شخص بعد میں جا کر بیٹھا تو اب اس شخص پر اعتراض کرنا اور اس کو یہ کہنا کہ تم نے شریعت کے خلاف یا سنت کے خلاف کام کیا، یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ یہ آداب نہ تو شرعاً سنت ہیں اور نہ مستحب ہیں، اس لیے ان آداب کے ترک کرنے والے پر اعتراض اور نکیر کرنا درست نہیں۔ان معاملات کے اندر ہمارے معاشرے میں بہت افراط اور تفریط پائی جاتی ہے اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات پر نکیر کی جاتی ہے، جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

چارزانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے، ناجائز نہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی دو زانوں بیٹھ کر کھانے یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھانے کی نشست تواضع کے قریب ہے، لہٰذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہیے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا یا کوئی شخص اپنے آرام کے لیے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ

کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے، یہ خیال درست نہیں، لہٰذا جب چار زانوں بیٹھ کر کھانا جائز ہے تو اس طرح بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا بھی درست نہیں۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں، لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کی اتباع کا ثواب بھی ہے اور سنت سے زیادہ قریب بھی ہے، اس لیے حتیٰ الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے، اس لیے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہوگا اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا، اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہرحال میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے، لہٰذا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضورِ اقدس ﷺ دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے: ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا، اس لیے نیچے بیٹھا کرتے تھے، دوسری وجہ تھی کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجیے کہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی۔ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لیے کہ زمین

پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی، عبدیت ہوگی اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں، اس لیے حتیٰ الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے، لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے، لہٰذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں، یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے، جب اس سنت کو۔معاذ اللہ۔مذاق نہ بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سنت کا مذاق اڑائیں گے، تو ایسی جگہ زمین پر کھانے کا اصرار بھی درست نہیں۔

ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقا دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی، اس لیے ایک ہوٹل میں کھانے کے لیے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے

کا انتظام ہوتا ہے، اس لیے ہمارے دوستوں نے کہا کہ ہم تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے، کیونکہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں، بلکہ میز کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں، انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کھانا کیوں کھائیں؟ جب کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے، تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں؟ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ بچائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں جو سلیمان اعمش کے نام سے مشہور ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ عربی زبان میں اعمش چندھے کو کہا جاتا ہے، جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گرجاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی

تھیں، اس وجہ سے اعمش کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے ایک استاد تھے جن کا نام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ تھا، وہ اعور یعنی کانے تھے ان کی ایک آنکھ ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی، یہ امام اعمش ایسے شاگرد تھے جو ہر وقت استاد سے چمٹے رہنے والے تھے، جیسے شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چمٹے رہتے ہیں، جہاں استاذ جا رہے ہیں، وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جا رہے ہیں، یہ بھی ایسے تھے، چنانچہ استاذ جب بازار جاتے تو یہ اعمش شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے، بازار میں لوگ فقرے کستے کہ دیکھو استاذ کانا ہے اور شاگرد چندھا ہے، چنانچہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دوں؟ استاذ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ کانا ہے اور شاگرد چندھا ہے۔ شاگرد نے کہا:

"مَالَنَا نُؤجَرُ وَیَاثَمُونَ"

حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو مذاق اڑانے دیں، اس لیے کہ اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے، اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں، بلکہ فائدہ ہے۔ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ

"نَسْلِمُ وَیَسْلِمُونَ خَیْرًا مِنْ اَنْ نُّوْجَرَ وَیَاثَمُونَ"

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں اور نہ جانے میں کوئی نقصان بھی نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ

اس گناہ سے بچ جائیں گے، اس لیے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔(۱)

یہ ہے دین کی فہم۔ اب بظاہر شاگرد کی بات صحیح معلوم ہو رہی تھی کہ اگر لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو اڑایا کریں، لیکن جس شخص کی مخلوق خدا پر شفقت کی نگاہ ہوتی ہے، وہ مخلوق کی غلطیوں پر اتنی نظر نہیں ڈالتا، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ جتنا ہو سکے، میں مخلوق کو گناہ سے بچالوں، یہ بہتر ہے، اس لیے انہوں نے بازار جانا چھوڑ دیا۔ بہرحال! جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اور زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو اس صورت میں کچھ نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے لائق ہے، آپ نے فرمایا:

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ"(۲)

یعنی جب لوگوں کے سامنے دین کی بات کہو تو ایسے انداز سے کہو، جس سے لوگوں کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے؟ مثلاً دین کی کوئی بات بے موقع کہہ دے، جس کے نتیجے میں تکذیب کی نوبت آگئی، ایسے موقع پر دین کی بات کہنا ٹھیک نہیں۔

---

(۱) المنتظم فی تاریخ الملوک، والامم لابن الجوزی ۲۱/۷ طبع: دار الکتب العلمیه.
(۲) صحیح البخاری ۳۷/۱ (۱۲۷).

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے آج کون سا مسلمان ناواقف ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینے میں بھر دیا تھا، جہاں بیٹھتے، بس دین کی بات شروع کر دیتے اور دین کا پیغام پہنچاتے۔ ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے، کافی دن تک آتے رہے، ان صاحب کی داڑھی نہیں تھی۔ جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہوگئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہوگئے ہیں، چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب! ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی داڑھی کی سنت پر عمل کرلو، وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر شرمندہ سے ہوگئے اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا، جب کئی دن گزر گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس ہوا اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوگئی کہ میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی، یعنی ابھی توا گرم نہیں ہوا تھا، اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جائے، میں نے پہلے ہی روٹی ڈال دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا، اگر وہ آتے رہتے تو کم از کم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں اور اس کا فائدہ ہوتا۔

اب ایک ظاہر بین آدمی تو یہ کہے گا کہ اگر ایک شخص غلط کام کے اندر مبتلا ہے، تو اس سے زبان سے کہہ دو، اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے کہہ دو، لیکن آپ نے

دیکھا کہ زبان سے کہنا الٹا مضر اور نقصان دہ ہوگیا، کیوں کہ ابھی تک ذہن اس کے لیے تیار نہیں تھا، یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے اور کس انداز سے کہنی ہے اور کتنی بات کہنی ہے۔ دین کی بات کوئی پتھر نہیں کہ اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے، یا ایسا فریضہ نہیں ہے کہ اس کو سر سے ٹال دیا جائے، بلکہ یہ دیکھو اس بات کے کہنے سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ اس کا نتیجہ خراب تو نہیں ہوگا؟ اگر بات کہنے سے خراب اور برا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت دین کی بات کہنے سے رک جانا چاہیے، اس وقت بات نہیں کہنی چاہیے، یہ بات بھی استطاعت نہ ہونے میں داخل ہے۔

خلاصہ

بہرحال یہ بات کہ کس موقع پر کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟ کس موقع پر آدمی سختی کرے اور کس موقع پر نرمی کرے؟ یہ بات صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک کسی اللہ والے، متقی بزرگ کے ساتھ رہ کر انسان نے رگڑے نہ کھائے ہوں، لہٰذا دوسرا انسان جب کوئی غلطی کرے تو اس کو ضرور ٹوکنا اور بتانا تو چاہیے، لیکن اس کا لحاظ رکھنا اور جاننا ضروری ہے کہ کس موقع پر ٹوکنا فرض ہے اور کس موقع پر فرض نہیں؟ اور کس موقع پر کس طرح بات کرنی چاہیے؟ یہ سارے تبلیغ ودعوت کے احکام کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح فہم عطا فرمائے اور اس کے ذریعے ہماری اور سب مسلمان بہن، بھائیوں کی اصلاح فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

جہاد اور دعوت وتبلیغ

(تقریر ترمذی ۲/۲۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہاد اور دعوت تبلیغ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد

”عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ أَنَّ جَیْشًا مِنْ جُیُوْشِ الْمُسْلِمِیْنَ كَانَ أَمِیْرُهُمْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیَّ حَاصَرُوْا قَصْراً مِنْ قُصُوْرِ فَارِسٍ فَقَالُوْا: یَا اَبَا عَبْدِاللّٰه! أَلَا نَنْهَدُ إِلَیْهِمْ؟ قال:دَعُوْنِیْ أَدْعُوْهُمْ كَمَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْهُمْ فَأَتَاهُمْ سَلْمَانُ فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِیٌّ تَرَوْنَ الْعَرَبَ یُطِیْعُوْنِیْ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِیْ لَنَا وَعَلَیْكُمْ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْنَا وَإِنْ أَبَیْتُمْ إِلَّا دِیْنَكُمْ تَرَكْنَاكُمْ عَلَیْهِ وَأَعْطُوْنَا الْجِزْیَةَ عَنْ

يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ قَالَ وَرَطَنَ إِلَيْهِمْ بِالْفَارِسِيَّةِ وَأَنْتُمْ غَيْرُ مَحْمُوْدِيْنَ وَإِنْ أَبَيْتُم نَابَذْنَاكُمْ عَلىٰ سَوَاءٍ قَالُوْا: مَا نَحْنُ بِالَّذِيْ يُعْطِيْ الْجِزْيَةَ وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُكُمْ فَقَالُوْا: يَا أَبَا عَبْدِاللهِ! أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ لَا قَالَ فَدَعَاهُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ إِلىٰ مِثْلِ هٰذَا ثُمَّ قَالَ: اِنْهَدُوْا إِلَيْهِمْ قَالَ: فَنَهَدْنَا إِلَيْهِمْ فَفَتَحْنَا ذٰلِكَ الْقَصْرَ"(۱)

تمہید

جہاد شروع کرنے سے پہلے دعوتِ اسلام دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرمایا ہے اور اس میں حضرت ابوالبختری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر کے امیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فارس کے قلعوں میں سے ایک قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ لشکر کے لوگوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یا ابا عبداللہ! (یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے)۔ کیا ہم ان کی طرف نہ اٹھیں؟ نہد، ینہد کے معنی ہیں اٹھنا، ابھرنا۔ اسی سے "ناہید" کہا جاتا ہے اس عورت کو جس کا سینہ ابھرا ہوا ہو۔ اسی وجہ سے یہ نام رکھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کیا ہم ان پر حملہ نہ کریں؟ جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں ان کو اس طرح دعوت دوں جس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمان

(۱) سنن الترمذی ۲۰۷/۳ (۱۵۴۸) وقال حدیث حسن۔

فارسی رضی اللہ عنہ اہلِ فارس کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ دیکھو، میں تمہیں میں کا ایک فارسی ہوں اور اہل عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ حالانکہ عرب کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلائق سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں اور کسی کی اطاعت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود یہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں اور مجھے یہ مقام اسلام کی بدولت عطا ہوا ہے۔ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جیسے ہم کو حاصل ہیں اور تم پر وہی فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں، لیکن اگر اپنے دین پر ہی رہنا چاہتے ہو تو ہم تم کو تمہارے دین پر چھوڑ دیں گے، لیکن تم چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو۔

اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے فارسی زبان میں بات کی کہ اگر یہ جزیہ تم دو تو ہم قبول کر لیں گے، لیکن اس صورت میں تم قابل تعریف نہیں ہوگے۔ رطن معنی ہیں ''بڑبڑانا'' اور ایسے الفاظ زبان سے نکالنا کہ سننے والے کو پتا نہ چلے کہ کیا بول رہا ہے۔ اہلِ عرب کا یہ حال تھا کہ جب کوئی غیر عرب اپنی زبان میں بات کرتا تو اس کے لیے رطن استعمال کرتے، ''قال'' یا ''تکلم'' نہیں بولتے، اس لیے عربی زبان کے علاوہ ہر زبان ان کے نزدیک بڑبڑاہٹ ہے، پھر فرمایا کہ اگر تم جزیہ دینے سے بھی انکار کرو گے تو تمہارے سامنے معاہدہ برابر سرابر پھینک دیں گے۔ یعنی پھر ہمارا تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے، جہاد اور قتال کریں گے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ نہیں ہیں جو جزیہ ادا کریں۔ گویا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کی جو بات کی تھی اس کا تو ذکر نہیں کیا

یعنی اسلام لانا تو خارج از بحث ہے اور جہاں تک جزیہ دینے کا معاملہ ہے تو ہم ایسی قوم نہیں جو جزیہ ادا کریں، لیکن ہم تم سے لڑیں گے۔ تو اہلِ لشکر نے پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا اب ان پر حملہ نہ کریں؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تین روز تک ان کو یہی دعوت دیتے رہے۔ تین دن کے بعد لشکر سے فرمایا کہ اب ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ ہم نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ قلعہ ہم نے فتح کر لیا۔

جہاد سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حملہ کرانے سے پہلے دعوت دینا ضروری سمجھا اور تین روز تک دعوت دی، اس کے بعد حملہ کیا۔ چنانچہ فقہائے کرام نے اس مسئلے میں کلام کیا ہے کہ ہر جہادی حملے سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے، لیکن جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ دعوت دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے اور بعض فقہاء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت پہنچ گئی ہو تب تو ان کو دعوت دینا ضروری نہیں، لیکن اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت نہیں پہنچی، تو پھر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینا ضروری اور واجب ہے۔ اس کے بغیر قتال جائز نہیں۔ جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام خطوں میں اسلام کی دعوتِ عام پہنچ چکی ہے کیونکہ دنیا کا کوئی آدمی اب ایسا نہیں رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے بحیثیتِ اجمالی واقف نہ ہو، لہٰذا اب کسی بھی جگہ جہاد سے پہلے دعوت دینا شرط

نہیں البتہ مستحب ہے۔ لہٰذا دعوت دیے بغیر بھی اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جائز ہوگا، نا جائز نہیں ہوگا۔(۱)

دعوت فرض دنیا میں ہر ایک فرد کو پہنچ چکی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جو دعوت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے وہ پہنچ چکی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلموں کو یہ پتا لگ جائے کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے اور آپ نے توحید کی دعوت دی اور آپ یہ دین اسلام لے کر تشریف لائے تھے۔ اگر اتنی بات بھی اجمالی طور پر پہنچ گئی ہے تو دعوت کا فریضہ ادا ہو گیا۔ اب ہر ہر فرد کو الگ الگ جا کر دعوت دینا یہ کوئی فرض نہیں۔ آج کل یہ تصور مشکل ہے کہ کوئی فرد ایسا ہو جس کو اسلام کے بارے میں اجمالی دعوت نہ پہنچی ہو۔ حتی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی ایسا فرد نہیں تھا۔ اس لیے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اتنی بات تو سب جانتے تھے اس لیے وہ لوگ معذور نہیں سمجھے جائیں گے۔

تبلیغی جماعت کی ایک اور بے اعتدالی

تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں میں سے ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ ایک ایک فرد کو الگ جا کر دعوت دینا فرض سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے جا کر دعوت نہیں دی، تو قیامت کے دن کفار تمہارے گریبان پکڑ لیں

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: بدائع الصنائع: ۱/۱۰۰ کتاب السیر، فصل فی بیان ما یجب علی الغزاۃ، الافتتاح بحالۃ الوقعۃ ولقاء العدو.

گے۔ حالانکہ ایک ایک فرد کو الگ الگ جا کر دعوت دینا فرض نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو کافر قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑ لیں گے کہ تم نے ہمیں کیوں دعوت نہیں دی تھی، یہ بالکل غلط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تقریر کے جوش میں کسی نے یہ بات کہہ دی ہو لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

معاشرے کی ایک خرابی

ہمارے یہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی کام کرتا ہے تو جب تک وہ اس کام کو فرضِ عین قرار نہ دے، اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا اور جب تک وہ یہ نہ کہہ دے کہ جو آدمی یہ کام نہیں کر رہا ہے وہ غلطی پر ہے اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا۔ اپنے اس کام کو فرضِ عین قرار دینا اور دوسرے کاموں پر تنقید کرنا یہ اس کام کی اہمیت اور تاکید جتلانے کے لیے لازمی سمجھا جانے لگا ہے۔ مثلاً جو شخص دعوت وتبلیغ میں لگ گیا تو اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دعوت تبلیغ فرضِ عین ہے، جو شخص جہاد میں لگ گیا اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جہاد فرضِ عین ہے۔ جو شخص درس وتدریس اور علم سیکھنے میں لگ گیا تو اس نے اس کو فرضِ عین قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ سب دین کے مختلف راستے اور طریقے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا چاہیے لیکن اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عمل کرنا چاہیے اور اعتدال نہ ہونے کے نتیجے میں فرقہ بندی ہوتی ہیں اور آپس میں ناراضگیاں پیدا ہوتی ہیں اور آپس میں تناؤ اور کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے اس لیے ہر شخص کو اپنے کام میں اعتدال کے ساتھ لگنا چاہیے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

علماء، طلبہ اور عوام کو ایک ایک نصیحت

(خطباتِ عثمانی ۴/۲۷۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء، طلبہ اور عوام کو ایک ایک نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔
اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

حضرات علماء کرام، میرے عزیز طالب علم ساتھیوں، معزز حاضرین، بزرگو اور دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میرے لیے یہ بڑی سعادت کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ اسلامیہ میں مجھ ناچیز کو دعوت دے کر بڑا اعزاز عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کے فیض کو جاری وساری فرمائیں، آمین۔

اس مبارک موقع پر جبکہ جامعہ اسلامیہ میں تعلیمی سال کی تکمیل ہورہی ہے اور مجھے بتایا گیا کہ تقریباً ساڑھے چارسو طالبِ علم دورہ حدیث سے فارغ ہوئے ہیں، مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں چند گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔ اس وقت اس مبارک جلسے میں جو اجتماع ہے، وہ حضراتِ علمائے کرام کا بھی ہے، طلبہ کا بھی ہے اور عام مسلمانوں کا بھی ہے اور میں ان تینوں طبقات سے بہت مختصر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ مجھے آگے سفر درپیش ہے، اس لیے کسی طویل خطاب کا موقع نہیں، لیکن دین کی بات کسی لمبی چوڑی تقریر کا محتاج نہیں ہوتی۔ اگر اخلاص کے ساتھ بات کہی اور سنی جائے، تو چھوٹی سی بات بھی کارآمد ہوجاتی ہے اور اگر خدا نہ کرے اخلاص مفقود ہو، تو لمبی چوڑی تقریریں بھی بے کار ہوجاتی ہیں، اس واسطے میں ان تینوں حضرات سے بہت مختصر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عام مسلمانوں سے گزارش

عام مسلمانوں سے تو میری درخواست یہ ہے کہ آج ہم فتنوں کے دور سے گزر رہے ہیں، اس دور میں ساری اسلام دشمن طاقتوں کا سارا زور اس بات پر صرف ہورہا ہے کہ عام مسلمانوں کا رشتہ علمائے کرام سے کاٹ دیا جائے اور عام مسلمانوں کو علمائے کرام سے برگشتہ کیا جائے، علمائے کرام سے نفرت ان کے دلوں میں پیدا کی جائے، تاکہ ان کا رشتہ اپنے علمائے کرام سے کٹ جائے اور اس کے بعد ان کی کیفیت ایسی ہوجائے، جیسے کہ بھیڑوں کا غلہ کسی چرواہے کے بغیر بھیڑیوں کے قبضے میں آجاتا ہے۔ عام مسلمانوں کو اس فتنے سے اچھی طرح خبردار رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ کہا یہ جارہا ہے کہ یہ علماء عصرِ حاضر کے

تقاضوں سے واقف نہیں ہیں، ان میں روشن خیالی نہیں ہے، یہ دقیانوسی لوگ ہیں، یہ گھڑی کی سوئی کو پیچھے لے جانا چاہتے ہیں اور ان علماء کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور چونکہ علماء ہم آہنگ نہیں ہیں، لہٰذا عوام النّاس کو کہا جارہا ہے کہ وہ ان علماء کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ دوسرے قائدین کو تلاش کریں۔

سوال یہ ہے کہ علماء کن کا نام ہے؟ علماء ان حضرات کا نام ہے جو قرآنِ کریم اور نبی کریم ﷺ کی احادیث اور سنت کے پاسبان ہیں اور قرآن وسنت سے مستنبط ہونے والی فقہ کے نگہبان ہیں اور یہ قرآن اور سنت وہ چیز ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ساری انسانیت کی راہنمائی کے لیے قیامت تک کے تمام مُقتضیات کو پورا کرنے والی ہے اور اس میں انسان کی ضرورت کا کوئی اہم پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن وسنت کی ہدایت موجود نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن وسنت کا صحیح طور پر عالم ہے اور ان احکام کو جانتا ہے تو وہ قیامت تک آنے والی تمام ضروریات کا جاننے والا ہے اور اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، یہ جہالت کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا عام مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کی اس سازش سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔

وہ سمجھ چکے ہیں کہ اس دنیا سے دین کے اثرات مٹانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کہ بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھنے والے طلبہ اور علماء موجود ہیں، اس واسطے پوری دنیا میں ان کے خلاف ایک سازش چل رہی ہے، پوری دنیا میں ان کے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے کہ یہ چٹائی پر بیٹھنے والے، یہ بوریوں پر بیٹھنے والے، یہ جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگوں سے سات سمندر پار امریکہ کی سپر پاور لرز رہی ہے، وہ لرزہ براندام ہے، وہ ڈر رہی ہے کہ یہ ہمارے خلاف ایک فتنہ نہ بن جائیں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ

اصل میں دین کا تحفظ اور دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ بوریہ نشین علمائے کرام سے کرارہا ہے۔ اقبال مرحوم نے آج سے تقریباً پون صدی پہلے انگریز کی پالیسی کو بیان کرتے ہوئے ایک شعر میں کہا تھا کہ انگریز یہ چاہتا ہے کہ اس خطۂ زمین سے اسلام کو کھرچ کھرچ کر نکال دے، اقبال نے انگریز کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا تھا ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

علماء اور طلبہ سے گزارش

دوسری بات مجھے حضرات علمائے کرام اور اپنے عزیز طالبِ علموں سے عرض کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت عظیم رتبے سے نوازا ہے۔ علمِ دین کوئی معمولی سعادت نہیں، طلبہ اور علماء کی یہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ سمندر کی مچھلیاں بھی ان کے حق میں دعائیں کرتی ہیں، ان کے فضائل سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں، قرآن کہتا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾ (۱)

کہو کہ: ''کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب

(۱) سورۃ الزمر آیت (۹)۔

برابر ہیں؟" (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ"(۱)

علمائے کرام انبیائے کرام کے وارث ہیں۔

اتنے بڑے عظیم فضائل علمائے کرام کے بیان فرمائے گئے ہیں، بڑے عظیم فضائل ہیں، بڑا عظیم رتبہ ہے ایک عالم دین کا، لیکن ساتھ ساتھ جتنی اس کی فضیلت ہے، اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہے اور جتنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے علماء اور طلبہ کے لیے اجر رکھا ہے، اتنا ہی اس کی گردن کے اوپر بڑا بوجھ بھی ڈالا ہے، وہ بوجھ یہ ہے کہ وہ محض عالم نہ ہو، عالم کے ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، جو علم پڑھ رہا ہے، اس کے اوپر پوری طرح عمل پیرا ہو، عبادات میں، معاملات میں، اخلاق میں، معاشرت میں، غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں جو دین اس نے پڑھا ہے اس کا عکس، اس کا آئینہ اس کی زندگی کے اندر نمایاں ہو۔

یاد رکھیے! علمائے کرام کو اور ان کی خدمت کو مٹانے کی سازشیں صدیوں سے چل رہی ہیں، آج کوئی نئی بات نہیں، صدیوں سے اس کائنات میں سازشیں چل رہی ہیں کہ علمائے کرام کی خدمات کو مٹایا جائے، لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ بیرونی طاقت کبھی علمائے کرام کی خدمات کو نہیں مٹا سکی، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ہم خود اپنی بدعملی کی وجہ سے، اپنے اضطراب کی وجہ سے،

---

(۱) سنن ابی داود ۳/۳۱۷ (۳۶٤۱) وسنن الترمذی ٤/٤۱٤ (۲٦۸۲)، وذکره الحافظ ابن حجر فی "فتح الباری" ۱/۱٦۰، وقال: وحسنه حمزة الکنانی وضعفه غیرهم باضطراب فی سنده، لکن له شواهد يتقوى بها (طبع دار الفکر).

اپنے انتشار کی وجہ سے اور اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے مٹنے کا سبب نہ بن جائیں، لہٰذا ہر طالبِ علم جس کے سر پر دستارِ فضیلت رکھی گئی ہے، اس کو اس کا بوجھ برداشت کرنا چاہیے۔ یہ پگڑی یا یہ دستارفضیلت ایک تاج نہیں جو سر پر پہن لیا گیا ہے، یہ ایک بہت بڑی ذمے داری کا بوجھ ہے جو سر پر رکھا جارہا ہے، ہر طالبِ علم کو اس ذمے داری کا بوجھ سمجھنا چاہیے اور اس بات کا ادراک کرنا چاہیے کہ آج اس کی ایک ایک نقل وحرکت کو خوردبین لگا کر دیکھا جارہا ہے، اس کے ایک ایک کام کی چاروں طرف سے نگرانی کی جارہی ہے کہ اس میں کوئی عیب تلاش کیا جائے، تو ایسا نہ ہو کہ ہمارے یہ عیوب ہمیں اور آپ کو لے ڈوبیں۔ یاد رکھیے! علم بغیر عمل کے ایک ایسا درخت ہے، جس پر پھل نہ ہوں، ایک ایسا پودا ہے جس پر پھول نہ ہوں۔ ہمارے سارے اسلاف علم کے ساتھ ساتھ عبادت کے عادی تھے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ قاضی بننے کے بعد جبکہ قاضی کی مصروفیات بہت زیادہ ہوتی ہیں، روزانہ دوسو رکعتیں نفل پڑھنے کا معمول تھا اور ہر وقت اپنی ہر ہر ادا میں اپنے علم کو نافذ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔(۱)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے طالب علمو! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کرو، لوگوں نے پوچھا کہ علم کی زکوٰۃ کیا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جتنا پڑھا ہے کم از کم اس کے چالیسویں حصے پر عمل کرکے دکھادو اور پھر یہ جائزہ صرف عبادت پر موقوف نہیں۔(۲)

---

(۱) سير أعلام النبلاء الذهبي: ۵۳۷/۸، طبع مؤسسة الرسالة
(۲) شعب الإيمان: ۲۸۶/۳، فقره (۱۶۶۶) مكتبة الرشد: وحلية الأولياء ۳۳۶/۸، طبع السعادة، مصر

آج کی دنیا میں آپ کا جائزہ

بلکہ آج کی دنیا میں آپ کا جائزہ آپ کے معاملات سے لیا جائے گا، آپ کے اخلاق سے لیا جائے گا، آپ کی معاشرت سے لیا جائے گا۔ اگر کوئی عالمِ دین ہے، لیکن روپے پیسے کمانے میں محتاط نہیں ہے، حلال وحرام کی تمیز نہیں تو وہ علماء کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بن کر سامنے آئے گا اور دشمنانِ اسلام اس کو بدنام کر کے پورے طبقۂ علماء کو بدنام کریں گے، اگر ایک طالبِ علم کے، ایک عالم کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، اس کا طرزِ عمل معاشرتِ اسلامی کے مطابق نہیں ہے تو اس کو بدنام کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ پورا طبقۂ علماء بدنام ہوگا۔

فضلائے کرام کو مبارک باد

لہٰذا میرے عزیز طالب علمو! جنہوں نے اس سال دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی ہے، میں آپ کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، آپ کے اساتذہ کرام کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس عظیم سعادت کا ذریعہ بنایا، میں آپ کے خاندانوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سعادتِ عظمیٰ ان کو عطا فرمائی، لیکن ساتھ ساتھ اس کی بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سعادت کے ذریعے جو ذمے داریاں آپ کے کندھوں پر ڈالی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کو امتِ مسلمہ کے لیے ایک نمونہ بنائیں اور ان پروپیگنڈا کرنے والوں کا ایک عملی جواب بنائیں جو

علماء کے خلاف اور علمِ دین کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کو مکمل طور پر ناکام بنائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دار الافتاء سے متعلق اہم ہدایات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الافتاء سے متعلق اہم ہدایات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ امّا بعد!

حضراتِ علمائے کرام اور معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے میری طرف سے آپ سب حضرات سلام قبول فرمائیں اور اس بات کی معذرت کہ میں آپ سے ٹیلی فون پر بات کر رہا ہوں۔ ورنہ ایسے موقع پر اگر خود حاضر ہونا ممکن ہوتا تو ضرور حاضر ہوتا۔ امید ہے کہ آپ حضرات مجھے معذور قرار دیں گے۔ الحمد للہ! یہ خبر ہمارے لیے بہت بڑی مسرت اور خوشی کی خبر ہے کہ آپ کے شہر میں ایک دار الافتاء کا قیام عمل میں آیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے فاضل دوست اور احباب نے اس کام کے لیے صلاحیت حاصل کی ہے اور یہاں علاقے کی ضروریات کے مطابق

سوال و جواب دینے کا سلسلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قائم فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنے اسلامی علوم ہیں چاہے قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر ہو یا نبیِ کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی احادیث اور آپ کی سنت کا بیان ہو یا دوسرے اسلامی علوم کا، سب کا لبِّ لباب اور سب کا حاصل اور سب کا مقصدِ اعظم یہ ہے کہ انسان کو یہ پتا چلے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے؟ کون سی جائز ہے اور کون سی ناجائز؟ کون سی چیز فرض اور واجب ہے اور کون سی سنت؟ کون سی مستحب ہے؟ جب تک انسان کو اس کا پتا نہ چلے اس وقت تک وہ صحیح اسلامی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس لیے اللہ تباک وتعالیٰ نے شروع سے یہ نظام رکھا ہے کہ نبیِ کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تعلیم دی، صحابۂ کرام نے تابعین کو تعلیم دی، تابعین نے تبعِ تابعین کو تعلیم دی۔

یہ تو ممکن نہیں کہ سب کے سب لوگ عالم اور مفتی بن جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

اس میں بتایا کہ ہر بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹا گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرنے کا معنیٰ یہی ہیں کہ حرام وحلال اور جائز و ناجائز کا علم حاصل کرے، واجبات و مستحبات وسنن کا علم حاصل کرے، ایک گروہ یہ علم حاصل کرے پھر فرمایا:

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۱)

---

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۱۲۲).

تاکہ وہ اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو آگاہ کریں، یعنی یہ بتائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کون سے ہیں اور اس کو ناراض کرنے والے اعمال کون سے ہیں، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ نظام بنایا کہ کچھ لوگ علومِ دین کو مکمل طور پر حاصل کر کے دین کی سمجھ پیدا کریں جسے تفقہ فی الدین کہا جاتا ہے اور اس علم کو آگے کس طرح پہنچائیں؟ اس کا طریقہ یہ بتایا کہ جن لوگوں کو یہ علوم حاصل کرنے کا موقع نہیں ہے اور وہ دوسرے مشاغل میں مشغول ہیں تو وہ ایسے لوگوں کی طرف رجوع کریں۔ اسی بات کو قرآنِ کریم نے ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۱)

کہ اگر تمہیں کسی معاملے کا علم نہیں ہے تو پھر ان لوگوں سے سوال کرو جو اس کا علم رکھتے ہیں۔

اس طرح قرآنِ کریم نے ایک طرف تو امت پر یہ فرض قرار دیا کہ ان میں سے کچھ لوگ دین کا مکمل علم اور دین کی مکمل سمجھ حاصل کریں ان کو حرام و حلال کی معرفت حاصل ہو اور وہ تفقہ فی الدین کے حامل ہوں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے آئے تو وہ اس کے بارے میں علمائے کرام سے رجوع کریں اور ان سے سوالات کر کے اس کے مطابق عمل کریں، بلکہ عام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی رکھی ہے کہ اگر انہوں نے واقعۃً صحیح تحقیق کر کے کسی ایسے عالم سے فتویٰ معلوم کر لیا، جو فتویٰ

---

(۱) سورۃ النحل آیت (۴۳).

دینے کا اہل ہے اور واقعۃً اس کے پاس فقہ کا اور اسلامی علوم کا ایک معتد بہ حصہ موجود ہے اور علماء اس کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہیں، تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اب اس عالم نے یہ کہہ دیا کہ یہ تمہارے لیے حلال ہے جائز ہے اور اس نے اس کے مطابق عمل کرلیا تو اب اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اب وہ اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کے لیے بڑی سہولت رکھی ہے۔

الحمد للہ! ہر دور میں ایسے مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود رہی ہے جو عوام کی شرعی رہنمائی کرتے رہے ہیں اور پھر اس کے لیے دار الافتاء بھی قائم ہوتے رہے، دار الافتاء کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں عام مسلمان مسائل پوچھنے کے لیے رجوع کریں اور یہ حضرات اپنے علم کے مطابق ان کو جواب دیں، اس کے لیے اس کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لیے بڑی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہر عالم مفتی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمارے ملک میں بھی درسِ نظامی کا نظام موجود ہے جو طلبہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوتے ہیں تو فتویٰ کی تربیت دینے کے لیے مستقل کورس کروایا جاتا ہے اور اس کی تربیت دی جاتی ہے اس کے بعد وہ فتویٰ دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ حضرات کے شہر میں یہ دار الافتاء اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، اس میں جو حضرات فتویٰ دینے کے کام پر مامور ہیں ان کا فریضہ ہے کہ ہر مسئلے کی مکمل تحقیق کے بعد اور اس کا اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد فتویٰ دیں، اس سے پہلے فتویٰ نہ دیں جب تک کہ کسی مسئلے پر مکمل اطمینان نہ ہو جائے اور اگر کسی مسئلے میں کوئی اشکال ہو تو دوسرے مفتی صاحبان سے رجوع کرنے میں کبھی تامل

نہ ہونا چاہیے، اپنے کسی بڑے اور ویسے چھوٹے سے بھی اگر ضرورت پیش آجائے تو مسئلے کی تحقیق کے لیے اس سے رجوع کرنے میں بھی کوئی عار نہ ہونی چاہیے اور الحمد للہ! مجھے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا ہے کہ جہاں دار الافتاء قائم ہوا ہے وہاں سے علماء مسلسل اپنے بڑوں سے رابطے میں رہتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ان سے رجوع کرتے ہیں ان کی ہدایت کی روشنی میں فتوے جاری کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

جو لوگ دار الافتاء سے فتویٰ حاصل کرنے کے لیے یا مسئلہ معلوم کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں ان کا فرض سب سے پہلے تو یہ ہے کہ وہ ایسے مسائل پوچھیں جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں جن میں حلال وحرام کا فرق ہوتا ہے اور جن میں آخرت میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ بعض مرتبہ لوگ ایسے سوالات لے کر آجاتے ہیں جن کو عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، محض بحث ومباحثے کی خاطر یا محض اپنا علم جتانے کی خاطر لوگ سوال کرتے ہیں، ایسے سوالات کا جواب دینے میں صرف وقت ضائع ہوتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اپنی عبادات، اپنے معاملات، اپنے اخلاق اور اپنی معاشرت کی اصلاح کے لیے مسائل معلوم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین کو پانچ چیزوں میں منقسم فرمایا ہے۔ ان میں سب سے پہلا شعبہ تو عقائد کا ہے کہ سب سے پہلے انسان کے عقائد درست ہونے چاہییں، چنانچہ عقیدہ کے بارے میں اگر کوئی شبہ ہو تو دار الافتاء سے رجوع کر کے معلوم کیا جائے کہ کون سا عقیدہ صحیح ہے اور کون سا غلط ہے۔ دوسرا شعبہ عبادات کا ہے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ عبادات صحیح طور پر انجام پائیں سنت کے مطابق انجام پائیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا

ہے اسی کے مطابق اس کو انجام دیا جائے اس کے لیے بھی مسائل سیکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگ نماز پڑھتے ضرور ہیں لیکن اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ ہماری نماز درست ہو رہی ہے یا نہیں؟ حالانکہ نماز کے مسائل بھی بڑے باریک ہیں اور ان میں بھی بڑی تفصیلات ہیں، میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں پچاس سال سے فتوے کی خدمت انجام دے رہا ہوں لیکن اب بھی بعض اوقات نماز میں کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے جس کے بارے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ چنانچہ نماز کے بعد کتاب سے رجوع کرنا پڑتا ہے اس لیے نماز کے احکام روزے کے احکام حج اور زکوٰۃ کے احکام یہ سارے عملی مسائل ہیں انکے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا شعبہ معاملات کا ہے اور یہ بھی بہت اہم شعبہ ہے ہماری بیع وشراء، ہماری خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو، ہماری آمدنی میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہو، ہم جو لقمہ کھائیں وہ حلال ہو اس میں حرام کی آمیزش نہ ہو، اس کے لیے معاملات کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے اور شریعت نے اس کے بارے میں بڑے عظیم احکام عطا فرمائے ہیں، لہٰذا کوئی اگر کاروبار کر رہا ہے یا ملازمت کر رہا ہے یا وہ کاشت کار ہے تو اس کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کون سا طریقہ حلال ہے کون سا حرام ہے، اس بارے میں دار الافتاء سے رجوع کرنا چاہیے۔

چوتھی چیز معاشرت ہے کہ جب ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں تو اس کا کون سا طریقہ جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے، دوسروں کے

ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، کیا نہیں کرنا چاہیے؟ اس کے بارے میں قرآن و سنت نے بہت مفصل احکام دیے ہیں ان کے بارے میں بھی سوالات کیے جاسکتے ہیں۔

سب سے آخر میں اخلاق ہیں ہمارے اخلاقِ باطن درست ہوں بغض، حسد، تکبر اور ریا کاری سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔کون سی چیز ریا کاری میں داخل ہے اور کون سی چیز ریا کاری میں داخل نہیں ہے؟ اخلاص کس طرح حاصل ہوتا ہے اور کس طرح نہیں ہوتا؟ کون سی چیز حسد میں داخل ہے؟ کون سی چیز حسد میں داخل نہیں؟ یہ ساری باتیں ہر مسلمان کو سمجھنی چاہییں اور ان کے بارے میں سوالات کرنے چاہییں۔

میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس دار الافتاء کو اس میں کام کرنے والوں کے لیے بھی اور عام مسلمانوں کے لیے بھی مفید اور نافع بنائے اور ہر طرح کے شر سے اس کی حفاظت فرمائے اور یہاں کے کام کرنے والوں اور یہاں کے سوال کرنے والوں کو صدق و اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔(آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں
تخصص فی الدعوۃ والارشاد قائم
کرنے کے مقاصد اور اس کی ضرورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ دار العلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد قائم کرنے کے مقاصد اور اس کی ضرورت

تمہیدی کلمات

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

میرا ارادہ شروع میں یہ تھا کہ تعلیمی سال کے دوران بھی آپ حضرات سے وقتاً فوقتاً گفتگو کرنے کا موقع ملے، لیکن آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ اس سال کئی مہینے میرے بیماری میں گزرے ہیں، اس کی وجہ سے اپنے روزمرہ کے فرائض بھی اچھی طرح نہیں انجام دے سکا اور اس کی وجہ سے بہت سے کام جمع ہو گئے، لیکن الحمد للہ میں آپ کے اساتذہ سے شعبہ کی کارکردگی اور اس کے مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں اور بحیثیت مجموعی یہ اطمینان ہوا ہے کہ روز بروز اس شعبے کے معیار میں ترقی ہو رہی ہے، جس کے لیے حضرت

مولانا ساجد الرحمن صاحب اور حضرت مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب دونوں نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ شعبہ مزید ترقی کرے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کی مجلس میں اس شعبے کے قیام کے اغراض و مقاصد اور یہاں تعلیم حاصل کرنے والوں اور فارغ ہونے والوں کے طرزِ عمل کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔

دعوتِ دین کا خلاصہ

اتنی بات تو آپ سب پر واضح ہے کہ اس شعبے کا مقصد دعوت و ارشاد کے لیے افراد تیار کرنا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ درسِ نظامی کی تکمیل کے ذریعے علوم اسلامیہ سے الحمد للہ ایک طالبِ علم کو اچھی واقفیت ہو جاتی ہے، لیکن دنیا کے ہر علم وفن کا قاعدہ یہ ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مقصد کے ساتھ اس کے متعلقات کو بھی صحیح طریقے سے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس غرض سے یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا کہ فضلائے درسِ نظامی کو دعوتِ دین اور ارشاد کے لیے تیار کیا جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ ساری دعوتِ دین کا خلاصہ اس آیتِ کریمہ میں ہے، جس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (۱)

---

(۱) سورۃ النحل آیت (۱۲۵)۔

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔

اللہ رب العزت نے دعوت کا پورا کام تین خانوں میں سمیٹ دیا ہے کہ دعوت حکمت کے ساتھ ہونی چاہیے، موعظۂ حسنہ کے ساتھ ہونی چاہیے اور جدال کی ضرورت ہو وہاں "جدال بالتي هي أحسن" ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ تین کاموں کو اختیار کرے۔

① حکمت

② موعظۂ حسنہ

③ جدال بالتي هي أحسن

حکمت کیا ہے؟

حکمت کا کیا مفہوم ہے؟ حکمت کے اندر وہ علوم اور معلومات آتی ہیں جن کی داعیٔ حق کو دعوت کے وقت ضرورت پیش آتی ہے اور یہ لفظ دو چیزوں کو شامل ہے، ایک "علوم الواقع" ہیں، جس کا مطلب ہے کہ زمین کے اوپر جو حقائق ہیں یعنی جو واقعات پیش آ رہے ہیں، جس قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں اور جس قسم کے جذبات لوگوں کے دلوں میں پروان چڑھ رہے ہیں، ان کی معرفت۔ یہ بھی حکمت میں داخل ہے، کیونکہ اگر آدمی کو اپنے مخاطب کے مزاج کا صحیح علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی نفسیات کیا ہیں،

کس قسم کے جذبات اس کے دل میں ہیں؟ اس وقت تک وہ اپنی بات کو موثر طریقے سے نہیں پہنچا سکتا۔ دوسری چیز، اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے مطابق ہو اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو سکے۔

آج کل جدید لکھنے والوں نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے ''فقہ الواقع'' اس طرح فقہ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں:

① فقہ الدین یعنی اصولِ شریعت اور احکامِ شریعت کی معرفت

② فقہ الواقع یعنی زمین کے حقائق اور واقعات کا صحیح علم۔ جب تک ان کا صحیح علم نہ ہو فقہ الدین کو واقع پر منطبق کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

آپ جانتے ہیں کہ منطق میں ایک صغریٰ ہوتا ہے اور ایک کبریٰ ہوتا ہے۔ کبریٰ ایک کلیہ ہوتا جبکہ صغریٰ ایک جزئیہ ہوتا ہے۔ جب صغریٰ اور کبریٰ دونوں ملتے ہیں تو نتیجہ نکلتا ہے اور نتیجے کے صحیح ہونے کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ کبریٰ صحیح ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ صغریٰ واقع کے مطابق ہو، اگر کبریٰ صحیح لگا دیا مگر صغریٰ واقع کے مطابق نہیں ہے تو نتیجہ بھی واقعے کے مطابق نہیں ہو گا۔ لہٰذا جس طرح کبریٰ کا علم ضروری ہے اسی طرح صغریٰ کا علم بھی ضروری ہے۔ اسی صغریٰ کا دوسرا نام فقہ الواقع ہے۔

جب تک آپ زمینی واقعات سے آگاہ نہیں ہوں گے اس وقت تک اصولِ شریعت کو واقع پر صحیح طریقے سے منطبق نہیں کر سکیں گے۔ کس آدمی کو کس مرحلے پر کس انداز سے متاثر کیا جا سکتا ہے یہ واقع کی بات ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو فرمایا:

”أُدْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ۔۔۔“ الخ[1]

ان کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لیں تو انہیں بتانا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔۔۔الخ

دیکھیے! نمازوں کا فرض ہونا تو ایک حقیقت ہے اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا، لیکن آپ نے تدریجاً یہ بتایا کہ پہلے شہادتین کی دعوت دو، جب وہ قبول کر لیں تو پانچ نمازوں کی بات کرو، پانچ نمازیں قبول کر لیں تو زکوٰۃ کی بات کرو اور دوسرے احکام کی بات کرو۔ حالانکہ اصول تو متیقن ہیں، مگر یہ اس لیے کہ مخاطب کے اوپر ایک دم سے بہت ساری چیزوں کا بوجھ نہ پڑ جائے جس کے نتیجے میں وہ بھاگ جائے۔

چونکہ واقع کا جاننا حکمت کے اندر داخل ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم نے اپنے نصاب میں اس واقع کو بیان کرنے کے لیے بہت سے مضامین شامل کیے ہیں، آپ کو اگر تقابلِ ادیان پڑھایا جا رہا ہے تو درحقیقت وہ واقع کا بیان ہے کہ دوسرے مذاہب میں کیا صورتِ حال ہے، اگر آپ کو انگریزی پڑھائی جا رہی ہے تو وہ اس لیے کی دنیا میں اس کا چلن ہے اور آپ کی بات اس کے ذریعے زیادہ مؤثر ہو سکتی ہے، آپ زیادہ اچھے طریقے سے لوگوں کی ذہنیت کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنی بات کو زیادہ مؤثر طریقے سے پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح جدید

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۰۴(۱۳۹۵) وصحیح مسلم ۱/۵۱(۱۹)۔

فلسفے کی باتیں داخل کی گئی ہیں وہ بھی اس لیے کہ واقع میں لوگوں کے ذہنوں میں جو خیالات پرورش پا رہے ہیں ان کو آپ سمجھیں۔ مختلف فرقوں کا بیان ہے تو وہ بھی اسی میں داخل ہے۔

اپنی بات پہنچانے کا صحیح ڈھنگ آنا بھی ضروری ہے

میں سمجھتا ہوں کہ واقع کے علم کے ساتھ حکمت میں یہ بھی داخل ہے کہ واقع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے مطابق ہو اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو۔

میں نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کا واقعہ جناب مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ان کے ایک صاحب سے دوستی کے تعلقات تھے، ان کی داڑھی نہیں تھی مگر آتے جاتے تھے، ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ایک موقع پر مولانا نے ان سے داڑھی رکھنے کی فرمائش کر دی کہ بھئی آپ داڑھی رکھ لیں، کیونکہ یہ سنت ہے۔ اس نے آنا چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ''میں نے تو کچے توے پر روٹی ڈال دی'' آپ کو معلوم ہے کہ روٹی پکانے کے لیے ضروری ہے کہ توے کو پہلے گرم کیا جائے، اگر توا کچا ہو یعنی گرم نہ ہو تو روٹی پکنے کی بجائے خراب ہو جاتی ہے، تو حضرت کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی کئی مراحل باقی تھے، ان کو پورا کرنا چاہیے تھا، اس کے بعد اسے احکام پر آنے کی دعوت دینی چاہیے تھی لیکن میں نے جلدی سے کام لیا، اس کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔

تو واقع کے علم کے ساتھ ساتھ اس بات کا علم کہ کبریٰ، صغریٰ کے ساتھ مل کر کب نتیجہ نکالے گا، ان دونوں چیزوں کا مجموعہ ''حکمت'' ہے۔

نصاب کے ساتھ عملی مشق

پہلی چیز یعنی واقع کے علم کے لیے یہ سارا نصاب مرتب کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کو مختلف ادیان کا بھی علم ہو، مختلف نظریات اور مذاہب کا بھی علم ہو، لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا بھی علم ہو اور جدید فقہی مسائل اور موجودہ گمراہیوں کا بھی علم ہو اور دو اہم زبانوں عربی اور انگریزی پر بھی عبور ہو۔

جبکہ دوسری چیز یعنی اس کے لیے مناسب وقت کا انتخاب اور اپنی بات پہنچانے کا ڈھنگ۔ یہ کوئی ایسا ریاضی کا فارمولا نہیں کہ دو اور دو چار کی طرح بتا دیا جائے، اس کے لیے عملی تربیت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ہم نے یہ چاہا کہ تبلیغی جماعت کا کام جو الحمد للہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور اس کا فائدہ دوسری جماعتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس میں آپ حضرات حصہ لیں، اس کے ذریعے آپ کو لوگوں تک دینی بات پہنچانے اور اسے مؤثر بنانے کا سلیقہ آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے افراد میں ایک جذبہ اور دھن ہوتی ہے اور دعوت کا کام دھن اور جذبے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”صحیح معنیٰ میں داعی وہ ہے کہ جس کے لیے دعوت بمنزلہ حوائج بشریہ کے ہے“، یعنی جس طرح کوئی شخص بھوکا ہو تو جب تک کھانا کھا نہ لے، چین نہیں آتا، پیاسا ہو تو پانی پیے بغیر چین نہیں آتا، اسی طرح داعی کو دعوت دیے بغیر چین نہیں آتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماضی قریب میں اس کا صحیح مصداق مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ ان کے لیے دعوت بالکل ایسی ہوگئی تھی جیسے حوائج بشریہ ہوتے ہیں۔ اسی دھن کا اثر تھا کہ ایک مرتبہ طوائفوں کے اڈے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر بھی دعوت دی۔

دعوت صرف نظریاتی چیز نہیں

معلوم ہوا کہ دعوت صرف ایک نظریاتی چیز نہیں، بلکہ اس کے لیے دھن اور لگن کی بھی ضرورت ہے۔ ہم نے تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کا جو رشتہ جوڑنے کی کوشش کی تھی، اس کا مقصد دو چیزیں حاصل کرنا تھا:

① دھن اور لگن

② دعوت دینے کا طریقہ اور سلیقہ

لیکن چونکہ اسے اختیاری رکھا گیا، طلبہ پر لازم نہیں کیا گیا، اس لیے اس سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ اب بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ لازمی کیے بغیر آپ حضرات اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس میں باقاعدہ حصہ لیں۔ جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے، اس وقت تک عملی تربیت پوری طرح نہیں ہوگی اور کام ادھورا رہ جائے گا۔

اس بحث کو جانے دیجیے کہ تبلیغی جماعت کے بعض پہلو ایسے ہیں جن پر بعض حضرات کو اشکالات ہیں، بلکہ اس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ جب کسی کام کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی فائدہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ جہاں تک جزوی اشکالات اور اعتراضات کا تعلق ہے تو کون سا ادارہ یا جماعت ایسی ہے جو اس

طرح کے جزوی اشکالات واعتراضات سے محفوظ ہو۔

الحمد للہ ابحیثیت مجموعی اس جماعت سے امت کو بہت فائدہ پہنچا ہے اور یہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے سینے کی آگ ہے، جس کا اثر مشرق ومغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اسے غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

آیت کا دوسرا جزء ہے ''اَلْمَوْعِظَۃُ الْحَسَنَۃُ'' اس کے لیے بھی تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کی تفصیل بھی گذر چکی۔

جدال کے لیے ہتھیار ہونا ضروری ہے

تیسرا جزء ہے ''جِدَال بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ''۔ یہ وہاں ہے جہاں دعوت کو مخاطب نے قبول نہیں کیا، بلکہ وہ بحث ومباحثے پر اتر آیا۔ یعنی حکمت کا بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا، موعظہ حسنہ کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور بات ''جدال'' تک آ ہی گئی، تو شریعت نے یہ کہا کہ تمہاری طرف سے ''جِدَال بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ'' ہونا چاہیے اور جدال کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے پاس اس کے مناسب ہتھیار یعنی علمی دلائل موجود ہوں، اس کے لیے اس نصاب کی ضرورت ہے جس کا ذکر شروع میں ہوا، لیکن ان دلائل کو اندازِ تربیت اور نگرانی چاہیے۔ یہ بھی تربیت کا حصہ ہے کہ آپ کا مخاطب مخالف ومخاصم نہ ہو، اپنی دلیل کو حسنِ اسلوب سے پیش کرنا چاہیے۔ آپ سے علمی مقالات لکھوانا اور درس گاہ میں مختلف موضوعات پر لیکچر دلوانا اسی ''جِدَال بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ'' کی عملی تربیت کا ایک حصہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جن لوگوں نے اس میدان میں کام کیا ہے، ان کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

شعبے سے رابطے میں رہیں

جو حضرات اس سال تکمیل کر رہے ہیں، ان سے میری گزارش یہ ہے کہ چونکہ اس شعبے کا مقصد صرف نصاب پڑھوانا نہیں ہے، بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ یہ شعبہ رفتہ رفتہ ایک عملی تحریک کی شکل اختیار کر جائے، اس لیے فارغ ہونے والے طلبہ اس شعبے سے رابطے میں رہیں، ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی ایسی صورت تجویز کریں کہ اس شعبے کے قدیم فضلاء سے پیہم رابطے کی صورت قائم ہو ان سے مشورہ کرنے یا رہنمائی کرنے کا سلسلہ جاری رہے، لہٰذا جو جہاں رہے، وہ اپنے رابطے کا نمبر اور مکمل پتا شعبے میں درج کروا جائے۔

اس کے کئی فائدے ہوں گے۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ کوئی نئی بات آئے گی تو آپ حضرات کے سامنے آجائے گی، مشورہ بھی ہوتا رہے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ دار العلوم میں مختلف اطراف سے فرمائشیں آتی رہتی ہیں کہ ان کے پاس ایسا مناسب شخص بھیجا جائے تو اس کے لیے بھی آسانی ہوگی۔

جن طلبہ کا ابھی ایک سال باقی ہے، ان سے گزارش یہ ہے کہ جو کچھ ابھی عرض کیا ہے، اس کی روشنی میں اپنے نصاب میں خوب محنت کریں اور تربیت کے لیے جو نظام مرتب کیا گیا ہے، اس میں خوب حصہ لیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے اندر دین کی دعوت کی صلاحیت پیدا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

ایک خوشی کا واقعہ

(ذکر و فکر ص ۱۶۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک خوشی کا واقعہ

قرآنِ کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ آپ ''کتاب'' (یعنی قرآنِ کریم) اور ''حکمت'' کی تعلیم دیں[1]۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل دونوں کے ذریعے امت کو قرآنِ کریم اور حکمت کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال ہی کو اصطلاح میں ''حدیث'' یا ''سنت'' کہا جاتا ہے اور یہ قرآنِ کریم کے بعد شریعت کا دوسرا بڑا ماٰخذ ہے، بلکہ خود قرآنِ کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے بھی ''حدیث'' یا ''سنت'' کی رہنمائی لازمی ہے، اس لیے اس ماٰخذ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

''حدیث'' کی اسی اہمیت کی وجہ سے اس امت نے حدیث کو اپنی صحیح شکل وصورت میں محفوظ رکھنے اور اس کی چھان بین کے لیے عملی میدان میں جو محنتیں کی ہیں اس کی نظیر کسی مذہب وملت میں موجود نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۲۹)۔

احادیث کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے اس امت کے علماء نے ''حدیث'' کے حوالے سے اتنے بہت سے باقاعدہ علوم کی بنیاد ڈالی کہ ان کا صرف تعارف بھی ایک ضخیم کتاب کی وسعت چاہتا ہے، چونکہ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پریس وغیرہ کی سہولیات موجود نہیں تھیں، اس لیے ایک طرف تو احادیث کی نشر و اشاعت میں بڑی مشکلات تھیں اور دوسری طرف اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ جعل ساز قسم کے لوگ غلط باتوں کو حدیث کہہ کر پیش کریں اور واقعۃً بہت سے بدنہاد افراد نے ایسا کیا بھی، اس لیے علمائے امت نے ان مختلف علوم کے ذریعے حدیث کے گرد ایک حفاظتی حصار قائم کر دیا اور وہ لگے بندھے پیمانے وضع کر دیے جن کی روشنی میں کسی حدیث کے اصلی یا جعلی ہونے کا پتا چل سکے۔

اول تو ''احادیث'' کے بارے میں یہ پابندی لگادی گئی کہ کوئی حدیث سند کے بغیر بیان نہیں کی جائے گی، یعنی جو شخص بھی کوئی حدیث بیان کرے (جسے اصطلاح میں ''راوی'' کہتے ہیں) اس کی ذمے داری ہے کہ وہ یہ بتائے کہ یہ حدیث اس کو کس طرح پہنچی؟ جب تک وہ اپنے آپ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام واسطوں کو بیان نہ کرے، اس کی روایت کی ہوئی حدیث قابل اعتماد نہیں سمجھی جائے گی، پھر محدثین کی ایک جماعت نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دیا کہ جتنے لوگ احادیث زبانی یا تحریری طور پر بیان کرتے ہیں، ان سب کی زندگی کا پورا کچا چٹھا جمع کر کے یہ دیکھا کہ وہ اپنی دیانت وامانت، نقل وروایت کی ذمہ داری اور قوتِ حافظہ وغیرہ کے لحاظ سے کتنے قابلِ اعتماد ہیں؟ اس طرح ایک مستقل علم کی بنیاد پڑی جسے ''اسماء الرجال'' کا علم کہا جاتا ہے اور یہ اسی علم کا کرشمہ ہے کہ آج آپ حدیث کی کوئی بھی

کتاب اٹھالیجیے اور اس میں کسی بھی جگہ سے کوئی حدیث نکال لیجیے، اس کی جو مکمل سند مذکور ہوگی، اس میں سے کسی بھی راوی کو چن لیجیے، اس راوی کے وہ تمام حالات آپ کو "اسماء الرجال" کی کتابوں میں مل جائیں گے، جو اس کی روایت کے قابلِ اعتماد یا ناقابلِ اعتماد ہونے پر روشنی ڈال سکتے ہیں، اگر اس کے ایسے حالات معلوم نہ ہوں گے تو کم از کم یہ بات مل جائے گی کہ اسکے حالات معلوم نہیں ہوسکے، ایسے شخص کو "مجہول" یا "مستور" کہا جاتا ہے اور اس کی روایت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔

یہ تو میں نے حدیث کی تحقیق کے صرف ایک رخ کا ذکر کیا ہے، اس طرح کی بہت سی جہتوں سے محدثین نے احادیث کی چھان پھٹک کا کارنامہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے اس طرح انجام دیا ہے کہ اسے صرف آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ جب ایک ہوائی جہاز کسی ایئر پورٹ پر اتر کر کھڑا ہوتا ہے تو عملے کے مختلف گروہ اس پر اپنے اپنے کام شروع کردیتے ہیں، کوئی سیڑھی لگا کر مسافروں کو اتارتا ہے، کوئی لفٹر لگا کر سامان جہاز سے نکالتا اور اسے کنویئر بیلٹ تک پہنچاتا ہے، کوئی تخریب کاری سے جہاز کی حفاظت کے لیے مسلح ہوکر اس کے آس پاس چکر لگانا شروع کردیتا ہے، کوئی جہاز کے پرزوں کی چیکنگ شروع کردیتا ہے، کوئی اس میں آئندہ سفر کے لیے پیٹرول ڈالنا شروع کردیتا ہے، کوئی کیبن کی صفائی پر لگ جاتا ہے، غرض مختلف قسم کے لوگ بیک وقت اپنا اپنا کام کر کے اسے آئندہ سفر کے لیے تیار کردیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب ایک شخص اس دور میں کوئی حدیث روایت کرتا تو محدثین کے مختلف گروہ اس روایت کی سند اور متن پر اپنا اپنا تحقیقی کام شروع کردیتے تھے۔ کچھ لوگ اس روایت کو احادیث کے مجموعوں میں درج کرنے کے لیے اس کی تقسیم (Classification)

کرتے، کچھ لوگ اس کی سند کے ایک ایک راوی کو خوردبین لگا لگا کر چیک کرتے، کچھ لوگ یہ دیکھتے کہ جن اشخاص کی طرف یہ روایت منسوب کی جارہی ہے، تاریخی طور پر ان کی طرف یہ نسبت ممکن بھی ہے یا نہیں؟ کچھ حضرات اس حیثیت سے روایت کا جائزہ لیتے کہ یہی بات کسی اور نے بھی روایت کی ہے یا نہیں؟ اگر کی ہے تو دونوں روایتوں میں کیا فرق ہے؟ کچھ حضرات یہ دیکھتے کہ اسی موضوع پر جو دوسرا مسلّم مواد موجود ہے اس کی روشنی میں یہ روایت کس حد تک قابلِ تسلیم ہوسکتی ہے؟ کچھ حضرات اس قسم کی معلومات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرتے کہ یہ حدیث استناد کے اعتبار سے کس کیٹگری میں داخل ہوتی ہے؟ پھر کچھ حضرات نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کیا ہوا تھا کہ جو ''حدیث'' معتبر ثابت ہو، اس سے فقہی احکام مستنبط کریں اور امت کو یہ بتائیں کہ ''حدیث'' کی روشنی میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے؟ اس غرض کے لیے انہیں ایک موضوع پر روایت کی جانے والی احادیث کا انتہائی گہری نظر سے تقابلی مطالعہ کرنا پڑتا تھا، جو ایک مستقل عرق ریزی کا طالب تھا، غرض محدثین اور فقہاء کے وہ مختلف گروہ ہر حدیث پر اپنے اپنے حصے کا کام کر کے اس کے بارے میں ضروری معلومات مہیا فرمادیتے تھے۔

احادیث کے جو مجموعے ابتدائی صدیوں میں تیار ہوئے، ان میں عموماً یہ تمام معلومات یک جا نہیں تھیں، بلکہ حدیثیں سند کے ساتھ صرف بیان کردی گئی تھیں بعد میں علمائے امت نے مذکورہ تمام معلومات کو ہر ہر متعلقہ حدیث کے تحت یک جا کرنے کے لیے حدیث کے ان مجموعوں کی شرحیں لکھی ہیں، تاکہ جب کوئی شخص حدیث کے ان مجموعوں کا مطالعہ کرے تو وہ ہر حدیث کے ساتھ ہی ساتھ ان تمام معلومات سے بھی مستفید ہوتا جائے، چنانچہ حدیث کے ہر اہم

مجموعے کی مختلف شرحیں مختلف زمانوں میں لکھی جاتی رہی ہیں اور حالات زمانہ کے تغیر سے ان کے مضامین وغیرہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے، اس طرح ''شرحِ حدیث'' ایک مستقل موضوع بن گیا، جس پر ہر زمانے کے علماء اپنے اپنے دور کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق خامہ فرسائی کرتے رہے، چونکہ حدیث کے تمام مجموعوں میں ان چھ کتابوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی جو ''صحاحِ ستہ'' کے نام سے مشہور ہیں، اس لیے زیادہ تر شرحیں انہی چھ کتابوں کی لکھی گئی ہیں۔

آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے ''شرحِ حدیث'' کے اس عظیم کام میں برصغیر پاک وہند کے علماء کو خصوصی امتیاز عطا فرمایا اور گزشتہ دو سو سال میں احادیث کی جتنی شرحیں اس خطے میں لکھی گئی ہیں، عالم اسلام کے کسی دوسرے ملک میں نہیں لکھی گئیں، مصر کے مشہور محدث علامہ سید محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے کہ علمِ حدیث کا مرکز اس زمانے میں برصغیر پاک وہند کی طرف منتقل ہوگیا ہے اور علماء ہند نے احادیث کی شروح پر جو خدمتیں کی ہیں وہ علمِ حدیث کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی دنیا کا کون سا فرد ناواقف ہوگا؟ قیامِ پاکستان کے لیے ان کی گراں قدر خدمات ناقابلِ فراموش ہیں اور انہی خدمات کی وجہ سے قائدِ اعظم مرحوم نے پاکستان کا جھنڈا پہلی بار خود لہرانے کے بجائے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا اور انہی کے ہاتھوں سے مغربی پاکستان میں سبز ہلالی پرچم لہرایا گیا۔ انہوں نے بھی تحریک پاکستان سے پہلے حدیث کی مشہور کتاب ''صحیح مسلم'' کی شرح ''فتح الملہم'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی۔ اس کتاب کی تین جلدیں بڑے سائز پر شائع بھی

ہو چکی تھیں اور انہوں نے دنیا بھر کے اہلِ علم سے خراجِ تحسین بھی حاصل کیا تھا۔ ''صحیح مسلم'' احادیث کے مجموعوں میں ''صحیح بخاری'' کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور اس کی ایک مبسوط شرح کی ضرورت تمام اہلِ علم محسوس کرتے تھے، حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا تو ساری علمی دنیا نے اس پر مسرت کا اظہار کیا۔ چونکہ کتاب کسی ایک خطے کے لیے نہیں، بلکہ پوری اسلامی دنیا کے اہلِ علم کے لیے لکھی جارہی تھی، اس لیے علامہ نے اسے عربی میں لکھا جو پورے عالمِ اسلام کی مشترک علمی زبان ہے، لیکن ابھی علامہ نے ''صحیح مسلم'' کا نصف حصہ بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ ہندوستان میں قیامِ پاکستان کی تحریک شروع ہوگئی اور علامہ نے اپنے آپ کو پاکستان کی خدمت کے لیے وقف کردیا اور شب وروز کی ہنگامہ خیز مصروفیات میں اس کتاب کی تالیف رک گئی، پاکستان بننے کے بعد وہ پاکستان کی تعمیر میں دن رات مصروف رہے، اس لیے یہاں آکر بھی اس کی تکمیل نہ کرسکے، یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں آپ کی وفات ہوگئی اور یہ کام تشنۂ تکمیل رہ گیا، برِّ صغیر کے علاوہ عرب ممالک کے علماء بھی اس اشتیاق اور انتظار میں تھے کہ کوئی اور شخص اس تالیفی منصوبے کی تکمیل کرے، تاکہ یہ عظیم الشان علمی کارنامہ، جس نے ایک بڑے خلا کو پر کیا ہے ادھورا نہ رہ جائے۔

میں نے اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ۱۹۷۶ء میں اس شرح کی تکمیل کا کام شروع کیا تھا، ''تکملہ فتح الملہم'' کے نام سے، اس کی چار ضخیم جلدیں اب تک شائع بھی ہوچکی ہیں، اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر میں بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹا یومیہ اس کام میں صرف کر پاتا تھا اور پے در پے سفروں کی وجہ سے بیچ میں طویل وقفے بھی

آجاتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اٹھارہ سال نو مہینے کے بعد اس ہفتہ (۴؍اگست ۱۹۹۴ء) کو یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، ایک طویل سفر کے مسافر کو منزل پر پہنچ کر جو سرور اور سکون آتا ہے، دل چاہا کہ اپنے قارئین کو بھی اس کی مسرت میں شریک کروں، الحمد للہ اس ''تکملے'' کی چار جلدیں تو پہلے ہی شائع ہو چکی ہیں، پانچویں جلد کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے اور اب وہ پریس جانے والی ہے۔ چھٹی جلد کی کمپوزنگ شروع ہو چکی ہے اور امید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ چند ماہ میں تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل یہ چھ جلدیں مکمل طور سے منظر عام پر آجائیں گی۔

میں نے ''صحیح مسلم شریف'' کے جس حصے کی شرح لکھی ہے، وہ زیادہ تر معاشی، معاشرتی اور سیاسی موضوعات کی احادیث پر مشتمل ہے اور موجودہ دور میں ان میدانوں میں جو نت نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ ان پر تحقیقی اور فکری مباحث اس کتاب میں آجائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث زندگی کے ہر گوشے کے لیے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہیں اور یہ ہر دور کے اہل علم کا کام ہے کہ وہ اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق ان احادیث سے یہ رہنمائی حاصل کر کے امت کو اس سے آگاہ کریں، میں نے اپنی بساط کی حد تک محض اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سہارے اس کتاب کے ذریعے یہ فریضہ ادا کرنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ عالم اسلام کے معروف اہلِ علم ودانش نے اس کوشش کی پذیرائی کی ہے، عالمِ اسلام کے اہلِ قلم اپنے تحقیقی کاموں میں اس کتاب کے حوالے دے رہے ہیں اور اس پر ایسے تبصرے لکھے جا رہے ہیں جو میرے لیے حوصلہ افزائی کا بھی باعث ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمارے ملک کی نیک نامی کا بھی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کاوش کی قبولیت اور امت کے لیے اس کے مفید ہونے کی دعا فرمائیں، آج تقریباً اٹھارہ سال کی محنت کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے شب وروز کے بہترین اوقات وہ تھے جو میں نے خاموشی کے ساتھ اس کتاب کی تیاری پر صرف کیے، امتِ مسلمہ کی ایک اہم علمی ضرورت پوری کرنے کے جذبے کے علاوہ اس میں میرا ذاتی فائدہ صرف اس امید کی صورت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی سنت کے خادموں پر آخرت میں اللہ تعالی کے انعامات کی بارش ہو، تو ان کی کسی آخری صف میں اس خطا کار پر بھی اس بارش کے کچھ چھینٹے پڑ جائیں، قارئین سے اسی دعا کی درخواست ہے۔

۲۹/صفر ۱۴۱۵ھ

۸/اگست ۱۹۹۴ء

درسِ نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ،

امابعد!

ہدایاتِ تدریس
کتبِ درجۂ اولیٰ

میزان الصرف یا علم الصرف

① صرف کے آغاز میں گردانیں یاد کرانا ناگزیر ہے۔ گرادنیں اس طرح یاد ہونی چاہییں کہ وہ خود بخود زبان پر چڑھ جائیں اور کسی جگہ اٹکاؤ یا جھجک باقی نہ رہے۔

② عموماً اساتذہ صرف گردانوں کے رٹوانے پر اکتفا کرلیتے ہیں اور جب طالب علم کو کوئی گردان اچھی طرح حفظ ہوجائے تو آگے منتقل ہوجاتے ہیں اور صیغوں کی شناخت کی طرف توجہ نہیں دیتے، حالانکہ طالب علم کو

گردان کا یاد ہونا جس قدر ضروری ہے، اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ وہ ہر صیغے کو فوراً پہچان کر اس کا صحیح مطلب اور اس کا محلِ استعمال اچھی طرح سمجھ لے، لہٰذا استاذ کے ذمے ضروری ہے کہ وہ گردان یاد کرانے کے بعد مندرجہ ذیل کام کرے اور جب تک ان کاموں کی تکمیل اطمینان بخش طریقے پر نہ ہو، اگلے درس کی طرف منتقل نہ ہو:

(الف) ہر ہر صیغے کے بارے میں یہ پہچان کہ وہ کون سا صیغہ ہے؟ مذکر ہے یا مونث، واحد ہے یا تثنیہ یا جمع؟ اس کے لیے دوطرفہ مشقیں زبانی طور پر کرانی ضروری ہیں، یعنی طالب علم سے مختلف صیغوں کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ وہ کون سا صیغہ ہے؟ مثلاً فَعَلْتَ یا ضَرَبْتَ کون سا صیغہ ہے؟ دوسرے مختلف صیغوں کے نام لے کر وہ صیغے بنوائے جائیں، مثلاً ضَرَبَ سے ماضی کا واحد مونث حاضر وغیرہ۔ دونوں قسم کی مشقیں اتنی کثرت سے کروائی جائیں کہ صیغوں کی یہ دوطرفہ پہچان طالب علم کے ذہن نشین ہوجائے اور ہر طالب علم سے اوسطاً ہر صیغے کے بارے میں متعدد سوالات ہوجائیں۔ اس کام میں اگر ایک دو سبق پورے بھی خرچ ہوجائیں تو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہر صیغے کے صحیح معنی طالب علم کے ذہن نشین ہوں اور ہر صیغہ سنتے ہی اس کے معنی اس کی سمجھ میں آجائیں۔ اس کے لیے بھی دوطرفہ مشقوں کی ضرورت ہے: ایک طرف عربی صیغہ بول کر طالب علم سے اس کے معنی دریافت کیے جائیں اور دوسری طرف اردو بول کر اس کا ترجمہ طالب علم سے کرایا

جائے۔ یہ دوطرفہ مشقیں بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہییں کہ صیغوں کے صحیح معنی اور ان کا صحیح محل استعمال ذہن نشین ہوجائے۔

(ج) میزان میں تمام گردانیں "فعل" کے مادے پر مبنی ہیں اور وہی یاد کرائی جاتی ہیں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے مادوں سے وہی گردانیں طالب علم سے نکلوائی جائیں، مثلاً "أکل"، "قرء"، "فتح"، "سَجد" وغیرہ۔ اوران کے معانی بھی ذہن نشین کرائے جائیں۔

(د) جن مشقوں کا ذکر اوپر (ب) اور (ج) میں کیا گیا ہے، وہ زبانی طور پر کرانے کے علاوہ تحریری طور پر یاد کرانا بھی لازمی ہے، یعنی اردو میں ایسے جملے دیے جائیں، جن کا ترجمہ طلبہ اپنے پڑھے ہوئے افعال کے مختلف صیغے بنا کر کرسکیں، مثلاً مندرجہ ذیل جملوں کا ترجمہ کرایا جائے:

ان عورتوں نے سجدہ کیا۔تم (مردوں) نے کھایا۔ان دوعورتوں نے پڑھا۔ وھکذا۔ان مشقوں میں اس بات کا لحاظ رکھاجائے کہ تمام صیغے استعمال ہوجائیں۔ یہ تمام کام ماضی، مضارع، امرونہی کی تمام گردانوں میں کرائے جائیں۔

۳ تحریری مشقوں میں شروع ہی سے طالب علم کواس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ صاف ستھرے انداز میں سلیقے سے لکھے، جہاں حاشیہ چھوڑنا ضروری ہو، وہاں حاشیہ چھوڑے، سطریں سیدھی رکھے، تحریر اور ترتیب میں توازن ہو۔

۴ جو طالب علم تحریری کام کرکے نہ لائے اور اس کے پاس کوئی معقول

عذر نہ ہو، اس کو مناسب تنبیہ کی جائے۔

⑤ جو طلبہ حافظے یا ذہن کے لحاظ سے کمزور ہوں، انہیں ہر روز کا سبق یاد کرانے کی ذمہ داری جماعت کے ذہین اور اچھے طلبہ پر لگائی جائے اور جن طلبہ سے تمام اس طرح کی کوششوں کے باوجود مایوسی ہوجائے، ان کی رپوٹ ناظم تعلیمات کو کی جائے اور اگر مایوسی حق بجانب ہو تو اس کو تعلیم کے بجائے کسی اور مشغلے میں لگانے کے لیے فارغ کردیا جائے۔

⑥ صَرفِ صغیر میں اگرچہ ہر گردان کا صرف ایک صیغہ طالبِ علم کو یاد کرایا جاتا ہے، لیکن استاذ کو چاہیے کہ وہ اس سے کبھی کبھی اس بحث کی پوری گردان سنے، مثلاً باب استفعال کی صرفِ صغیر میں مضارع کا وہ صرف یستنصر یاد کرے گا، لیکن اس سے یستنصر کی پوری گردان نکلوائی جائے اور پھر اس میں بھی مندرجہ بالا مشقیں جاری کی جائیں۔

⑦ تعلیلات کے بیان میں بھی صرف تعلیلات کے قواعد یاد کرانے کو کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر قاعدے کو بہت سی مثالوں سے سمجھایا جائے اور طالبِ علم سے مختلف مثالوں میں ان قواعد کا اجرا کرایا جائے۔

نحو میر یا علم النحو

اساتذہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لیے علم نحو کی ٹھیک ٹھیک فہم، اس کا مکمل اجرا اور اس کے قواعد کا صحیح استعمال ریڑھ کی ہڈی کی

حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا نحو کی تعلیم پر آنے والے ہر علم و فن کی تحصیل موقوف ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور رہ جائے تو دورۂ حدیث تک کی پوری تعلیم کمزور، بے اثر اور بے ثبات ہوجاتی ہے، اس لیے نحو کے استاذ کی ذمے داری بہت بڑی ذمے داری ہے اور اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ناگزیر اور لازمی ہے:

① نحو کی تعلیم میں اصل مقصد کتاب کی عبارت یاد کرانا نہیں، بلکہ اس میں بیان کردہ قواعد و مسائل کو طالبِ علم کے اس طرح ذہن نشین کرانا ہے کہ متعلقہ موقع پر طالبِ علم کو وہ قاعدہ یا مسئلہ یاد آجائے۔

② زیرِ درس کتاب میں عموماً کسی اصطلاح یا قاعدے کی تشریح کے لیے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن استاذ کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ ہر اصطلاح اور قاعدے کی تشریح کے لیے طلبہ کے سامنے از خود بہت سی مثالیں بیان کرے اور بہتر یہ ہے کہ یہ مثالیں عام گفتگو کے علاوہ قرآنِ کریم سے بھی اخذ کی جائیں، تاکہ قرآنِ کریم سے بھی مناسبت پیدا ہوتی جائے، اس غرض کے لیے استاذ کو چاہیے کہ ''مفتاح القرآن'' کو مستقل اپنے مطالعے میں رکھے۔

③ خود بہت سی مثالیں دینے کو بعد طلبہ سے بھی مثالیں بنوانا اور مختلف مثالیں بول کر طلبہ سے ان کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے، یہ کام زبانی بھی ہونا چاہیے اور تحریری بھی۔

④ اصطلاح یا قاعدے کی محض نظریاتی تفہیم کو ہرگز کافی نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کے عملی اجرا پر زیادہ زور دیا جائے، چنانچہ جب پچھلا سبق طلبہ

سے سنا جائے تو اس میں صرف قاعدہ ہی نہ پوچھا جائے، بلکہ مختلف مثالوں کے ذریعے سوال کرکے اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالبِ علم میں اس قاعدے کو عملی طور پر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟

مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف کا اعراب حالت جری میں فتحہ ہوتا ہے، اب صرف اس سوال پر اکتفا نہ کیا جائے کہ غیر منصرف کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ بلکہ ایسے جملے اردو میں بول کر عربی میں ان کا ترجمہ کرایا جائے، جن میں کوئی غیر منصرف لفظ حالت جری میں آیا ہو یا ایسے عربی جملے بغیر حرکات کے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں، جن میں غیر منصرف لفظ حالت جری میں ہو اور ان پر حرکات لگوائی جائیں یا ایسے غلط جملے طالب علم کو دیے جائیں، جن میں غیر منصرف کا اعراب نہ ہو اور پھر اس سے کہا جائے کہ وہ اسے صحیح کرے۔

⑤ طالب علم جب بھی کوئی غلط جملہ بولے یا غلط پڑھے، اس کو فوراً ٹوک کر جملہ درست کرایا جائے، عام طور سے طلبہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنے، موصوف، صفت اور مبتدا، خبر میں مطابقت نہ کرنے وغیرہ کی غلطیاں شروع سے جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ ان غلطیوں کو کسی بھی قیمت پر گوارہ نہ کیا جائے، بلکہ طالبِ علم سے اصلاح کرائی جائے، تاکہ شروع ہی سے ان غلطیوں سے احتراز کی عادت پڑ جائے۔

⑥ جو قواعد کثیر الاستعمال ہیں، ان پر قلیل الاستعمال قواعد کے مقابلے میں زیادہ زور دیا جائے، سبق سننے کے وقت بھی اور امتحانات میں بھی کثیر الاستعمال قواعد کے بارے میں زیادہ سوالات کیے جائیں، بلکہ قلیل الاستعمال قواعد کے بارے میں بھی بتایا جائے کہ ان کا استعمال کم ہوتا

ہے، مثلاً لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی پانچ ممکنہ وجوہ اعراب میں طالب علم کو بتا دیا جائے کہ راجح اور کثیر الاستعمال کون سی ہے؟

⑦ اسم متمکن کی جو سولہ اقسام کتاب میں مذکور ہیں، ان کو ذہن نشین اور یاد کرانے اور ان کے عملی اجرا پر بہت زور دیا جائے۔ مختلف الفاظ کے بارے میں طلبہ سے پوچھا جاتا رہے کہ یہ اسم متمکن کی کون سی قسم ہے؟ اور اس کا اعراب کیا ہے؟

⑧ طلبہ کو ہر روز یا کم از کم تیسرے دن کوئی نہ کوئی تحریری مشق ضرور دی جائے اور مشقوں کا طریقہ وضع کرنے کے لیے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ "عربی کا معلم، معلم الانشاء" اور "النحو الواضح للابتدائیۃ" کو اپنے مطالعے میں رکھے اور جو بحث پڑھائی گئی ہے، اس کے متعلق ان کتابوں میں دی ہوئی مشقوں میں سے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے مشقیں منتخب کر کے طلبہ کو ان کے تحریری جواب کا پابند بنائے۔

⑨ "مائۃ عامل" کی تعلیم میں ہر عامل کے عمل کو ذہن نشین اور مستحضر کرانے کے لیے مثالوں سے کام لیا جائے اور ان کی بھی زبانی اور تحریری مشقیں کرائی جائیں۔

عربی کا معلم اور طریقۃ جدیدۃ

① "عربی کا معلم" پڑھانے کا مقصد بیک وقت نحو وصرف کا اجرا طالب علم کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا اور عربی تحریر کی بتدریج صلاحیت پیدا کرنا ہے، لہٰذا اس کی تعلیم میں ان تینوں امور کو مدنظر رکھا جائے۔

② ”عربی کا معلم“ کی تمرینات میں ”عربی سے اردو“ والا حصہ زبانی کرانے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے، لیکن ”اردو سے عربی“ والا حصہ لازما تحریری ہونا ضروری ہے، طلبہ کو ان مشقوں کے لکھنے کا پابند بنایا جائے۔

③ ”طریقۃ جدیدۃ“ اور ”الطریقۃ العصریۃ“ کا اصل مقصد ”بطریقِ مباشر“ عربی سکھانا ہے، لہٰذا اسے حتی الامکان عربی ہی میں پڑھایا جائے۔

④ تمام الفاظ طلبہ سے کہلوائے جائیں اور ان میں تلفظ کی صحت کا اہتمام کیا جائے، تلفظ یا لہجے میں بھی اگر کوئی غلطی ہو تو طالبِ علم کو ٹوک کر اس کی اصلاح کرائی جائے۔

⑤ تمام تمرینات پہلے زبانی کرائی جائیں، پھر تحریری ”طریقۃ جدیدۃ“ کی تمرینات کا مقصد یہ ہے کہ عربی الفاظ صحیح تلفظ کے ساتھ طالبِ علم کی زبان پر چڑھیں اور رفتہ رفتہ اس کے عربی بولنے میں روانی پیدا ہوجائے۔ بعض اوقات اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان تمرینات میں سوال ہی کے الفاظ کو طالبِ علم سے دہرانے کی مشق کرائی گئی ہے، جس سے طالبِ علم کے ذہن پر کوئی خاص زور نہیں پڑتا، اس لیے وہ تمرینات کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ طرزِ عمل درست نہیں۔ ان تمرینات سے طالبِ علم کو عربی جملے بولنے کی رفتہ رفتہ عادت پڑ جاتی ہے، لہٰذا وہ بہت ضروری ہے۔

⑥ چونکہ ”طریقۃ جدیدۃ“ اور ”الطریقۃ العصریۃ“ کا اصل مقصد طالبِ علم

کو عربی بولنے کا عادی بنانا ہے، اس لیے ان کتابوں کے درس میں حتیٰ الامکان عربی بولنے کا التزام ضروری ہے۔ اگر طالبِ علم شروع میں پورے جملے نہ سمجھ پائے، تب بھی کچھ حرج نہیں، اس کی وجہ سے عربی میں گفتگو ترک نہ کی جائے، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ وہ عربی الفاظ کے عادی بنتے جائیں گے اور یہ رکاوٹ دور ہونی شروع ہوگی، لیکن اگر نہ سمجھنے کے ڈر سے شروع ہی میں عربی بولنا ترک کر دیا گیا، تو اس درس کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور پھر عربی بولنے کی مشق کبھی نہیں ہو سکے گی۔

کتبِ درجۂ ثانیہ

ہدایۃ النحو

''ہدایۃ النحو'' درس نظامی کے طلبہ کے لیے انتہائی ناگزیر، بے حد مفید اور نہایت اہم کتاب ہے اور اسے نحو کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہیے، علمِ نحو سے جو کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی کتاب میں ہوگی، لہٰذا اس کو پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے:

① اس کتاب کا اصل مقصد یہ ہے کہ نحو کے بنیادی قواعد اور اس علم کا مرکزی ڈھانچہ آسان اور عام فہم انداز میں طالبِ علم کے ذہن نشین ہو جائے اور ساتھ ہی اس میں عربی زبان میں نحو کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

② اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب کے بیان کردہ مسائل کی تفہیم پر اکتفا کرے اور اس کتاب کی شروح، مثلاً ''درایۃ النحو'' وغیرہ میں جو غیر متعلق مباحث مذکور ہیں، ان کو درس میں نہ خود چھیڑے، نہ طلبہ کو چھیڑنے کی اجازت دے۔ یہ نحو کی بنیاد رکھنے کا وقت ہے اور طالبِ علم کی پوری توجہ کتاب کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے اجرا پر مرکوز ہونی ضروری ہے۔ اگر اس کا ذہن خارجی مباحث میں الجھا دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے اور کتاب کے مسائل اور ان کے اجرا پر طالبِ علم کی گرفت کمزور ہوجاتی ہے اور پھر یہ کمی آگے کہیں نہیں پوری ہوتی۔

③ کتاب کے مسائل کو سمجھانے، یاد کرانے اور ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے ان تمام ہدایات کو یہاں بھی مدِ نظر رکھا جائے، جو ''نحو میر'' اور ''علم الصرف'' کی تدریس کے لیے بیان کی گئی ہیں، چنانچہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی تشریح میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ صرف کتاب کی دی ہوئی مثال پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی بہت سی مثالیں اپنی طرف سے سوچ کر طلبہ کو بتائی جائیں، پھر ان سے نئی مثالیں بنوائی جائیں اور کوشش کی جائے کہ مثالیں زیادہ سے زیادہ قرآنِ کریم سے ماخوذ ہوں۔

مثلاً کتاب میں ''ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر'' کی صرف ایک مثال دی گئی ہے، استاذ کو چاہیے کہ وہ قرآنِ کریم سے اس کی آسان مثالیں تلاش کر کے طالبِ علم کے سامنے بیان کرے اور

اس میں متعلقہ قواعد کا اجرا کرائے، مثلاً ''والسماء بنیناھا، والارض فرشناھا، اناکل شیء خلقناہ بقدر، والقمر قدرناہ منازل، والجآنّ خلقناہ من قبل''

⑤ اس کتاب میں بھی زبانی اور تحریری تمرینات کا اسی طرح اہتمام کیا جائے، جیسے نحو میر اور علم الصرف کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

⑥ ان مشقوں کے لیے ''النحو الواضح'' کے مختلف حصوں کو استاذ بالالتزام مطالعے میں رکھے اور جو سبق پڑھائے، اس کو اس کتاب میں پڑھ کر اس کی تمرینات اور اس میں دی ہوئی مثالوں سے استفادہ کرے۔

ترجمہ پارۂ عم

ترجمہ کے اس حصے کو اس درجہ میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ

① روزمرہ پڑھی جانے والی سورتوں کا بنیادی مفہوم طالبِ علم کے ذہن نشین ہوجائے۔

② قرآنِ کریم کی لغات کا ایک معتدبہ ذخیرہ طالبِ علم کو یاد ہوجائے، کیونکہ اس عمر میں یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

③ قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کا سلیقہ پیدا ہو۔

④ نحو، صرف کے قواعد کا اجرا ہو۔

لہٰذا اس حصے کی تدریس میں طویل تفسیری مباحث بیان کرنے کے بجائے صرف لغات کی مختصر تحقیق، راجح ترین تفسیر مع شانِ نزول اور جملوں کی نحوی ترکیب پر اکتفا کیا جائے۔

استاذ کو چاہیے کہ "بیان القرآن" کو مستقل مطالعے میں رکھ کر اس کو اپنا مأخذ بنائے اور تحقیق لغات اور ترکیب کے لیے "روح المعانی" کو ماخذ قرار دے۔

چونکہ ان درجات میں نحوی اور صرفی قواعد کے اجرا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس لیے تدریس کے دوران اس پہلو کو بطورِ خاص ملحوظ رکھے اور جس آیت میں کسی نحوی قاعدے کا اجرا ممکن ہو، وہ خود طالبِ علم سے سوالات کے ذریعے نکلوائے۔

مختصر القدوری

جس طرح "ہدایۃ النحو" علم نحو کی بنیاد ہے، اسی طرح "مختصر القدوری" فقہ حنفی کی بنیاد ہے۔ یہ ایک سلیس، آسان، مختصر، مگر جامع کتاب ہے، جس کی تدریس بڑے اہتمام سے ہونی ضروری ہے اور اس میں مندرجہ ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا چاہیے:

① عبارت ہر طالب علم سے باری باری پڑھوائی جائے اور طلبہ کو پابند کیا جائے کہ وہ مطالعہ کرکے آئیں، عبارت کی کسی ادنیٰ غلطی، یہاں تک کہ تلفظ سے بھی چشم پوشی نہ کی جائے اور عبارت کی درستی کو درس کا اہم حصہ قرار دے کر اس پر وقت صرف ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

② کتاب میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے، صرف اسی کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے پر زور دیا جائے، خارجی مباحث نہ چھیڑے جائیں، البتہ اگر اسی مسئلہ کو سمجھانے کے لیے کچھ تفصیل کی ضرورت ہو یا مفتیٰ بہ قول بیان کرنا ہو تو الگ بات ہے۔

③ مسئلے کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کا سمجھنا

دلیل پر موقوف ہو یا دو مسئلوں میں وجہِ فرق بیان کرنا ضروری ہو، صرف وہاں دلائل ذکر کیے جائیں۔

④ استاذ ''قدوری'' کی شرح میں سے ''جوہرہ'' اور ''لباب'' کو بطور خاص مطالعے میں رکھے اور ضرورت کے وقت ''ہدایہ'' اور اس کی شروح سے بھی مدد لے، لیکن طالبِ علم کو صرف اتنی بات بتائے جو اس کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔

⑤ شروح کے علاوہ استاذ کو چاہیے کہ وہ ''بہشتی زیور'' اور ''امداد الفتاویٰ'' بھی اپنے مطالعے میں رکھے اور ہر سبق میں دیکھ لیا کرے کہ کتاب کا کوئی مسئلہ مفتیٰ بہ قول کے خلاف تو نہیں ہے، اگر خلاف ہو تو مفتیٰ بہ قول بھی بیان کرے۔

⑥ تمام ''فقہی اصطلاحات'' اور ان کا مفہوم ومصداق طالبِ علم کو زبانی یاد کرایا جائے۔ اسی طرح ہر باب سے متعلق بنیادی مسائل اور کثیر الوقوع جزئیات بھی زبانی یاد ہونے چاہییں، البتہ تفصیلات اور تفریعات وغیرہ میں اس بات پر اکتفا کیا جاسکتا ہے کہ طالبِ علم کتاب میں دیکھ کر اس کا مطلب بتا سکے۔

⑦ نماز کے سنن وآداب نہ صرف طالبِ علم کو زبانی یاد کرائے جائیں، بلکہ ان کی عملی مشق کرائی جائے اور طلبہ کو ان عملی غلطیوں اور کوتاہیوں پر متنبہ کیا جائے اور خارج درس بھی ان کے طرزِ عمل کی نگرانی کی جائے۔

⑧ طالبِ علم کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات پیدا کی جائے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے، وہ محض ایک نظریاتی علم یا فن نہیں، بلکہ اس کا مقصد اس کے عمل کی اصلاح ہے۔

زادالطالبین، القرأۃ الراشدۃ اورمعلم الانشاء

ان کتابوں کا مقصد ''عربیت'' کا ذوق اور ادبی جملوں کی فہم پیدا کرنا، نیز ان میں نحو وصرف کے قواعد کا اجرا اور بالآخر خود صحیح عربی جملے بولنے اور لکھنے کی مشق کرنا ہے، لہٰذا ان کتابوں کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفا نہ کیا جائے۔

① ترکیب اور نحوی قواعد کے اجرا کرانے پر زور دیا جائے۔

② نئے الفاظ کے لغوی معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا محل استعمال بتایا جائے اور ان الفاظ کے محلِ استعمال کو بیان کرنے کے لیے از خود مثالیں دی جائیں اور پھر طلبہ سے ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کرایا جائے۔

③ تمام تمرینات زبانی اور تحریری دونوں طریقے سے اہتمام کے ساتھ طلبہ سے یاد کرائی جائیں اور تحریری کام کرکے نہ لانے والے طالبِ علم کو تنبیہ کی جائے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربیت کا ذوق پیدا کرنے میں کتاب سے زیادہ استاذ کو دخل ہوتا ہے، اگر استاذ میں خود ذوق نہیں ہے تو کتاب خواہ کتنی اچھی ہو، طالبِ علم کے اندر ذوق پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے، لہٰذا استاذ کو چاہیے کہ وہ خود ذوقِ عربیت کو ترقی دینے کی فکر کرے، ادبی کتابیں اپنے مطالعے میں رکھے اور خود اپنی تحریر وتقریر کی مشق کو خارج اوقات میں بڑھاتا رہے۔

علم الصیغہ

علم الصیغہ ہمارے نصاب میں صرف کی آخری کتاب ہے، اس میں اہم

ترین حصہ قواعد تعلیلات کا ہے، یہ قواعد اس کے بعد کہیں طالب علم کے سامنے نہیں آئیں گے، لہٰذا ان کو خوب یاد کرا کے ازبر کرا دینا اور ان کا اجرا استاذ کی اہم ترین ذمے داری ہے۔

اس طرح ''خاصیات'' کا بیان پہلی اور آخری مرتبہ صرف ''فصول اکبری'' ہی میں طالبِ علم کے سامنے آئے گا، ان خاصیات کو بھی نہ صرف ذہن نشین، بلکہ اچھی طرح یاد کرنا لازمی ہے۔

تیسیر المنطق، مرقات

ان کتابوں کا مقصد منطق کی اصطلاحات یاد کرانا ہے، اسی نقطۂ نظر سے ان کو پڑھانا چاہیے۔ ہمارے دور میں طلبہ منطق کو ایک خشک اور مشکل مضمون سمجھتے ہیں اور اس سے دل چسپی پیدا نہیں کرتے، اس عدمِ دل چسپی کی بنا پر وہ پہلے ہی قدم پر منطق سے برگشتہ ہو جاتے ہیں اور آگے کی کتابوں میں بھی ان کی استعداد کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

لہٰذا تیسیر المنطق اور مرقات کے استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی اس غلط فہمی کو دور کر کے ان کے ذہنوں میں اس علم کو دل چسپ بنا کر پیش کرے۔ منطق کی اصطلاحات کو روزمرہ کی زندگی کی مثالوں سے سمجھا کر انہیں یہ بتائے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت علم نہیں ہے، بلکہ زندگی کے حقائق کا صحیح ادراک کرنے کے لیے اس کی کتنی ضرورت ہے۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب میں بیان کی ہوئی مثالوں پر اکتفا نہ کرے، بلکہ اپنی طرف سے آسان مثالیں سوچ کر جائے اور طلبہ سے بھی مثالیں نکلوائے۔

کتبِ درجہ ثالثہ

کافیہ

''کافیہ'' علم نحو کی وہ اہم کتاب ہے، جس میں نحو کے اعلیٰ درجے کے مسائل بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کردیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مقصد نحو کے مبادی سے کماحقہ واقفیت کے بعد اس علم کے تفصیلی مسائل کے ذریعے طالبِ علم میں فن کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا اور اس کے ساتھ شواہد کی مدد سے مسائلِ نحو کے استنباط کا سلیقہ سکھانا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں ان مقاصد کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ اس کتاب کا وہ طریقِ تدریس ہے، جس میں سارا زور غیر متعلق چوں چرا پر صرف کردیا جاتا ہے اور اس چوں چرا کی کثرت میں کتاب کے اصل مسائل گم ہوکر رہ جاتے ہیں اور طالبِ علم کی توجہ ٹھیٹھ نحوی مسائل ومباحث کے بجائے اعتراض وجواب کی طرف لگ جاتی ہے، لہٰذا:

① ''کافیہ'' سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ استاذ نفسِ کتاب کی تفہیم پر اکتفا کرے، البتہ تفہیم کا معیار ''ہدایۃ النحو'' سے اتنا بلند ہونا چاہیے کہ عبارت کے فوائد وقیود اور ایک ایک لفظ کا پورا پس منظر طالبِ علم کے سامنے بیان کیا جائے اور مصنف نے مختصر الفاظ میں جو مباحث سموئے ہیں، وہ پوری تفصیل کے ساتھ طالبِ علم کے سامنے آجائیں، لیکن اس کے علاوہ ان فضول عقلی موشگافیوں اور لفظی

مناقشات سے مکمل پرہیز کیا جائے، جن سے براہِ راست نحو کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) ''کافیہ'' کی سب سے بہتر شرح ''رضی''، ''شرح جامی'' اور ''عصام'' کو استاذ اپنے مطالعے میں رکھے، لیکن طالبِ علم کے سامنے ان میں سے صرف وہ منتخب کر کے پیش کرے، جو کتاب سمجھنے کے لیے ضروری ہوں یا جن کا براہِ راست نحو سے تعلق ہو۔ ''تحریر سنبٹ'' اور اس قسم کی دوسری شروح جو محض چوں چرا پر مشتمل ہیں، استاذ چاہے تو اپنی دل چسپی کے لیے مطالعے میں رکھے، لیکن اس قسم کے مباحث نہ طلبہ کے سامنے بیان کرے اور نہ طلبہ کو ایسی شروح دیکھنے کی اجازت دے، مثلاً ''الکلمة لفظ وضع لمعنی'' پر جس طرح عموماً کئی کئی دن خرچ کیے جاتے ہیں، اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس جملے کے مطلب کے علاوہ صرف الف لام کی قسمیں، مفرد کا مطلب اور مفرد کی مختلف وجوہِ اعراب اور ان سے حاصل ہونے والے معانی پر اکتفا کیا جائے، لیکن الف لام کی قسموں کو اتنی مثالوں سے سمجھایا جائے کہ ہر قسم کی پوری شناخت طالبِ علم کے ذہن نشین ہو جائے اور پھر طالبِ علم سے بھی ان مختلف قسموں کی مثالیں نکلوائی جائیں۔

(۳) اس قسم کے مباحث ترک کرنے سے جو وقت بچے گا، اس کو حقیقی استعداد پیدا کرنے میں صرف کیا جائے، چنانچہ کتاب کے مسائل کی خارجی مثالیں اور قرآن وسنت اور کلام عرب سے ان کے شواہد پیش کیے جائیں اور طلبہ سے ایسے فقرے بنوائے جائیں جن میں وہ مسائل جاری ہوں۔

اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ ''کافیہ'' کا استاذ ''النحو الوافی'' کو بالالتزام اپنے مطالعے میں رکھے۔ اس کتاب میں ''کافیہ'' کے معیار کے مسائل کو قرآن وسنت اور کلامِ عرب کے شواہد سے سمجھایا گیا ہے، اسی کتاب میں تمرینات بھی موجود ہیں، ان تمرینات سے مدد لے کر استاذ اپنے طلبہ کے لیے تمرینات خود مرتب کرے، جن کا مقصد ایک طرف یہ ہو کہ کافیہ کے مسائل کا اجرا ہو سکے اور دوسری طرف اس طرح عربیت کا ادبی ذوق بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوتا چلا جائے۔

اور اصل بات یہاں بھی وہی ہے کہ کافیہ سے طالبِ علم کو صحیح فائدہ پہنچنے کا مدار استاذ کے اپنے نحوی اور ادبی ذوق پر ہے، جسے ترقی دینے کی ہر استاذ کو کوشش کرنی چاہیے اور نحو اور ادب کی معیاری کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھنی چاہئیں۔

نفحۃ العرب

اس کتاب کا مقصد ہلکی پھلکی ادبی نثر کے ذریعے رفتہ رفتہ عربی ادب تک طالبِ علم کی رسائی پیدا کرنا ہے، لہٰذا اس کتاب کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا جائے:

① نئے الفاظ کے لغوی اور مستعمل معنی اور افعال کے باب اور اَسماء کے جمع ومفرد کا بیان اور ان کا محلِ استعمال۔

② نئے انداز کے جملوں کی نحوی ترکیب۔

③ قواعدِ نحو وصرف کا اجرا۔

④ نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنے کی مشق۔

⑤ ادب کی ہر کتاب سے یہ مقصد بھی ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ عربی الفاظ اور عربی جملے طلبہ کی زبانوں پر چڑھیں اور عربی بولنے کی جھجک دور ہو، اس غرض کے لیے ہر درس کے آخر میں استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی درس کی حکایت کے بارے میں طلبہ سے عربی میں سوالات کرے اور عربی ہی میں طالبِ علم ان کا جواب دیں۔

کنزالدقائق

''مختصر القدوری'' کے بعد ''کنزالدقائق'' کی فقہ میں وہی حیثیت ہے جو نحو میں ہدایۃ النحو کے بعد کافیہ کی۔ قدوری سے فقہ کے مبادی کا تعارف حاصل ہوتا ہے، لیکن کنز میں فقہی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ دریا بکوزہ کے مصداق جمع ہے، لہٰذا استاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یہ ذخیرہ طالبِ علم کے اس طرح ذہن نشین کرادے کہ کتاب سے استفادے کی صلاحیت طالبِ علم میں پیدا ہوجائے، ہر باب کے بنیادی مسائل اور اصطلاحات اسے اچھی طرح یاد ہوجائیں اور باقی تفصیلات وہ کتاب کی مدد سے سمجھ سکیں۔

کتاب کے حل کے لیے استاذ کو ''عینی شرح کنز'' اور ''کشف الحقائق'' سامنے رکھنا چاہیے اور فقہی تفصیلات جاننے کے لیے ''زیلعی'' اور بوقتِ ضرورت ''البحر الرائق'' کی مراجعت کی جائے۔

اس کتاب میں بھی دلائل طلبہ کے سامنے بیان کرنے کی حاجت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کی صحیح فہم دلیل پر موقوف ہو، وہاں دلیل ضرور بیان کی جائے یا جہاں ایک جیسے مسئلوں کا حکم مختلف ہو وہاں وجہِ فرق ضرور واضح کی جائے۔

اصول الشاشی

یہ اصولِ فقہ کی پہلی کتاب ہے، لیکن بعض دقیق مباحث پر مشتمل ہے، نیز! اس میں قواعد ومسائل سے زیادہ تفریعات پر زور دیا گیا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس کتاب کو شروع کرانے سے پہلے ''اصولِ فقہ'' کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل کوئی چھوٹا سا رسالہ پڑھا دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہر سبق کے شروع میں متعلقہ اصطلاح یا قاعدے کی تشریح اہتمام سے کرائی جائے۔ کتاب میں جو تفریعات بیان کی گئی ہیں، قاعدے پر ان کا انطباق بعض اوقات دقیق ہوتا ہے اور بعض اوقات پر تکلف بھی، لہٰذا شروع میں اس قاعدے کو آسان اور بے تکلف مثالوں پر منطبق کر کے سمجھایا جائے اور طالبِ علم سے مختلف سوالات کے ذریعے انطباق کرایا جائے، اس کے بعد کتاب کی دقیق تفریعات شروع کی جائیں۔

کتاب کی بعض تفریعات ایسی بھی ہیں کہ وہ درحقیقت قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں اور انطباق کے لیے بہت تعسّف سے کام لینا پڑتا ہے ایسے مقامات پر پُرتکلّف تاویلات کرنے کے بجائے حقیقتِ حال طالبِ علم کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ وہ نفسِ قاعدہ کے بارے میں ذہنی الجھن کا شکار رہے گا۔

''اصول الشاشی'' کی تدریس کے دوران اس کی شرح ''فصول الحواشی'' کے علاوہ ''نورالانوار'' بھی مطالعے میں رکھنی چاہیے۔

تفسیر درجہ ثالثہ تا درجہ خامسہ

اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر اور ترجمہ سے طالبِ

علم کو ایسی مناسبت پیدا ہو کہ وہ رفتہ رفتہ تفسیر سے براہِ راست استفادہ کر سکے، لہٰذا ان درجات میں قرآنِ کریم کے ترجمہ کے علاوہ راجح قول کی بنا پر آیات کا شانِ نزول ان کی راجح تفسیر، آیات کی وجوہِ اعراب اور آیات سے مستنبط ہونے والے احکام و آداب کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

اساتذہ کو ان درجات میں "تفسیر روح المعانی"، "تفسیر مظہری"، "تفسیر قرطبی" اور "معارف القرآن" سے بطورِ خاص استفادہ کرنا چاہیے، درجۂ خامسہ میں "تفسیر کبیر" کے منتخب مباحث بھی بیان ہو سکیں تو بہتر ہے۔

کتبِ درجہ رابعہ

شرح جامی

اس کتاب کی تدریس شروع کرنے سے پہلے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "الاقتراح فی اصول النحو" کا خلاصہ تقریروں کی شکل میں بیان کیا جائے۔

شرحِ وقایہ

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ کے سادہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد طالبِ علم فقہائے کرام کے اختلافات اور دلائل سے تعارف حاصل کرے، چنانچہ کتاب میں موجود جو مباحث بیان ہوئے ہیں، ان کی اس طرح تشریح کی جائے کہ طالبِ علم ان دلائل و مباحث کو نہ صرف سمجھ سکے، بلکہ ان مباحث میں قوتِ مطالعہ اس کے اندر پیدا ہو۔

اس کے لیے مناسب ہے کہ استاذ وقتاً فوقتاً طلبہ سے پڑھے ہوئے سبقوں کے بارے میں سوالات کرتا ہے، یہ سوالات نفسِ مسائل کے علاوہ اختلاف اور دلائل کے بارے میں بھی ہونے چاہییں۔

طلبہ کی عبارت کی تصحیح اور نحوی وصرفی قواعد کے اجرا کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہنا چاہیے۔

نورالانوار

یہ اصول فقہ کی پہلی مفصل کتاب ہے جو طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے، کتاب بذاتِ خود نہایت آسان ہے، اس لیے اس کے حل میں کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن استاذ کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ اس کتاب کے ذریعے اصولِ فقہ کی اصطلاحات اور اس کے مسائل ومباحث انضباط کے ساتھ طالبِ علم کے ذہن نشین کرانے ہیں۔اس کتاب میں بھی تفریعات بہت ہیں، لیکن ہر جگہ تفریع کو اصل پر منطبق کرکے اصل کو یاد لایا جاتا رہے، تاکہ تفریعات کی تفصیل میں محو ہوکر طالبِ علم اصل کو فراموش نہ کرے۔

جو اصطلاحات ملتی جلتی ہیں، ان کے درمیان وجوہِ فرق کو اچھی طرح بیان کرکے ذہن نشین کرایا جائے، مثلاً یہ بات کہ ''ظاہر'' اور ''اشارۃ النص'' میں کیا فرق ہے؟ ''نص'' اور ''عبارۃ النص'' میں، نیز ''دلالۃ النص'' اور ''قیاس'' میں کیا فرق ہے؟ ''خاص'' اور ''معرفہ'' میں، نیز ''عام'' اور ''نکرہ'' میں کیا فرق ہے؟ ''عموم مجاز'' اور ''جمع بین الحقیقت والمجاز'' میں کیا فرق ہے؟ ''عام'' اور ''مطلق'' میں اور ''خاص'' اور ''مقید'' میں کیا فرق ہے۔

اس قسم کی باتوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے صرف کتاب کی مثالوں پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ استاذ خود اپنی طرف سے مثالیں سوچ کر جائے، بلکہ قرآن وسنت کی مثالوں کے علاوہ روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی عام گفتگو سے بھی مثالیں دی جائیں۔ طلبہ سے وہ مثالیں نکلوائی جائیں اور مثالیں دے کر طلبہ سے سوال کیا جائے کہ دلالت کی کون سی قسم بنی؟

مقاماتِ حریری

یہ کتاب ایک خاص دور کی ادبی نثر کی نمائندگی کرتی ہے، جس میں ''قافیہ بندی'' اور ''سجع'' کے اہتمام، ''استعارات'' و ''تشبیہات'' کی کثرت اور ''محسنات بدیع'' کے پُرتکلف استعمال کو پسند کیا جاتا تھا، لیکن یہ ذوق ایک خاص دور کا تھا۔ نہ اس دور سے پہلے اس کا رواج تھا، نہ اس کے بعد باقی رہا، لہٰذا اب اس کتاب کی تدریس کا منشا یہ نہیں کہ طلبہ اپنی تحریر وتقریر میں اس اسلوب کی پیروی کریں، بلکہ اس کا منشا ایک تو اس دور کی نثر سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے، دوسرے طالبِ علم کے ذخیرۂ الفاظ کو اتنا بڑھانا ہے کہ اس میں ہر دور کی ادبی نثر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

مقاماتِ حریری کا مسجع اسلوب اگرچہ اب متروک ہوچکا ہے، لیکن اس کا ذخیرہ الفاظ تمام تر متروک نہیں ہوا، چنانچہ مقامات کے بیشتر الفاظ اب بھی اعلیٰ ادبی تحریروں میں مستعمل ہیں، انہی جیسے الفاظ سے جدید مفاہیم کی تعبیریں اور جدید اسالیبِ کلام وجود میں آئے ہیں، اس میں استعمال ہونے والی کہاوتیں آج بھی ادبی تحریروں کی جان ہیں، لہٰذا استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام

امور سے واقف ہو کر یہ کتاب اس طرح پڑھائے کہ اس سے:

① طالبِ علم کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو۔

② اگر وہ لفظ قرآنِ کریم یا کسی مشہور حدیث میں آیا ہے، تو اس کا قرآنی مفہوم معلوم ہو۔

③ اس کو الفاظ کا صحیح محلِ استعمال معلوم ہو۔

④ ان الفاظ کو اگر کسی جدید مفہوم کی تعبیر کے لیے استعمال کیا جارہا ہے تو اس کا علم حاصل ہو۔

⑤ کتاب کی ضرب الامثال کی حقیقت اور ان کا موقع ومحل سمجھ میں آجائے۔

⑥ ایک جیسے الفاظ کے درمیان معانی کا اگر کوئی فرق ہے تو وہ واضح ہو۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے استاذ کو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازماً کرنا چاہیے:

① الفاظ کی لغوی تحقیق میں بہت زیادہ پھیلاؤ سے اجتناب کرے، بعض جگہ معمول یہ ہے کہ لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے اس کے تمام مشتقات اور تمام ابواب کا ذکر ضرور کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبِ علم اس اصل لفظ کے معنی ہی بھول جاتا ہے، لہٰذا لغوی تحقیق میں اس توسع کے بجائے ہر لفظ کے صرف وہ معنی بتائے جائیں جو اس جگہ مراد ہیں۔ اگر وہ فعل یا شبہ فعل ہے تو اس کا باب اور اسی مادے میں مجرد کے ابواب کے اختلاف سے یا صلہ کے استعمال سے کوئی

فرق آتا ہے، تو وہ فرق بیان کیا جائے اور اگر اسم ہے تو مفرد کی جمع اور جمع کا مفرد بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

② لغوی تحقیق میں مذکورہ بالا توسع کے بجائے اس لفظ کا محل استعمال ذہن نشین کرانے پر زور دیا جائے، یعنی یہ بتایا جائے کہ یہ لفظ آج کل مستعمل ہے یا نہیں، اگر مستعمل ہے تو کن معانی میں؟ اس کا حقیقی استعمال کس طرح ہوتا ہے؟ اور مجازی استعمال کس طرح؟ اگر کوئی اسم ہے تو اس کی صفتِ مبالغہ کیا استعمال ہوتی ہے؟ اور پھر ان تمام استعمالات کو خود بھی مثالوں سے سمجھایا جائے اور طلبہ سے بھی اس کی مثالیں بنوائی جائیں۔

③ کتاب کی اردو شرحوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔

کتبِ درجہ خامسہ

ہدایہ اولین و آخرین

اس کتاب کو اگر درسِ نظامی کا حاصل اور علومِ دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، لہٰذا استاذ کو اسی اہمیت کے ساتھ اسے پڑھانا چاہیے۔ کتاب کا مقصد یہ ہے کہ طالبِ علم کو مسائل کے ساتھ ان کے نقلی اور عقلی دلائل اور فقہاء کے مدارکِ استنباط سے واقفیت ہو۔ اس کتاب کی تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازمی ہے:

(۱) عبارتِ کتاب کی تصحیح لازمی ہے۔

(۲) مسئلے کی صورت کا واضح بیان جو خارجی مثالوں سے مصور کر کے ہو تو بہتر ہے اور مسئلے کے حکم کی تفصیل مع اختلافِ فقہاء۔

(۳) مسئلے کے دلائل کی توضیح اور مخالف فقہاء کے دلائل کا جواب۔

(۴) مذکورہ دونوں امور پہلے کتاب سے ہٹ کر طلبہ کو سمجھا دیے جائیں، پھر کتاب سے ترجمہ کر کے اس بحث کی پوری مطابقت کرائی جائے۔

(۵) دلائل کے بیان کے وقت جس قدر ممکن ہو، اصول فقہ کے قواعد کا اجرا کرایا جائے۔

(۶) حل کتاب کے لیے ''عنایہ'' اور ''کفایہ'' کو بنیاد بنایا جائے اور دلائل کی تفصیل کے لیے ''فتح القدیر'' اور ''بنایہ للعینی'' سے مدد لی جائے۔

(۷) اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالبِ علم کو باب سے متعلق اہم اور بنیادی مسائل یاد ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کا امتحان لیا جاتا رہے۔

(۸) کبھی کبھی طلبہ سے دلائل کی تقریر بھی کرائی جائے، تاکہ علمی باتوں کو واضح انداز میں سمجھانے کی عادت پڑے۔

(۹) اس بات کی بطورخاص نگرانی کی جائے کہ ''ہدایہ'' جیسی اہم کتاب کے مطالعے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت طالبِ علم میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں؟

حسامی وقیاس نورالانوار

حسامی کی تدریس کے دوران شروح حسامی کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں استاذ مطالعے میں رکھے اور ان کی مدد سے مباحث کی تشریح کرے:

① توضیح وتلویح ② تسہیل الوصول ③ ارشادالفحول للشوکانی۔

نیز! اُس بات کا اہتمام کیاجائے کہ بات صرف حل کتاب پر ختم نہ ہو، بلکہ طالبِ علم کوعلم اصولِ فقہ سے مناسبت پیداہواوراس کے دقیق مباحث کو نہ صرف سمجھنے، بلکہ انہیں بیان کرنے کا بھی سلیقہ آئے۔

دروس البلاغۃ ومختصر المعانی

علمِ بلاغت پر پورے درس نظامی میں صرف یہ دوکتابیں داخل نصاب ہیں، اس لیے استاذ کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ طالبِ علم اس فن کی جوکچھ معلومات حاصل کرے گا، وہ صرف اسی گھنٹے میں کرے گا۔

''دروس البلاغۃ'' نہایت سلیس، مختصر اورجامع درسی کتاب ہے، جس کے ذریعےعلمِ بلاغت کی تینوں شاخوں (معانی، بیان اور بدیع) کا اچھا تعارف طالبِ علم کو حاصل ہوسکتا ہے۔ کتاب اتنی آسان ہے کہ اس کے حل پر استاذ یا طالبِ علم کوزیادہ محنت صرف نہیں کرنی پڑتی، لہٰذا استاذ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ علم بلاغت سے نظری اور عملی مناسبت پیدا کرنے پر صرف کرے اور اس کا راستہ بھی وہی ہے کہ صرف کتاب میں دی ہوئی مثالوں پر اکتفا کرنے کے بجائے اپنی طرف سے بہت سی مثالیں سوچ کر جائے، طلبہ کے سامنے انہیں بیان کرے اور پھر طلبہ سے نئی نئی مثالیں بنوائے اور بلاغت کی اصطلاحات کی زبانی اورتحریری تمرین کرائے۔

اس غرض کے لیے ''البلاغۃ الواضحہ'' نامی کتاب استاذ کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوسکتی ہے۔ اس میں معانی، بیان اوربدیع تینوں علوم کی

اصطلاحات سے متعلق بے شمار ادبی مثالیں بھی موجود ہیں اور متنوع تمرینات بھی دی گئی ہیں، استاذ ان میں سے انتخاب کر کے تمرینات طلبہ سے کرا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ علمِ بلاغت میں ''مختصر المعانی'' سے طالبِ علم کو کوئی عملی فائدہ حاصل ہونا مشکل ہے، اس لیے بلاغت کے ساتھ عملی مناسبت ''دروس البلاغۃ'' ہی میں کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

دیوان المتنبی

یہ کتاب شعراءِ مولدین کے زمانے کی شاعری کا نمونہ پیش کرنے کے لیے نصاب میں رکھی گئی ہے۔ اس کی تدریس میں ان تمام امور کا اہتمام کیا جائے جو مقاماتِ حریری کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں مزید باتیں یہ ہیں:

① اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ طلبہ کو شعر پڑھنے کا صحیح طریقہ آئے، جو طلبہ شعر کو پڑھتے وقت اسے وزن سے خارج کر دیتے ہیں، انہیں اس غلطی پر ہمیشہ ٹوک کر اصلاح کی جائے۔

② حکمت پر مبنی اشعار زبانی یاد کرائے جائیں۔

③ ترکیب کے اختلاف سے معانی میں تبدیلی کی نشان دہی کی جائے۔

④ اشعار میں جو ''محسنات'' بدیع آتے ہیں، ان کی نشان دہی کی جائے۔

⑤ بلاغت کے دوسرے نکات بھی واضح کیے جائیں۔

⑥ کتاب کے اردو ترجموں اور شرحوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔

علم وعمل
اور
صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت

(خطباتِ دورۂ ہند ص ۴۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم و عمل
اور
صحبت اہل اللہ کی ضرورت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (۱)

آمنت باللّٰه صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

محترم علماءِ کرام!

واقعہ یہ ہے اس وقت اپنے جذبات کے اظہار کے لیے میرے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں، آج ایک عرصۂ دراز کی تمناؤں کے بعد آپ حضرات کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ عرصۂ دراز سے خواہش بھی تھی اور کوشش بھی کہ اس خطۂ زمین میں بذاتِ خود حاضری دوں مگر اس کا موقع نہ مل سکا، میں اللہ تعالیٰ کے بعد بہت ممنون ہوں اپنے بھائی حاجی فاروق احمد صاحب کا، جو کئی سال سے یہ کوشش کر رہے تھے اور اصرار بھی کرتے رہے، تو یہ خواب آج پورا ہوا، حقیقت یہ ہے کہ جس خلوص، گرم جوشی اور اخلاص کے ساتھ آپ حضرات نے مجھ ناکارہ کے ساتھ معاملہ فرمایا، میں اس احسان کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دنیا اور آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ اس وقت علمائے کرام سے خطاب کرنا ہے، اور اسی مناسبت سے موضوع بھی دیا گیا ہے۔ میں یہ بات یہاں پر بغیر کسی تصنع وتکلف کے عرض

(۱) سورۃ الزمر آیت (۹)۔

کردوں کہ علمائے کرام سے بات کرنے میں مجھے تامّل ہوتا ہے، میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ علمائے کرام کو اللہ نے بڑا مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور مجھ جیسا طالبِ علم ان کو کیا نصیحت کرے۔ علمائے کرام کو نصیحت کرنے کو تو میں اپنی حیثیت سے بلند پاتا ہوں۔

علماء سے خطاب نہیں، بلکہ مذاکرہ

آپ حضرات جانتے ہیں برِصغیر کے سارے مدارس میں یہ طریقۂ کار چلا آرہا ہے کہ طلبہ استاذ سے پڑھ کر آتے ہیں، اور آپس میں بیٹھ کر استاذ کی پڑھی ہوئی باتوں کا تکرار کرتے ہیں تو جو طالبِ علم تکرار کراتا ہے وہ باقی طالب علموں کا استاذ نہیں بن جاتا بلکہ ساتھی کا ساتھی ہی رہتا ہے، اس کو "تکرار" کہتے ہیں، مگر بعض مرتبہ تکرار کا غلط معنی بھی لیا جاتا ہے، جب لڑائی جھگڑا ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے اس کے ساتھ میری تکرار ہوگئی یعنی اس کے ساتھ جھگڑا ہوگیا، جب کبھی دینی مدارس سے ہٹ کر یہ بات کہی جاتی ہے کہ طلبہ تکرار کررہے ہیں تو لوگ ڈر جاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ طلبہ لڑ رہے ہیں، لیکن دینی مدارس کے عام ماحول میں تکرار مذاکرے کو کہتے ہیں، تو جب کبھی علمائے کرام سے خطاب ہوتا ہے تو میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ میں اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی باتوں کا تکرار کرارہا ہوں، وہ میرے بھی اساتذہ ہیں، اور آپ کے بھی اساتذہ ہیں، تو ان سے جو باتیں میں نے سنی ہیں، وہ بطورِ تکرار پیش کردیتا ہوں، تاکہ وہ مجھے بھی یاد رہیں اور آپ کو بھی۔ اللہ مجھے صحیح طریقہ سے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خود کو عالم کہنا

چند باتیں ہیں جو کسی خاص ترتیب کے بغیر متفرق طور سے آپ حضرات کی خدمت میں بطورِ تکرار کے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کل لوگوں میں یہ وبا پھیل گئی ہے کہ خود اپنے آپ کو عالم کہنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات یہ کلمات زبان پر آتے ہیں کہ میں عالم ہوں۔ بعض اوقات یہ بات آتی ہے کہ ہم چند علماء نے بیٹھ کر یہ کام کیا، تو گویا کسی نہ کسی حد تک اپنے آپ کو علماء کی صف میں شمار کرلیا۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عالم ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ اگر ہم صحیح معنوں میں طالبِ علم بن جائیں تو یہ بھی بہت اونچی نعمت ہے۔

ساری زندگی طالبِ علم ہی فرماتے رہے

میں نے اپنے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی قدس سرہٗ سے سنا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کے بھروسے پر یہ کہتا ہوں کہ ساری دنیا کے عقلا جمع ہوکر آجائیں اور شریعتِ اسلامیہ کے کسی بھی ایک مسئلے پر بڑے سے بڑا اشکال کریں، تو ان شاء اللہ، اللہ کے بھروسے پر دو منٹ میں لا جواب کرسکتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں تو ادنیٰ طالبِ علم ہوں، علمائے کرام کی تو بڑی شان ہے۔ تو گویا ساری زندگی اپنے آپ کو طالبِ علم ہی فرماتے رہے۔ کبھی اپنے آپ کو عالم نہیں کہا۔

کیا تم نے کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو پہلی صدی کے تابعی ہیں، محدث ہیں، فقیہ ہیں، ولی اللہ ہیں، اولیائے کرام کا شجرہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملتا ہے۔ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو آواز دی اور یا فقیہ! کہہ کر پکارا، تو جواب نہیں دیا، سوچا کہ یہ تو کسی فقیہ کو پکار رہا ہے، مجھے تو نہیں پکار رہا ہے۔ اس نے دوبارہ سہ بارہ پکارا، جواب نہیں دیا، پھر قریب آکر کہا کہ میں آپ سے خطاب کر رہا ہوں یا فقیہ! تو آپ نے پوچھا ''أَوَهَلْ رَأَيْتَ فَقِيهًا؟'' کیا تو نے کبھی کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے کہ تو مجھے فقیہ کہہ کر خطاب کر رہا ہے؟ پھر فرمایا ''إِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا وَالرَّاغِبُ إِلَى الْآخِرَةِ'' فقیہ تو وہ ہے جو دنیا کی رغبت نہ رکھتا ہو اور آخرت کی فکر میں رہتا ہو۔ تو وہ خود کو فقیہ نہ سمجھتے تھے، جو کوئی ان سے اس طرح خطاب کرتا، تو اس پر اعتراض کرتے تھے[1]۔ تو ہمارے سارے اسلاف کا معمول رہا کہ ساری زندگی اپنے آپ کو طالبِ علم ہی سمجھتے رہے۔

طالبِ علم کی تعریف

پھر میں نے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرمایا بتاؤ طالبِ علم کی تعریف کیا ہے؟ طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ تم سمجھتے ہو کہ طالبِ علم وہ ہے جس نے کسی مدرسہ میں داخل ہو کر اپنا نام رجسٹرڈ کرا لیا اور مدرسہ میں داخل ہو گیا۔ اس کو طالبِ علم کہتے ہیں فرمایا نہیں! محض اس سے طالبِ علم نہیں ہوتا۔ طالبِ علم وہ ہے

(۱) الزہد والرقائق لابن المبارک: ۸/۲ طبع دار الکتب العلمیہ۔

جس میں علم کی طلب ہو۔ علم کی طلب کا معنی یہ ہے کہ نہ مٹنے والی پیاس، نہ مٹنے والی بھوک، جب تک آدمی بھوکا ہو کھانا نہ کھالے چین نہیں آتا، پیاسا ہو پانی نہ پی لے چین نہیں آتا۔ طالبِ علم وہ ہے جس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو جب تک وہ مسئلہ حل نہ ہو جائے اس کو چین نہ آئے۔ یہ جو مقولہ مشہور ہے:

"طَلَبُ العِلْمِ مِنَ المَهْدِ إِلَى اللَّحَدِ"

لوگ اس کو حدیث کے طور پر بیان کرتے ہیں لیکن یہ حدیث نہیں ہے بلکہ مقولہ ہے، اور بالکل صحیح ہے کہ علم کی طلب ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے اور قبر تک جاتی ہے۔

وفات کے وقت تک علم کی تحقیق

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ آپ نے سنا ہوگا کہ وہ بسترِ مرگ پر ہیں اور شدید بیمار ہیں، اس حالت میں ایک شاگرد عیادت کے لیے جاتا ہے۔ بیمار پرسی کرتا ہے اور جا کر حال پوچھتا ہے، تو حال بتانے کے بعد فوراً پوچھتے ہیں کہ حج میں رمی جمرات سوار ہو کر کرنا افضل ہے یا پیدل؟ یہ مسئلہ اس عیادت کرنے والے شاگرد سے پوچھ رہے ہیں، تو شاگرد کہتے ہیں حضرت پیدل کرنا افضل ہوگا، اس میں مشقت زیادہ ہے فرمایا نہیں! پھر انہوں نے کہا سوار ہو کر کرنا افضل ہوگا۔ فرمایا نہیں، پھر حضرت ہی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: پہلے دن کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے، اس لیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر کی تھی، اور آخری دو دنوں میں پیدل چل کر کرنا افضل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل چل کر کی تھی۔ شاگرد کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ سن کر جب میں باہر نکلا، چند قدم چلا تھا،

تو گھر سے رونے کی آواز آئی تو پتہ چلا کہ حضرت کی روح پرواز کرگئی[1]۔ تو وفات سے چند لمحے پہلے تک دل و دماغ کسی علمی تحقیق میں لگا ہوا ہے۔ یہ ہے ”طَلَبُ الْعِلْمِ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ“۔

آخری وقت تک علمی مشغلہ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے، جن کے فتاویٰ سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں، ان فتاوٰی کی اب تک دس جلدیں چھپ چکی ہیں۔ میں نے اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو ہاتھ میں ایک استفتا تھا اور اس کو پڑھ رہے تھے، اسی میں روح پرواز کرگئی، اور وہ پرچہ سینہ پر آکر گرگیا۔ تو آخری وقت تک علمی مشغلہ اور علمی طلب جاری ہے۔ یہ ہوتا ہے طالبِ علم! کہ وہ ہر آن، ہر لحہ کسی نہ کسی علمی بھوک و پیاس میں لگا رہے، جب تک حل نہ ہو چین نہ آئے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی اضافۂ علم کے لیے دعا کی ہدایت

میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائیو! آج ہم علم کو ایک حد تک محدود کرکے بیٹھ گئے ہیں ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرص کی بڑی ممانعت بیان فرمائی ہے کہ

[1] بدائع الصنائع: ۱۵۸/۲ طبع: دار الکتب العلمیہ۔

حرص مت کرو۔ اور فرمایا کہ

"مَنۡهُوۡمَانِ لَا يَشۡبَعَانِ"(۱)

دو بھوکے ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا، ان میں ایک علم کا بھوکا ہے کہ یہ مجھے حاصل ہوجائے اور وہ مجھے حاصل ہوجائے۔ یہ حرص وبھوک محمود ہے، یہ قابلِ تعریف ہے، اور طالبِ علم کا مقصودِ حیات ہے۔ یہاں تک کہ حضورِ اکرم ﷺ جو کہ ظاہر وباطن، اولین وآخرین کا علم رکھنے والے ہیں، آپ سے زیادہ کسی کا علم نہیں ہوسکتا، لیکن پھر بھی آپ کو بھی ہدایت دی جارہی ہے:

وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا (۲)

آپ کہیں کہ اے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

تو علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، یہ ایک ایسی منزل ہے کہ سارا دن چلتا رہے، ساری عمر چلتا رہے، تب بھی وہ منزل حاصل نہیں ہوسکتی۔ علم کے راستے میں تو چلنا ہی چلنا ہے، تھکنا ہی تھکنا ہے، طالبِ علم وہ ہے جو طلبِ علم میں جتنا بھی آگے بڑھتا چلا جائے اس کو کسی جگہ قرار نہیں آتا۔

---

(۱) المعجم الکبیر ۱۸۰/۱۰ (۱۰۳۸۸) ومسند الشاشی ۱٤٦/۲ (٦۹۲) طبع مکتبة العلوم والحکم. والحدیث ذکره السخاوی فی "المقاصد" ص ٦۷۸ (۱۲۰٦) بطرق عدیدة وقال: وهی وان کانت مفرداتها ضعیفة، فمجموعها تقوی، وقد قال البزار عقب حدیث ابن عباس: إنه لا یعلمه یروی من وجه احسن من هذا.

(۲) سورة طه آیت (۱۱٤)۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شوقِ مطالعہ و حافظہ

میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الحمد للہ! ہمیں کچھ علم کے طلب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آنکھوں سے دکھا دیا اور امام العصر علامہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دی کہ اتنا مطالعہ کا شوق تھا کہ ایک مرتبہ بخاری یا ترمذی کے درس میں ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدیر کی عبارت لفظ بہ لفظ ایسے پڑھتے چلے گئے جیسے قرآن پڑھتے ہیں۔ روانی کے ساتھ لمبی لمبی عبارتیں پڑھتے چلے جارہے تھے۔ جب طلبہ کو حیرت ہوئی کہ یہ تو فتح القدیر کی عبارت ایسے سنا رہے ہیں جیسے سورۂ فاتحہ سنا رہے ہیں تو طلبہ نے پوچھ ہی لیا تو فرمایا جاہلین! اور "جاہلین" طلبا سے خطاب کرتے ہوئے بے تکلفی میں فرمایا کرتے تھے، کیا تم سمجھتے ہو کہ رات یاد کرکے آیا ہوں بلکہ چند سال پہلے رمضان میں ٹونک جانا ہوا تو وہاں کوئی کتاب دیکھنے کا شوق ہوا تو پوچھا کہ کوئی کتاب ہے، تو بتایا گیا کہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدیر ہے، تو اس وقت اور کوئی کتاب نہیں تھی، تو میں نے شروع سے آخر تک ایک ہی وقت میں وہ پڑھ لی، یہ اسی وقت کی پڑھی ہوئی عبارت ہے، اُس وقت پڑھا تھا جو اِس وقت میں آپ کو سنا رہا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حضرات کو ایسا مطالعہ کا شوق عطا فرمایا تھا۔

یہ بھی تو ایک بیماری ہے

والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ دیوبند میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت شاہ صاحب کا آخری شب میں انتقال ہوگیا، ہم دوڑے حضرت کے گھر پہنچے تو گھر کے باہر اور لوگ بھی تھے۔ معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ جب گھر میں عیادت

کے لیے پہنچے تو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی دن کی روشنی زیادہ پھیلی نہ تھی، حضرت کسی کتاب کو پڑھنا چاہتے تھے اور نیچے جھک کر کتاب کی طرف آنکھ لگائی ہوئی تھی۔ خیر ہم نے حضرت سے خیریت معلوم کی اور بیٹھ گئے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے ہمارے بہت سارے مسئلے حل کیے ہیں، لیکن ایک مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔ ہمیں بتا دیجیے۔ پوچھا کہ کیا ہے؟ کہا کہ آخر ایسا کون سا مسئلہ ایسا ہے جو ابھی تک آپ کے مطالعے میں نہیں آیا، حالانکہ آپ نے ساری زندگی مطالعے میں گزار دی۔ اور اب فوری ایسا کیا مسئلہ پیش آ گیا کہ آپ اس حالت میں اس کو تلاش کرنے لگے ہیں۔ اگر مسئلہ پیش بھی آ گیا تو آپ کے شاگرد کہاں مر گئے تھے کہ بیماری کی حالت میں کسی شاگرد ہی کو فرما دیتے کہ یہ مسئلہ دیکھ کر مجھے بتا دو، یہ آپ اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں کہ اندھیرے میں صحیح نظر نہیں آ رہا آپ پھر بھی نظر لگا کر دیکھ رہے ہیں، آپ کو ایسی کیا ضرورت ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے سر اٹھا کر بڑی معصومیت سے کہا کہ ٹھیک ہے بھائی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے مگر کیا کروں "یہ بھی تو ایک بیماری ہے"۔

علمی کبر کب پیدا ہوتا ہے

تو پہلی بات یہ کہ ہم طالبِ علم بن کر رہیں، اور طلب نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی تھوڑی سی چیز پر قناعت کر کے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، ایسا علم کبر، تکبر، حبِّ جاہ اور حبِّ مال پیدا کرتا ہے، مگر جو آدمی ہر آن اپنے آپ کو طالبِ علم سمجھ رہا ہو، تو کبر اور عُجب اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس واسطے کہ وہ تو جانتا ہے کہ طالبِ علم ہوں۔ اور کبر ایسی بڑی بیماری ہے، جو حق کو

قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس کی وجہ سے انسان سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوں، دوسروں کی بات کیوں سنوں، میں تو خود نصیحت کرنے کے لائق ہوں، میں کیوں نصیحت سنوں؟ جب یہ بات آجاتی ہے تو حق کو قبول کرنے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ آج ہم نے چند باتوں کے حاصل کرنے کے بعد علم کے دروازے بند کر لیے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرں کی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمارے اندر علم کی صحیح طلب پیدا فرمائے۔ آمین

حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا برصغیر پر احسان

آپ برِصغیر کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچیے کہ ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان پر تمام تر تسلّط معقولی علم یعنی معقولات کا تھا۔ منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ کا غلبہ تھا، علم اسی کو سمجھتے تھے، قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حدیث کے تحفظ و روایت کے لیے قابلِ ذکر انتظام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا، انہوں نے اپنے زمانے میں ہندوستان سے حجاز کا سفر کیا، اس زمانے میں ہوائی جہاز کا سفر نہ تھا، بلکہ بہت لمبا سفر، گویا اپنے آپ کو موت کے جھونکے میں ڈالنے کا سفر تھا۔ لوگ اپنے گھر والوں کو وصیت وغیرہ کا انتظام کر کے کشتی پر سوار ہوتے تھے، کہیں ہوا کا رخ بدلا، تو کئی کئی دن پانی میں گزر جاتے۔ تو اس زمانے میں انھوں نے یہ سفر کیا۔ کس لیے سفر کیا؟ کہ برصغیر کا یہ علاقہ نورِ نبوت سے محروم ہے۔ یہاں سے سفر کر کے علامہ ابو طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ اور حجاز کے دیگر علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ آج پورا ہندوستان اور پورا برصغیر اگر نورِ نبوت سے جگمگا رہا ہے تو وہ تنہا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

وثمرہ ہے اور ان ہی کی قربانی ہے۔ یہی علم کی طلب انھیں وہاں لے گئی، ورنہ یہاں لوگ منطق، فلسفہ اور دوسرے علوم کو ہی علوم سمجھے ہوئے تھے۔ اور عالم اسی کو سمجھتے تھے جو معقولات کا امام ہو۔ قرآن و حدیث کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذریعے یہ کام لیا۔

بغیر عمل کے تنہا علم جسدِ بے روح ہے

طلبِ علم میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ "علم" کے معنی ہیں جاننا، اور علم اصل میں وہ ہے جو قرآن و حدیث کا علم ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کا مظہر ہو۔ وہ ہے حقیقی علم، آپ نے حدیث سنی ہے علم تین طرح کے ہیں:

"وَمَا سِوَى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ"(۱)

لیکن دو چیزیں ہیں جو اس علم کے اندر کے داخل ہیں۔ وہ علم کا ایک لازمی حصہ ہیں۔

پہلی چیز یہ کہ علم صرف جان لینے کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی میں اتار لینے کا نام ہے، جب تک اس علم کو زندگی میں اتارا نہ جائے وہ علم بے روح اور بے جان ہے۔ جان لیا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے، لیکن جب نماز پڑھی تو اس طرح نہیں پڑھی جس طرح پڑھنی تھی جو کہ علم کا تقاضا تھا۔ علم جب تک مقرون بالعمل نہ ہو تو

---

(۱) سنن ابی داود ۱۱۱/۳ (۲۸۸۵) وسنن ابن ماجه ۸۰/۱ (۵٤) وقال المنذری فی "مختصره" ۲۸۳/۲ (۲۷٦۵)، واخرجه ابن ماجه وفی اسناده عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی وهو اول مولود بافریقیه ولد فی الاسلام وولی القضاء بها، وقد تکلم فیه غیر واحد وفیه ایضا عبد الرحمن بن رافع التنوخی قاضی افریقیه وقد غمزه البخاری وابن ابی حاتم.

وہ بے جان ہے، بے روح جسم ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ

"نَادَی الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ أَجَابَهُ وَإِلَّا ارْتَحَلَ"

علم وعمل دو بھائی ہیں۔ جب علم آتا ہے تو وہ اپنے بھائی کو آواز دیتا ہے تم بھی آؤ، اگر عمل آگیا تو ٹھیک ورنہ وہ کوچ کر جاتا ہے۔ تنہا علم کوئی فضیلت کی چیز نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

ابلیس عاشق نہیں تھا

والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم اگر مدارِ فضیلت ہوتا تو ابلیس سب سے بڑا افضل ہوتا۔ کیوں وہ بہت بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو آخری وقت اپنے دلائل سے شکست دے گیا۔ مشہور واقعہ ہے۔ درمیان میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آگئی کہ ابلیس میں تین عین تھے، ایک عالم کا عین، دوسرا عابد کا عین کہ ایک زمانہ عبادت کرتا رہا اور تیسرا عاقل کا عین کہ اللہ کے سامنے آدم علیہ السلام کے خلاف دلائل پیش کیے، لیکن ایک عین کی کمی تھی اور وہ عاشق کا عین ہے۔ اگر عاشق ہوتا، تو اپنے علم وعقل کو چھوڑ کر اپنے مالک کا کہا مانتا، جب میرا مالک کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے، تو میں تیار ہوں، لہٰذا عبادت محبت کے ساتھ ہو، عشق کے ساتھ ہو، اللہ کی رضا جوئی کی خاطر ہو۔ ریاکاری، نام ونمود، حبِّ جاہ، حبِّ مال کی خاطر نہ ہو۔ تب تو وہ عمل اللہ کے یہاں مقبول ہے، لیکن جس عمل میں شیطان نے حسد، ریا، حبِ جاہ و مال اور کبر داخل کردیا ہو تو وہ عمل بے وزن ہے۔ تو علم عمل کو چاہتا ہے۔ اور عمل عشق کو چاہتا ہے جب تک عمل کے ساتھ عشق نہیں ملے گا۔ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں۔

عشق حاصل کرنے کا طریقہ

عشق حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں ہمارے اور آپ کے لیے تجویز فرمایا کہ ''اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ'' ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جن پر اللہ نے انعام کیا اور اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ سے مراد ''مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ''[1] ہے، ہمارے دین کا شروع سے یہ مزاج چلا ہے کہ یہ دو چیزوں کو لے کر چلتا ہے ایک کتاب اللہ اور ایک رجال اللہ، یہ دو سلسلے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے چلایا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ بھی ضروری ہے، ورنہ گمراہی ہے۔ تو پہلی صدی سے لے کر آج تک جو طریقہ ہمارے یہاں متوارث چلا آرہا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے تزکیے کے لیے کسی اللہ والے سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اس سے اپنے باطن کی اصلاح کرنے کے بعد وہ عمل صحیح معنوں میں عمل بنتا ہے۔ روح والا عمل، عشق والا عمل، محبت والا عمل، اس کے بغیر وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں اور یہ چیز عادتاً محض کتاب پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک سب نے بلا استثنا تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی نہ کسی اللہ والے سے رجوع کیا، تاکہ اخلاقِ باطنہ کو درست کریں۔ تو دیکھیے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا جبلِ علم، گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ابوحنیفۂ عصر، یہ حضرات ایسے شخص کے پاس جارہے ہیں، یعنی

(۱) سورۃ النساء آیت (۶۹)۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس، جو ضابطے کے اعتبار سے درسِ نظامی بھی پورے پڑھے ہوئے نہیں تھے۔

عالم اور عاشق کی مثال

کسی نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو چاہیے تھا کہ وہ آپ کے پاس آتے۔ وہ عالم نہیں تھے آپ کیسے چلے گئے؟ کہا دیکھو! اس کی مثال یہ سمجھو کہ بادام کی تاریخ پر کسی نے زمین وآسمان کی قلابیں ملائیں، اس کے خواص وفائدہ بھی جانتا ہے کہ کہاں پیدا ہوتا ہے؟ وہ بادام پر سو صفحے کی تاریخ بھی لکھ دے اور مفصّل مقالہ لکھنے کے بعد اس سے پوچھا جائے کہ آپ نے کبھی بادام کھایا بھی ہے؟ تو وہ جواب میں کہے کہ کبھی کھایا نہیں۔ ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کو پتا نہیں کہ بادام کی خاصیت کیا ہے؟ تعریف کیا ہے؟ تاریخ کیا ہے؟ لیکن روز صبح کو اٹھ کر بادام کھاتا ہے، تو بتاؤ کہ کون افضل ہے؟ جو تعریفات جانتا ہو یا وہ جو صرف کھاتا ہو، تو ظاہر بات ہے کہ جو کھاتا ہے وہی افضل ہے۔ یہی حال ہمارا ہے کہ ہم نے سارا دین، فلسفہ، جغرافیہ، حاصل کر لیا، لیکن ہم یہ سارا دین اپنی زندگی میں کیسے لائیں؟ ابھی تک پتا نہیں تھا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، تو انھوں نے بادام اٹھا کے منہ میں رکھ دیا کہ کھاؤ۔ تو الحمد للہ اس کا مقصد حاصل ہوا، تو بغیر صحبت کے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ والوں کے ساتھ چند لمحوں کی صحبت یہ سالہا سال کی طاعت سے بہتر ہے۔ اس رُخ کو اللہ کی طرف موڑ دینے سے ساری عبادات کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ چیز آج کل ہمارے اندر مفقود ہورہی ہے، اور اب یہ سلسلہ ختم ہورہا ہے، لیکن یاد رکھیے! جب تک ہماری اصلاح نہیں ہوتی، علم کا کبر اور علم کا خناس ہمارے دماغ سے نہیں نکلتا۔ اس کے نتیجے میں طلبِ علم میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اسی لیے کسی اللہ والے کی صحبت اور اس کے آگے اپنے آپ کو پامال کرنا علم کا لازمی حصہ ہے، اور اسی سے علم کی روح حاصل ہوتی ہے نیز عمل کے اندر جان پیدا ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا وارث امت کی امانت ہے

دوسرا عنصرِ علم یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ نے علم سے مالا مال کیا ہو۔ اللہ نے علم کا خزانہ اس کو عطا فرمایا ہو تو پھر وہ اپنی ذات کا آدمی نہیں ہوتا، وہ امت کی امانت ہوتا ہے، اس کی پوری زندگی امت کی امانت ہے، لہٰذا اس علم کا ایک لازمی حصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم سے دوسروں کو بھی سیراب کرے۔ دوسروں کو دین کی طرف دعوت دے، دوسروں کے اندر علم کی طلب وعظمت پیدا کرے، یہ بھی علم کا لازمی حصہ ہے، اس کو علم سے جدا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ(1) علمائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ یہ علم انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام اس علم کو لے کر اپنے گھر

(1) سنن ابی داود ۳۱۷/۳ (۳۶٤۱) وسنن الترمذی ٤۱٤/٤ (۲٦۸۲) ذکره الحافظ ابن حجر فی "فتح الباری" ۱٦۰/۱ وقال: وحسنه حمزة الکنانی وضعفه غیرهم باضطراب فی سنده لکن له شواهد یتقوی بها.

نہیں بیٹھے رہے، بلکہ وہ اس علم کو لے کر دنیا کے آخری گوشے تک اخلاص، نرمی، ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ پہنچانے کی کوشش میں لگے رہے، بلکہ اللہ کے بندوں میں پہنچ کر ان کے دلوں میں اتر کر ان کے مزاج کو سمجھ کر ان کی ذہنیت کو پہچان کر بات کی ہے، یہی جذبات وصفات انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث ہیں اور یہ علم کا لازمی حصہ ہیں۔

مخاطب کو بات پیش کرنے کا اسلوب

جب یہ علم کا لازمی حصہ ہے تو اس میں ایک اور چیز وعنصر شامل ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ [1]

ہم نے جو رسول و پیغمبر بھیجا تو اسی قوم کی زبان میں بھیجا جس قوم کے پاس وہ جارہا ہے۔

یہ نہیں کہ بھیجا تو گیا تھا عرب میں اور زبان اسے دی گئی عجم کی۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ زبان میں صرف Language اور لغت داخل نہیں ہے، بلکہ زبان کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ اُن کی ذہنیت کو سمجھے، اُن کے مزاج کو سمجھے، اُن کے طرزِ فکر کو سمجھے، اُن کی ذہنیت مزاج اور سمجھ کو مدِّنظر رکھ کر اس طرح بات کرے کہ بات ان کے دل میں اتر جائے۔ اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ

(۱) سورۃ ابراھیم آیت (٤)۔

اللہُ وَرَسُوْلُہ"(۱)

لوگوں سے بات کرو تو ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر بات کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے؟

اگر ایسے انداز سے بات کہی جائے کہ وہ مطلب کچھ اور سمجھ رہا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ نتیجتاً جھٹلائے گا تو تم اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کا سبب بنوگے۔ اس لیے بات کرنے میں یہ بہت اہم بات ہے کہ اُن کی ذہنیت، مزاج، مذاق اور فکر کو سمجھ کر بات کہی جائے۔

چند مثالیں

اس کی چند مثالیں دیتا ہوں۔ علمِ غیب کا مسئلہ ایک عرصۂ دراز سے چلا آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا یا نہیں۔ اس میں بڑی لمبی بحثیں اور کتابیں بھی ہیں، آپ نے سنا ہوگا کہ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل تھا، اور علمائے دیوبند اس کو نہیں مانتے تھے۔ اب ایک عام آدمی جو بے چارہ "علمِ غیب" کے اصطلاحی معنی نہیں سمجھتا، "علمِ غیب" اور "انباء الغیب" کا فرق نہیں سمجھتا، اگر اس عام آدمی سے پوچھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "علمِ غیب" ہے یا نہیں تو وہ یہ سمجھے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیب کی خبریں نہیں آتی تھیں، نتیجہ یہ کہ وہ توحید کے انکار کا مرتکب ہوگا، اس لیے ایسی ذہنیت والے سے سوچ سمجھ کر بات کی جائے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۳۷/۱۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

ایک مجمع میں جہاں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ خطاب کر رہے تھے۔ بریلوی علماء بھی تھے، انھوں نے کھڑے ہوکر یہ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب تھا یا نہیں تھا؟ تو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سارا علم غیب تھا تو وہ حیران ہوا کہ ہم نے سنا تھا کہ آپ تو علمِ غیب کے منکر ہیں، تو والد صاحب نے ''علم غیب'' سے ''انباء الغیب'' مراد لے کر کہا تھا کہ بہت سارا غیب کا علم عطا کیا گیا تھا تو دیکھیے والد ماجد نے اس کی ذہنیت کو سمجھ کر بات کہی۔

اجتہاد کے سلسلہ میں غلط فہمیاں

ایک اور مثال جو آج کل بہت چلی ہے، اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ آج کل اجتہاد کے بڑے بڑے مدعی پیدا ہوگئے ہیں، جب دیکھو اور جس کو دیکھو وہ کہتا ہے کہ علمائے کرام نے اجتہاد کے دروازے بند کردیے۔ اجتہاد کے دروازے بند کرنے کے نتیجے میں یہ زمانے کے حالات وضروریات سے باخبر نہیں ہیں اور بے شمار لوگ اجتہاد کا علم لے کر کھڑے ہوگئے ہیں۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ اجتہاد کا دروازہ چار سو سال پہلے بند ہوگیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو یہ بات ان بے چاروں کے عقل میں اترنے والی نہیں۔ لہٰذا وہ سمجھیں گے کہ ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، انہوں نے تو اپنی عقل کے دروازے بند کردیے ہیں، چنانچہ وہ نئے مجتہدین کے پیچھے جانا چاہیں گے۔ خاص طور سے تعلیم یافتہ لوگ بے چارے اجتہاد کا مطلب نہیں سمجھتے

کہ اجتہاد کیا چیز ہے؟ انھوں نے سوچنے کے ذریعے کسی حکم شرعی کو کام میں لانے کو اجتہاد سمجھ رکھا ہے۔ ان کی ایک غلط فہمی تو یہ ہے۔

دوسری غلط فہمی ان کی یہ ہے کہ اجتہاد کا مطلب انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جہاں کہیں حکمِ شرعی پر عمل کرنے سے کوئی مشکل پیش آ رہی ہو وہاں رخصت کا راستہ تلاش کرنا، یہ اجتہاد ہے۔ لہٰذا کسی ایسے حکم کو جائز قرار دیا جائے جس کو عام طور پر ناجائز سمجھا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا اجتہاد ہو، لیکن کسی کو ناجائز ہی رکھا جائے تو سمجھتے ہیں کہ اجتہاد نہیں ہوا۔

تیسری غلط فہمی ان کی یہ ہے کہ اجتہاد کے بہت سے درجات ہیں ایک یہ کہ اجتہادِ مطلق ہوتا ہے، ایک اجتہادِ مقید ہوتا ہے، ایک اجتہادِ ترجیح ہوتا ہے، ایک اجتہادِ مسائل ہوتا ہے۔ وہ بے چارے ان درجات کو نہیں سمجھتے۔ اگر ان سے کہو کہ اجتہاد کا دروازہ چار سو سال پہلے بند ہو چکا، تو یہ سمجھتے ہیں کہ عقل کے اوپر تالا ڈال دو، اور سوچ سمجھ کا دروازہ بند کر دو۔ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں اور وہ کچھ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مخاطب کی ذہنیت کے مطابق بات کہی جائے، تو اس سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا نہیں ہوں گی۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ جو دروازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا تھا اس کو کون بند کر سکتا ہے؟ اجتہاد کا دروازہ کوئی نہیں بند کر سکتا بشرطیکہ اس کی شرائط پائی جائیں۔ اُس جگہ پر اجتہاد کیا جائے جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ اجازت کس طرح دی تھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اللہ کی کتاب سے اجتہاد کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں نہ ہو تو کہا کہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا، اگر اس میں نہ

ہوتو اپنے آپ اجتہاد کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (الحمد للہ)(۱)۔

نصِ قطعی میں اجتہاد نہیں ہو سکتا

جہاں قرآن میں نص آگئی وہاں اجتہاد کا موقع نہیں، سنت آگئی تو اجتہاد کا موقع نہیں۔ اجتہاد کا موقع وہاں آتا ہے جہاں کتاب وسنت میں شرعی حکم نہ ہو۔ وہاں اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور جہاں نصوص کے مقابلے میں اجتہاد کیا جائے اور ایسی جگہ جہاں پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجتہاد کو بند کر دیا ہو، وہاں اگر اجتہاد کیا جائے تو یہ گمراہی ہے۔

اکلِ خنزیر اور اجتہاد

اجتہاد کرنے والے کہتے ہیں کہ ہر چیز کی علت دیکھا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خنزیر حرام کیوں تھا؟ اس لیے کہ اس زمانے میں خنزیر گندگی میں رہتے تھے، گندی اور ایسی ویسی غلاظت کھاتے تھے، اسی لیے حرام تھا، لیکن اب تو بڑے ہائی جنک Hygenic ماحول اور فارم Form میں خنزیروں کی پرورش

(۱) سنن الترمذی ۹/۳ (۱۳۲۷-۱۳۲۸) وقال: هذا حديث لا نعرفه الا من هذا الوجه وليس اسناده عندی بمتصل۔ مسند احمد ۳۳۳/۳۶ (۲۲۰۰۷) ۔ وقال الشيخ الارناؤوط: إسناده ضعيف لإبهام أصحاب معاذ وجهالة الحارث بن عمرو، لكن مال إلى القول بصحته غير واحد من المحققين من أهلِ العلم، منهم أبو بكر الرازي وأبو بكر بن العربي والخطيب البغدادي وابن قيم الجوزية. قال الخطيب في "الفقيه والمتفقه" ۱۸۹/۱-۱۹۰: إن أهل العلم قد تقبلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك على صحته عندهم... الخ.

ہوتی ہے۔ اب اجتہاد کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو حلال کردیا جائے۔ یہ وہ اجتہاد ہے جس کا آجکل بہت زیادہ پرچار کیا جارہا ہے۔ قرآن نے صاف اعلان کردیا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ (۱)

چونکہ یہاں نص موجود ہے لہٰذا یہ اجتہاد کا محل نہ رہا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ اجتہاد کا حکم دیا تھا جہاں کتاب وسنت کی تعلیم نہ ہو۔

سود اور اجتہاد

دوسری بات آج کل بہت کثرت سے پھیلی ہے وہ یہ کہ سود کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ Banking والا سود حرام نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غریب لوگ قرضہ مانگنے آتے تھے، اس لیے وہ سود حرام تھا، لیکن آج کا یہ جو Up-to-date system ہے یہ حرام نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں وہ بات نہ رہی۔

عربی گانا اور اجتہاد

اس کی مثال تو ایسی ہے جو کہ میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان کا ایک گویا حج کے لیے گیا۔ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ جارہا تھا، راستہ میں کئی منزلیں ہوا کرتی تھیں، رات کے وقت ایک منزل میں وہ ٹھہرا تو ایک عرب گویا بھی وہاں آگیا، کھانے کے بعد فضا ٹھنڈی تھی۔ تو عرب گویے نے

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۳)۔

اپنا گانا شروع کردیا۔ بڑی بھونڈی اور مکروہ آواز تھی۔ اس کا گانا سن کر ہندوستان کے گویّے نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا گانا سنا تھا، اس لیے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اگر میرا گانا سن لیتے تو کبھی ناجائز نہ کہتے۔ سود جو اُس زمانے میں تھا وہ بے ڈھنگا تھا۔ لیکن آج کے Banking والے سود کو آپ دیکھ لیتے تو حلال قرار دیتے۔

علّت وحکمت کا فرق

ایک بات واضح طور پر سمجھنے کی ہے کہ اللہ کے حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ اس حکم کی حکمت انسان کی عقل میں آئے۔ بہت سارے احکامات ایسے ہیں کہ حکمت سمجھ میں نہ آنے پر بھی واجب الاتباع ہیں، ایک اور بات یہ کہ حکم کا دار و مدار علت پر ہوتا ہے حکمت پر نہیں، روشن خیال اور جدید تعلیم یافتہ لوگ علت اور حکمت کا فرق نہیں سمجھتے۔

سرخ بتّی (Signal) علّت ہے حکمت نہیں

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کار میں سوار ہوکر جا رہے ہیں اور آج کا (Traffic system) یہ ہے کہ سرخ بتّی نظر آجائے تو رُک جائے، سبز بتّی دکھائی دے تو چل پڑے، یہ حکومت کا قانونی حکم ہے۔ اس میں فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ آپس میں گاڑیوں کا ٹکراؤ اور (accident) نہ ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک دو گاڑیاں چل رہی ہیں اور سرخ بتّی جل رہی ہے، یہاں ٹکراؤ کا اندیشہ نہیں ہے تو کیا وہاں حکمت موجود ہے؟ حکمت تو نہیں ہے لیکن اس کے باوجود کوئی پار

کر جائے تو وہ خلافِ قانون سزا کا مستحق ہوگا۔ تو سرخ بتی حکمت نہیں علت ہے۔ جب یہ علت ہے تو اس حکم کا فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو، یہ نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ ایک شہری ہونے کی حیثیت سے سرخ بتی نظر آجانے پر رکنا پڑے گا۔ تمہارا کام فائدہ دیکھنا نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی اپنا فائدہ دیکھنے میں لگ جائے تو انارکی Anarchy پھیل جائے گی، اور قانون برقرار نہ رہے گا۔ تو حکم کا دار و مدار علت پر ہوتا ہے، حکمت پر نہیں ہوتا، یہ بات لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔

علمِ نبوت صرف مطالعے سے حاصل نہیں ہوتا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد کی اجازت دی ہے، مگر شرائط رکھی ہیں کہ اجتہاد نصوص کے خلاف نہ ہو اور اجتہاد کرنے والے کو یہ پتا بھی ہو کہ قرآن میں کیا ہے اور سنت میں کیا ہے؟ آج انگریزی پڑھے ہوئے لوگ اردو پڑھ پڑھ کر کہتے ہیں قرآن میں یہ نہیں اور حدیث میں اس کا مطلب یہ نہیں ہے، یاد رکھیے! یہ علم مطالعے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر قرآن کا علم مطالعے سے حاصل ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنے کی ضرورت نہ رہتی، قرآن کو براہِ راست نازل کر دیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ نبی کو بھیجا گیا اور "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ"(۱) کا فریضہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کیا گیا۔ کس کو تعلیم دیں؟ ابو بکر صدیق کو، عمر فاروق کو، عثمان غنی کو، علی مرتضی رضی اللہ عنہم کو، کیا یہ عربی نہیں جانتے تھے؟ جانتے تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک عربی زبان کا شہ سوار تھا۔ ان کو ترجمے کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی نبی کی تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی، کتاب کو اور حدیث کو سمجھنے کے لیے۔ اس

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۲۹)۔

لیے اجتہاد کے لیے متعلقہ شرائط کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی اجتہاد کرے گا تو گمراہی پھیلے گی۔

دورِ حاضر کے ہتھیاروں کو سیکھنے کی ضرورت

اہلِ علم جس موضوع پر بات کرنے جارہے ہوں تو انہیں اس کے مالہٗ وماعلیہ کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دیکھیے! جس زمانے میں یونانی فلسفے کا زور تھا تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حاصل کیا پھر انہی کے ہتھیاروں سے ان کا جواب دیا۔ اسی طرح آج ہمارے علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ آج کے ہتھیاروں کو سمجھیں، سیکھیں اور حاصل کریں پھر انہی سے جواب دینے کی کوشش کریں۔ اس طرح ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ان کی دعوت مؤثر ہوگی اور فائدہ مند ہوگی، اور اس کے ذریعے ایمان کی روشنی پھیلے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

درسِ بخاری

(خطبات دورۂ ہند ص ۱۲۱)

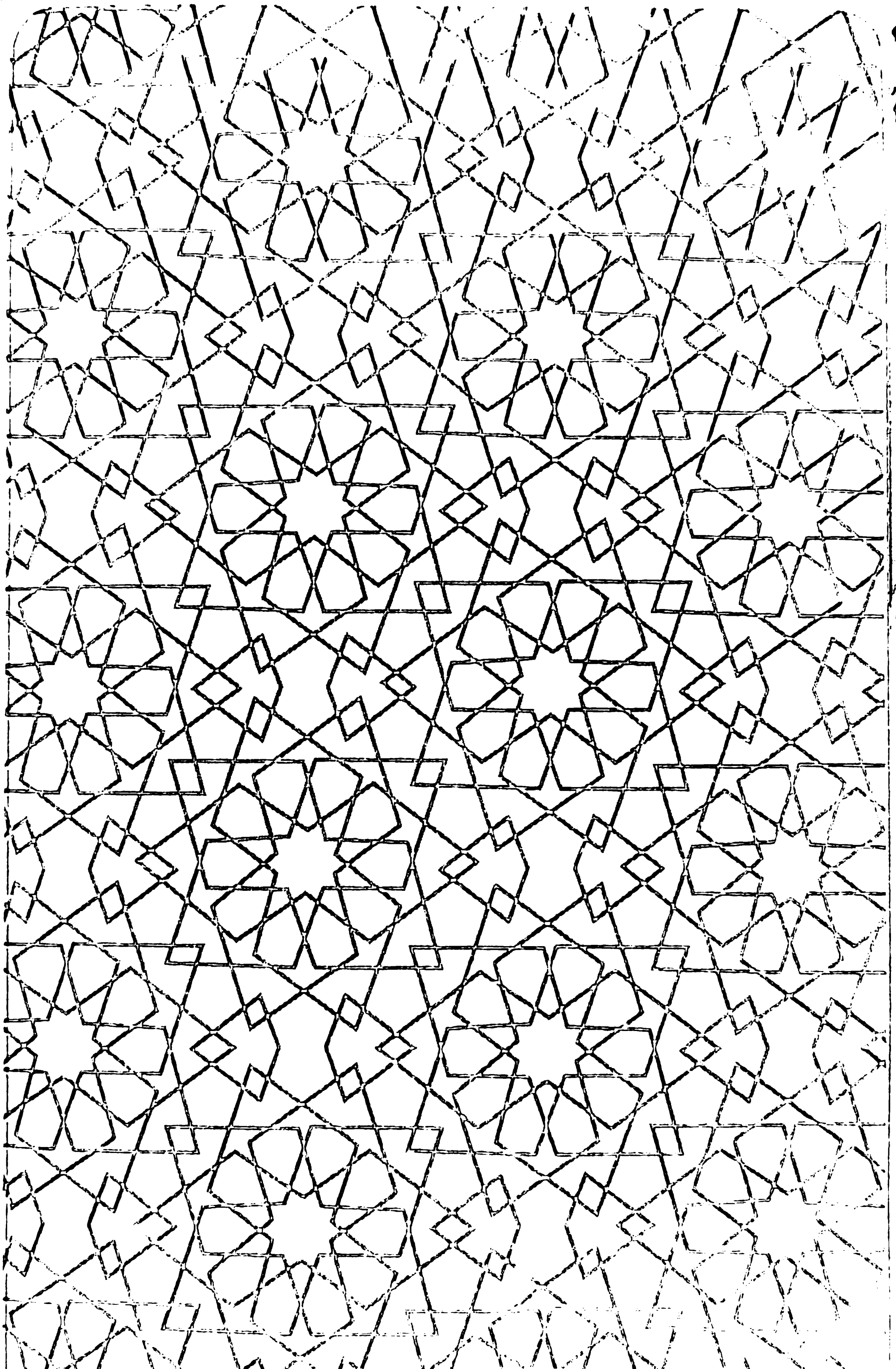

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درسِ بخاری شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

طلباء کی خدمت میں ایک تحفہ

حضرات علمائے کرام میرے عزیز طالب علم ساتھیو!

اس وقت بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھنے کا نظم طے تھا، لیکن مناسب معلوم ہوا کہ اس سے پہلے میں آپ حضرات کو ایک حدیث بطورتحفہ پیش

کروں اور وہ حدیث ''مسلسل بالاولیۃ'' کہلاتی ہے یعنی بلادِ عربیہ میں عام طور پر اور برِصغیر میں بھی بعض مقامات پر یہ معمول رہا ہے کہ جب کوئی طالبِ علم کسی استاذ سے کوئی حدیث پڑھنے کے لیے جاتا، تو سب سے پہلے اسے یہ حدیث سنائی جاتی، ایسی حدیثوں کو ''مسلسلات'' کہا جاتا ہے۔

آپ حضرات نے یہ بات پڑھی ہوگی کہ حدیث بعض اوقات مسلسل ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کیفیت کے ساتھ استاذ نے وہ حدیث طالبِ علم کو پڑھائی، طالبِ علم نے بھی اسی کیفیت کے ساتھ شاگرد کی طرف منتقل کی، تو انہیں میں سے یہ حدیث مسلسل بالاولیہ بھی ہے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر ہم تک یہ سلسلہ رہا کہ مشائخ یہ حدیث اپنے حدیث پڑھنے والے طالبِ علم کو سب سے پہلے سناتے، تو خیال آیا کہ آپ حضرات کو بھی اس تسلسل کی برکت میں شامل کرلیا جائے۔ اس حدیث ''مسلسل بالاولیہ'' کی اجازت حضرت شیخ حسن المشاط رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے مجھے حاصل ہے۔ مکمل سند ''درسِ ترمذی'' کی پہلی جلد میں چھپی ہوئی ہے۔ حدیث مسلسل میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں اور اس کے بعد پھر ان شاء اللہ صحیح بخاری کی آخری حدیث پڑھی جائے گی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَدَّثَنِی بِهٰذَا الْحَدِیْثِ الشَّیْخُ حَسَنُ الْمَشَّاطُ الْمَکِّیُّ الْمَالِکِیُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سَنَةَ اَلْفٍ وَّتِسْعِ مِئَةٍ وَّثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ کَمَا حَدَّثَنِی بِهِ الشَّیْخُ مُحَمَّدُ یَاسِیْن الْفَادَانِیُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ فِی مَکَّةَ الْمُکَرَّمَةِ وَالشَّیْخُ النَّاخِبِیُّ

رَحِمَهُ اللهُ بِجَدِّہٖ، كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَرْوِيهِ بِإِسْنَادِهِ إِلَى سَيِّدِنَا عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ «اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ».

اس حدیث کو میرے ساتھ مل کر پڑھ لیجئے

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ».

اجازتِ حدیث اور ایک گزارش

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس حدیث پر عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ اس تسلسل کی برکات سے بھی ہم سب کو بارآور فرمائے۔ میں اس حدیث مسلسل کی دورۂ حدیث کے طلبہ اور تمام اساتذہ اور جتنے حضرات دورۂ حدیث کر چکے ہیں، ان کو اس تسلسل کے ساتھ اجازت دیتا ہوں۔

(ایک طالب علم کی قراءات متواترہ اور دعا کے بعد) ماشاء اللہ! عزیز طالب علم نے قرآنِ کریم کے آخری قل، سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی تین آیات ماشاء اللہ بہت بہترین تجوید کے ساتھ تلاوت کی ہیں۔ اور اس پر قرآنِ کریم کی تلاوت کی تکمیل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے انوار وبرکات سے

ہم سب کو مالامال فرمائے اور ماشاء اللہ! اس تلاوت میں عزیز طالب علم نے مختلف قراءتوں کے ساتھ بھی ان آیات کو پڑھ کر سنایا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ الحمد للہ! قرآنِ کریم کی قراءات متواترہ کی تعلیم اور قراءاتِ متواترہ محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی مدرسوں میں کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

مختلف قراءات سے تلاوت کا طریقہ

قرآنِ کریم کو مختلف قراءتوں میں پڑھنا اچھی بات ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آیت مکمل ایک قراءت میں پڑھی جائے پھر دوبارہ وہی آیت دوسری قراءت میں پڑھی جائے۔ تسلسل کے ساتھ دو تین قراءتوں کو ایک لفظ میں جمع کرنے سے معنی میں تبدیلیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثلاً جب یہ پڑھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ تو ایک مرتبہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پورا پڑھ لیا جائے پھر دوبارہ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دوسری قراءت میں پڑھ لیا جائے لیکن اگر مَلِكِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھیں گے تو معنی میں تبدیلی پیدا ہوجائے گی۔ تو اس واسطے جب مختلف قراءتوں میں تلاوت کی جائے تو اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ایک آیت مکمل ایک قراءت میں پڑھی جائے، اس کے بعد پھر اسی آیت کو دوسری قراءت میں دھرایا جائے۔ ایک ہی لفظ کے اندر تبدیلیاں مثلاً مَلِكِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہیں گے، تو اس کے معنیٰ بدل جائیں گے اس واسطے آئندہ جب کبھی ایک سے زیادہ آیتوں میں تلاوت کرنی ہو تو پہلے پوری آیت ایک قراءت میں پڑھیں۔ اس میں دوسری قراءت کو شامل نہ کیا جائے۔ پھر دوسری مرتبہ وہی آیت دوسری قراءت میں

پڑھی جائے۔ (اس وقت بخاری شریف کی ایک حدیث کی عبارت ایک طالب علم نے پڑھی)۔

مدرسہ میں حاضری پر اظہارِ مسرت

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس مبارک مدرسے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حاضری کی توفیق عطا فرمائی، معلوم ہوا کہ الحمد للہ دینی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد یہاں زیرِ تعلیم ہے۔ اور دورۂ حدیث سے پہلے تک کی تدریس کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوکر بڑی مسرت ہوئی کہ الحمد للہ اس مدرسے کے تمام امور کسی چندے وغیرہ کی شمولیت کے بغیر ایک صاحبِ خیر کے اہتمام میں انجام پارہے ہیں۔ میں دعا کرتا ہو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مدرسے کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اور یہاں پڑھنے پڑھانے والوں کو صدق واخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

پہلی حدیث

چونکہ یہاں دورۂ حدیث کی مکمل تعلیم نہیں ہے، اس لیے یہ بخاری شریف کا ابتدائی حصہ جو کتاب الجمعہ تک ہے وہ پڑھایا جاتا ہے۔ جس کی آخری حدیث طالبِ علم نے پڑھی ہے اس میں تین باب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قائم فرمائے ہیں، اور تینوں کا تعلق خواتین کے جماعت سے نماز پڑھنے سے ہے، اس میں ایک تو یہ بات بتائی گئی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں خواتین

مردوں کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھیں۔ تو (پہلی حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ) نبی کریم ﷺ جوں ہی سلام پھیرتے تھے تو خواتین فوراً باہر نکل جاتی تھیں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ٹھہرے رہتے تھے، جب خواتین مسجد سے نکل جاتی تھیں تو پھر مردوں کو جانے کا موقع ملتا تھا(۱)۔

مردوں اور عورتوں کا اختلاط شریعت میں ناپسند ہے

اس حدیث پاک میں یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط شریعت میں ناپسند ہے۔ یعنی اگر خواتین حجاب کے ساتھ یعنی پردے میں ہوں تب بھی ان کا آزادانہ میل جول پسند نہیں۔ لہٰذا آج کل بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ ایک اجنبی مرد کا عورت کے ساتھ خلوت کرنا اس کی تو شریعت میں ممانعت ہے، مگر مخلوط اجتماع کی اجازت ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ شادی کی تقریب ہو یا کوئی دعوت ہو، مخلوط اجتماع کرلیا جائے کہ مرد بھی بیٹھے ہیں، عورتیں بھی وہیں بیٹھی ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف واضح حجت ہے کہ نماز میں جب عورتیں مردوں کے پیچھے ہوتی تھیں، تو حضورِ اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی معمول یہ تھا کہ عورتیں سلام پھیرنے کے فوراً بعد اٹھ کر چلی جاتی تھیں مرد بیٹھے رہتے تھے، اسی وجہ سے تا کہ عورتیں باہر نکل جائیں مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم نہ آئے۔

آج کل ایک بہت بڑی وبا پھیلتی جارہی ہے کہ تقریبات اور جلسوں میں

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۷۲(۸۶٦)۔

عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دینی اجتماعات، سیرت کی مجالس میں جو دین کے نام پر منعقد ہوتی ہیں، مرد بھی بیٹھے ہیں اور عورتیں بھی بیٹھی ہیں تو یہ اختلاط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طرزِ تربیت کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔

دوسری حدیث

دوسری حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں نفل نماز پڑھی، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا جو ہماری دادی تھیں وہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ تو دیکھیے حالانکہ وہ بچے تھے۔ لیکن بچوں کو آگے اور عورتوں کو پیچھے کھڑا کیا گیا، حالانکہ وہ سن رسیدہ تھیں۔ جس میں بتایا گیا کہ اگر جماعت کی نوبت آجائے تو طریقہ یہ ہے کہ خواتین کی صف مردوں اور بچوں کے بھی پیچھے ہونی چاہیے[1]۔

تیسری حدیث اور اس کا پس منظر

تیسری حدیث میں ایک اہم بات کہی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں خواتین، جب نمازِ فجر میں آتی تھیں تو اس طرح آتی تھیں کہ چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، اور جب باہر

(۱) صحیح البخاری ۸۶/۱ (۳۸۰).

نکل کر جاتی تھیں تو کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا(۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اگرچہ خواتین آتی تھیں، لیکن ساتھ ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ گھروں میں نماز پڑھیں اور یہ فرمایا تھا کہ اگر عورت اپنے گھر کی کوٹھری میں اندرونی کمرے میں نماز پڑھے، تو بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، بیرونی کمرے میں نماز پڑھے تو صحن میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے اور صحن میں نماز پڑھے تو مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے(۲)، یہ بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین سے بالکل صاف واضح الفاظ میں بیان فرمادی تھی کہ تمہارے لیے جماعت میں آکر نماز پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا، تمہارے لیے فضیلت یہی ہے کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، لیکن ساتھ ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا جو آخری حدیث میں ہے کہ عورتیں اگر چاہتی ہیں مسجد میں آنے کو تو منع نہ کرو، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنا ایک ایسا شرف تھا جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اگر کوئی عورت یہ شرف حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کو روکو نہیں، اس میں دو باتوں کو رسولِ اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع فرمایا تھا ایک عورتوں کے بارے میں یہ بات بالکل واضح فرمادی تھی کہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ جیسے مردوں

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۷۳ (۸۶۷).

(۲) سنن ابن ابی داود ۱/۱۵۶ (۵۷۰) ذکرہ النووی فی "خلاصة الاحکام" ۲/۶۷۷ (۲۳۴۷) وقال: رواہ ابو داود باسناد صحیح علی شرط مسلم۔

کے لیے مسجد میں نماز پڑھنا پچیس گنا یا ستائیس گنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے اسی طرح یہ فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے۔

عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے

آپ نے واضح الفاظ میں یہ فرمادیا کہ اس کا گھر میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آنے سے منع بھی نہیں فرمایا، لیکن بعد میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ خواتین کی عادت تبدیل ہونے لگی ہے، پردے اور حیا کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا، جو رسول اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تھا اور اگر یہ سلسلہ مزید جاری رہا تو یہ فتنوں کا سبب بن سکتا ہے، لہٰذا اس سبب سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خواتین کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیا(۱)۔

جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو اس وقت بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا منع نہ کرو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو خواتین مسجد میں آیا بھی کرتی تھیں تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کیسے روک دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو تمام خواتین کی سردار تھیں، فقیہہ تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج شناس تھیں، اور ان سے زیادہ اس مسئلے کو جاننے والا کوئی نہیں ہوسکتا تھا، انہوں نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں دیکھ لیتے جو

---

(۱) عمدۃ القاری ۶/۱۵۷ طبع دار احیاء التراث العربی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں انعام الباری شرح صحیح البخاری ۳/۵۹۴ تا ۵۹۸۔ از مرتب

عورتوں نے بعد میں پیدا کی ہیں تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرما دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی بھرپور تائید فرمائی اور یہ کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور موجودہ حالات کو دیکھتے تو یقیناً منع فرما دیتے۔

دوسری بات یہ فرمائی دیکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں جو عورتیں جماعت میں شامل ہونے کے لیے مسجد آتی تھیں وہ عموماً رات کی نمازیں عشاء یا فجر میں آتی تھیں، دن کی نمازوں میں نہیں آتی تھیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا "مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ" اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں۔ ان کا پورا جسم چادروں میں ڈھکے ہونے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں کہ کون عورت جا رہی ہے تو پردہ کا اتنا اہتمام تھا۔ اور جوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا خواتین اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور اٹھ کر بھی اس طرح جاتی تھیں کہ چادروں میں پوری طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ ان کو دیکھ کر کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ کون جا رہی ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا اصل مقصد

اس پس منظر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے اور اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ یہ آپ نے شاید پہلے پڑھا ہو یہ کسی راوی کا ادراج ہے، یعنی اصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ لفظ موجود نہیں تھا، کسی راوی نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ "غلس" یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لیکن اصل مقصد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا یہ ہے کہ وہ اس طرح جاتی تھیں کہ باہر ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا "مَا یُعْرَفْنَ"

پہچانی نہیں جاتی تھیں یہ تو روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔

دوسری روایت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تائید انہوں نے اس طرح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اندھیرے وقت میں جو نمازیں پڑھی جاتی تھیں ان میں خواتین شامل ہوتی تھیں، اور ان میں بھی اہتمام کے ساتھ چادروں میں لپٹ کر آتی تھیں۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اب وہ حجاب اور پردے کا اہتمام، وہ قاعدے، وہ شرطیں جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پائی جاتی تھیں وہ نہیں ہیں، لہٰذا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا ہے تو درست کیا ہے۔ یہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشادِ مبارک کا پس منظر۔

آج کل کی خراب ذہنیت

آج کل لوگوں میں یہ ذوق چلا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس بات کے اوپر صدیوں سے امت کا توارث چلا آرہا ہے۔ اس توارث کی کوئی قیمت نہیں ہے، ہم تو یہ دیکھیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا ہوا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ عورتیں مسجد میں آیا کرتی تھیں، لہٰذا ہم بھی عورتوں کو لانے کی کوشش کریں گے، اور اس کی باقاعدہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ باقاعدہ اس کے لیے دعوت دی جاتی ہے عورتوں کو مسجد لاکر نماز پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس میں تشدد سے کام لیا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث دکھاؤ جس میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہو اور دلیل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

"اِذَا اسْتَأْذَنَتْ اَحَدَکُم اِمْرَأَتُہٗ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا

یَمْنَعُھَا"(۱)

یہ ساری باتیں درحقیقت اس لیے پیدا ہورہی ہیں کہ آج کل ایک بڑی خراب ذہنیت کے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں، چودہ صدیوں میں بڑے بڑے فقہاء، علماء، محدثین اور اولیاء اللہ نے دین کو جس طرح سمجھا ہے ان سب پر مٹی ڈال کر آج خود کھڑے ہوکر یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ ہم ان فقہا، علماء محدثین سے زیادہ قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں، تو اس ذہنیت کے لوگوں نے بڑا ہی فساد مچایا ہے، گمراہیاں پھیلائی ہیں، مسلمانوں کے درمیان بڑا ہی تفرقہ ڈالا ہے، لہٰذا ان کا یہ طریقہ کہ صرف ایک حدیث کو لے لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی روشنی میں فقہاء، علماء نے جو مسائل بیان فرمائے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں آکر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور عورتوں کا خود اپنی جماعت کرنا بھی مکروہ ہے، ان سب کو اور جس ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی ان پر غور کیے بغیر ان سب کو نظر انداز کردیا، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کو ایک ایسا مقام بخشا ہے کہ وہ پردے میں رہے، اس لیے مسجد میں آکر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

باجماعت نماز کی فضیلت خواتین کے لیے نہیں

امت یہ جانتی ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس کا گھر

---

(۱) صحیح مسلم ۳۲۶/۱ (۴۴۲)۔

کی کوٹھری میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، بیرونی کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے افضل ہے، اور صحن میں نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ چنانچہ اگر عورتوں کا مسجد میں آکر نماز ادا کرنا باعثِ فضیلت ہوتا، تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس طرح مردوں کے لیے فرمایا تھا کہ ان کا نماز باجماعت پڑھنا پچیس یا ستائیس گنا فضیلت رکھتا ہے تو اس طرح عورتوں کے بارے میں بھی آگے فرماسکتے تھے، لیکن نہیں فرمایا، اور وہ لوگ اس حدیث کو لے کر بیٹھ گئے کہ عورت آنا چاہے تو اس کو منع نہ کرو، لیکن جس ماحول کے اندر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اس کو نظر انداز کردیا اور کہہ دیا چودہ سو سال تک امت جو کچھ سمجھتی آئی ہے، وہ غلط ہے، آج جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی صحیح ہے۔

مقصدِ گفتگو

میرے بھائیو! یہ بات اس لیے میں نے عرض کردی کہ یہ اچھا خاصہ بڑا فتنہ ہے جو پھیل رہا ہے کہ چودہ سو سال کے فقہاء اور محدثین کی کاوشوں کو مسترد کرکے آدمی یہ دعویٰ کرے کہ میں صحیح کہتا ہوں۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بس یہ چند گزارشات ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان احادیث کی برکات عطا فرمائے، میں اپنے ان طلبہ کو بھی اور اساتذہ کرام کو بھی اور علمائے کرام جو موجود ہیں ان کو صحیح بخاری کی اپنی اس سند کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت دیتا

ہوں۔ صحیح بخاری کے علاوہ صحاحِ ستہ اور جو کچھ مرویات مجھے جتنے مشائخ سے حاصل ہیں ان سب کی آپ حضرات کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکات ہمیں عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دارالعلوم دیوبند کا تقدس
اور
اس کا سبب

(خطبات دورۂ ہند ص ۸۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم دیوبند کا تقدس اور اس کا سبب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱)

---

(۱) سورۃ الضحیٰ آیت (۱۱)۔

آمنت بالله صدق الله مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد لله رب العالمین۔

صدر محترم عالی جناب حسیب صدیقی صاحب، حضرات علمائے کرام، میرے طالبِ علم ساتھیو اور معزز حاضرین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی زندگی میں بے شمار مقامات پر خطاب کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ ملک میں بھی، بیرون ملک میں بھی، اپنی زبان میں بھی دوسری زبانوں میں بھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی خطاب مجھے اتنا مشکل معلوم ہوا ہو جتنا آج معلوم ہو رہا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دل جن ملے جلے جذبات سے معمور ہے ان کو الفاظ کا جامہ پہنانا اور ان کے لیے مناسب تعبیر تلاش کرنا انتہائی دشوار معلوم ہورہا ہے۔ آپ حضرات نے جس محبت اور جس خلوص کے ساتھ مجھ ناکارہ کی عزت افزائی فرمائی، میرے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے موزوں الفاظ موجود نہیں ہیں۔ آج کے اس اجتماع سے متعلق میرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ ایک اپنے بچھڑے ہوئے ہم وطنوں، دوستوں، بزرگوں اور ساتھیوں سے ملنے کا اتفاق ہے۔ اور میں عالی جناب حسیب صدیقی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے محض اپنی شفقت اور محبت سے اس اجتماع کا اہتمام فرمایا۔ ماشاء اللہ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے اس مجمع کا مجھے پہلے سے اندازہ نہیں تھا اور نہ یہ کہ مجھے کسی طویل خطاب کی نوبت آئے گی، لہٰذا اس موقع پر میں اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے چند تاثرات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحیح طور پر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں دارالعلوم کا فیض نہ پہنچا ہو

صحیح بات تو میں نے عرض کی ہے کہ دل ملے جلے جذبات سے معمور ہے، یہ خاکِ دیوبند جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بیس یا بائیس سال کے بعد پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ وہ خاک ہے جس سے خود میرا خمیر تیار ہوا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے دیوبند کا باشندہ اور دیوبند کا فرزند ہونے کا شرف بخشا، لیکن بچپن ہی میں میں نے اس خاک کو خیرباد کہہ دیا تھا، لیکن آج ساٹھ سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بھی اس خاک کی محبت دل ودماغ سے کبھی دور نہیں ہوسکی۔ اور یہ عشق ومحبت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاکِ دیوبند سے عطا فرمائی ہے، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ میں یہاں پیدا ہوا۔ میرے خون کے رشتے یہاں پر موجود ہیں اور میرے اکابر کی ہڈیاں یہاں دفن ہیں، بلکہ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے خود اس شہر کی نسبت سے مشرّف فرمایا ہے جس شہر نے صرف ہندوستان میں نہیں، برصغیر میں نہیں، پوری دنیا میں علم اور دین کا نور پھیلایا ہے۔

مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تقریباً ہر خطے کا سفر کروایا۔ اور دنیا کے چھ برِاعظم میں سے کوئی برِاعظم ایسا نہیں ہے جہاں مجھے بار بار جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو، وہاں کے لوگوں سے ملاقات اور وہاں کے حالات سے واقفیت کا موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ دیا ہو، لیکن اس دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، کوئی جگہ مجھے ایسی نہیں ملی جہاں دیوبند کی روشنی نہ پڑی ہو اور جہاں دیوبند اور فرزندانِ دارالعلوم کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

انڈونیشیا کے علاقے میں

ایک مرتبہ میرے میزبان انڈونیشیا کے دور دراز پہاڑی علاقہ میں مجھے لے گئے۔ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ ہنگاموں سے ہٹ کر چند لمحات تفریح کے بھی گزارے جائیں۔ ایک پہاڑی مقام تھا وہاں گھومنے کے لیے نکلے، نماز کا وقت ہونے والا تھا، میں نے چند ساتھیوں سے کہا کہ مجھے مسجد میں لے جائیں، مسجد میں جا کے نماز مغرب پڑھی تو جو صاحب امامت فرما رہے تھے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فرزند تھے۔ ایشیا ہو یا افریقہ، امریکہ ہو یا یورپ، لاطینی امریکہ ہو یا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ہو یا دنیا کا کوئی اور ملک کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے فرزند، اس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض حاصل کرنے والے کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

دیوبند کی مقدس سرزمین

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ دیوبند ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کے اندر کوئی تمدنی حسن کا انداز نظر نہیں آتا۔ ایک چھوٹی سی بستی جس کی سڑکیں بھی پختہ نہیں ہیں، جس کے گھر بھی کچے ہوں، ایک ایسی بستی جس کا دنیا کے شہروں اور بستیوں سے تقابل کیا جائے، تو ظاہری حسن کے اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اللہ جل جلالہ کی قبولیت اور ہی چیز ہے وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے کو آفتاب و مہتاب بنا دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیوبند کی خاک کو ایسی ہی مقدس اور ایسا ہی ایمان افروز بنایا کہ جہاں جہاں اس کا نور پہنچا ہے، وہاں وہاں اس کی روشنی پھیلی ہے۔ وہاں کے لوگ دیوبند سے واقف ہیں۔ ہم عرب

ممالک میں جاتے، عرب علماء سے ملتے ہیں ان سے جب ہندوستان کے کسی بڑے شہر کا نام پوچھتے ہیں تو سوائے دلی اور ممبئی کے اور کسی بڑے شہر کے نام نہ لے سکیں گے، لیکن اگر ان مشہور شہروں کے بعد کسی شہر کو اگر وہ جانتے ہیں تو وہ دیوبند ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے شکر ادا کرنے کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مجھے نسبی اعتبار سے بھی، وطنی اعتبار سے بھی دیوبند سے نسبت عطا فرمائی ہے۔

دیوبند کے اس تقدس کا بنیادی سبب

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اکابرِ دیوبند کے جوتے اٹھانے کی بھی توفیق نصیب ہوئی، میں اس موقع پر آپ حضرات کو کیا پیغام دوں، لیکن دل چاہتا ہے کہ ایک مختصر سا پیغام آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، وہ یہ کہ دیوبند کی یہ شہرت، اس کی یہ نیک نامی، اس کا یہ تقدس جو دنیا کی آخری حدود تک پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟

میں سوچتا ہوں کہ کیا اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم دیوبند نے علم وتحقیق کے دریا بہائے ہیں، اگر یہ بات ہے تو میرے ذہن میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں، جن میں علم وتحقیق کے کام ہوتے رہتے ہیں، کیا اس دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور ناموری اور اس کے نور کی وسعت کا سبب یہ ہے کہ دارالعلوم کے اندر کھانا بہت عمدہ، درسگاہیں بڑی شاندار ہیں، طلبہ بڑی کثرت سے یہاں پڑھتے ہیں؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سبب بھی نمایاں نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی اور بہت سی درسگاہیں بھی ہیں جس میں

طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہے، درسگاہیں بھی بڑی عظیم ہیں، اساتذہ بھی بڑے قابل ہیں لیکن کس چیز نے دیوبند کو دیوبند بنایا۔ کس چیز نے دیوبند کو عالمی قیادت کا مرتبہ عطا فرمایا؟

اللہ تعالیٰ میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے۔ میں ان کے الفاظ نقل کرتا ہوں، وہ فرمایا کرتے تھے دیوبند کو دیوبند بنانے والی چیز صرف ایک ہے، وہ چیز دین کی صحیح تعبیر، دین کا صحیح تصور، دین کے اوپر اعتدال والا عمل، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاک کے بوریا نشینوں کو عطا فرمایا، وہ بڑے سے بڑے علماء و محققین میں نظر نہیں آتا۔ میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب ممالک میں بڑے بڑے محقق علماء بھی دیکھے، تحقیق وتدقیق کے شناور بھی دیکھے، فصاحت وبلاغت کے شہسوار بھی دیکھے، لیکن وہ البیلا رنگ جو میں نے اپنے دیوبند کے اکابر کے اندر پایا، ساری دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا۔ اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اکابر کو جس طرح پایا، دین وسنت کی جو تعبیر انہوں نے اپنے قول ہی سے نہیں، بلکہ اپنے طرزِ عمل سے اپنی زندگی کی اداؤں سے، دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ نظیر دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی (۱) کی مجسم تفسیر میرے ان اکابر کو بنایا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی

---

(۱) اشارة إلى حديث رواه الترمذي في جامعه ۳۸۱/٤ (۲٦٤۱) وفيه: "وتفترق امتى على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار الا ملة واحدة، قالوا ومن هي يارسول الله؟ قال ما انا عليه واصحابي". قال الترمذي هذا حديث حسن غريب مفسر لا نعرفه مثل هذا الا من هذا الوجه.

فرماتے تھے۔

أولٰئكَ ابآئي فجِئني بِمثلِهِم
اِذَا جمعَتنَا يَا جَرِيرَ المجَامِعُ

مجھے ان اکابر کی یہ زندگی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی نظیر ہم میں نہیں ملتی۔ آخر وہ کیا بات تھی کہ دین کی سچی محبت، سنت کا صحیح مقام اور سنت کی عملی تفہیم ان کی زندگی کے اندر رچی بسی ہوئی تھی۔

اکابرِ دیوبند ''ما انا علیہ واصحابی'' کی صحیح تفسیر تھے

عرض یہ کر رہا تھا کہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بچپن سے پچپن کا زمانہ دیوبند کے اندر گذارا اور کبھی دیوبند سے چند دنوں کے لیے بھی باہر جانا پڑتا تھا تو مجھے شاق گزرتا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ دیوبند کی بنیادی خصوصیت درحقیقت وہ اللہ والے تھے جو ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی'' کی صحیح تفسیر تھے۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق۔ ان پانچوں شعبوں کے مجموعے کا نام دین ہے۔ میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے ایک معتدل مزاج اپنی تحریر وتقریر سے بھی اور اپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا ہے۔

معاشرت و اخلاق میں اکابرِ دیوبند کے واقعات

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، ان کے شروع میں پیش لفظ کے طور پر مجھے بھی لکھنے کا ایک دفعہ اتفاق ہوا، جس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مسلکِ دیوبند کو واضح کرنے کے لیے کسی الگ کتاب کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ کوئی فقہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ اہلِ سنت کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں وہ علمائے دیوبند کا مسلک ہے، اور قرآنِ مجید و صحیح حدیث سے جو عقائد ثابت ہیں وہ اٹھا کر دیکھ لو وہ مسلک علمائے دیوبند ہے۔ عقائد میں بھی اعتدال، عبادات میں بھی اعتدال، معاملات میں بھی اعتدال، معاشرت میں بھی اعتدال اور اخلاق میں بھی اعتدال۔ ایک جملہ میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا جو میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں تھے، علم و فضل کے پہاڑ ہیں اور تحقیق و تدقیق کے شناور ہیں، لیکن ان کے سراپا کو دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اپنے علم و کمال کی کوئی ہوا بھی نہیں لگی۔

مفتی اعظم ہند اور تواضع

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو لوگوں کو پتہ بھی نہ ہوتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا اور کہاں فوت ہوا؟

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم ہند جن کے فتاویٰ دس جلدوں میں ابھی تک ناتمام ہیں۔ ان کے بارے میں بھی میرے والد ماجد قدس

اللہ سرہ فرماتے تھے کہ دار العلوم جانے سے پہلے اپنے قرب وجوار کی بیواؤں سے جاکر ان سے کہا کرتے تھے کہ بی بی! کسی کو کوئی سودا لانا ہو تو مجھے بتادو میں بازار سے لادوں گا۔ سودا سلف کی تفصیل معلوم کرکے بازار سے خرید کر ان کے گھروں میں پہنچاتے، اور بعض اوقات کوئی خاتون یہ کہتی کہ مولوی صاحب آپ کو تو میں نے ہرا دھنیا کہا تھا آپ یہ لے آئے، میں نے پاؤ بھر کہا تھا، آپ آدھا پاؤ لے آئے۔ تو کہتے بی بی! کچھ فکر نہ کرو میں ابھی جاتا ہوں، مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ تمہارے مطلب کی چیز لے آتا ہوں، دوبارہ جاتے، دوبارہ پہنچاتے، یہ تھے مفتی اعظم ہند۔ نہ کوئی غرور ہے، نہ کوئی تکبر ہے، اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے یہ حضرات سب کچھ ہوکر بھی کچھ نہیں تھے۔

معاشرت کو دیکھو تو آج کی دنیا میں لوگوں نے دین نام رکھ لیا ہے صرف عقائد اور عبادت کا، معاملات کے حلال اور حرام کی کوئی فکر نہیں، معاشرت میں حلال اور حرام کی فکر نہیں، معاشرت کو دین سے خارج ہی کر دیا گیا گویا یہ دین کا حصہ ہی نہیں تھا۔ حالانکہ یہ دین کا عظیم حصہ ہے، معاشرت کے بارے میں قرآنِ کریم کی بے شمار آیات اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بھری ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ"(۱)

لیکن ہم بھول چکے اور خلاف ورزیاں کیں، خلاف ورزیاں کرنے کے بعد یہ احساس بھی نہیں کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن ان بزرگوں کا معاملہ یہ تھا کہ میں نے اپنے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ ان کی معاشرت اتنی

(۱) صحیح البخاری ۱۱/۱ (۱۰)۔

سادہ تھی کہ اپنی ذات سے کسی بھی دوسرے انسان کو ادنیٰ تکلیف بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔

انہی حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بعض اوقات کوئی شخص ایسی بات کہہ دیتا جو بدیہی طور پر غلط ہوتی تو بھی اس کے منہ پر اس کی اس انداز سے تردید نہیں فرماتے تھے جس سے اسے تکلیف پہنچے، یہ چیز انہیں گوارا نہیں تھی بلکہ اس کے قول کی اس طرح تاویل کر دیتے تھے، جس سے اس کی غلطی کی بھی اصلاح ہو جائے اور اس کے جملے کی بھی۔ جب کسی نے کوئی غلط بات کہہ دی تو فرماتے ''گویا کہ آپ کا مطلب یہ ہے'' اور فرماتے ''گویا کہ آپ کا مطلب یہ ہوگا''، وہ اس کی غلط بات کی صحیح تاویل کر کے اسے صحیح بات بھی بتا دیتے تھے اور اس کی غلطی پر تنبیہ بھی فرما دیتے تھے، مگر براہِ راست منہ پر اس کی برائی اور اس کی دل آزاری نہیں فرماتے تھے۔ یہ چیزیں آج کہاں، آج تو علم کا غرّا ہے اور تحقیق کا پندار ہے، اگر کسی سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو آج اس بات کا لحاظ کہاں کہ میں اس انداز سے بات کہوں کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، یہ تو ان اکابر کا طرۂ امتیاز ہے جو انہوں نے اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (الحمد للہ ان کے پوتے اب بھی موجود ہیں) ان کے واقعات اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات جو میں نے اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنے وہ ان حضرات کی تواضع اور فنائیت کے شاہد ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سنایا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں شادی تھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا جب کہ اس وقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث تھے وہ اپنے سر پر برتن رکھ کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پہنچاتے تھے، اتنا بڑا شیخ الاسلام! مگر اپنے استاذ کی خدمت کا یہ عالم تھا، درحقیقت انہیں اپنی ذات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔

یہ معاشرت کے احکام، یہ اخلاقِ فاضلہ، اس کی عملی تصویر، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دکھائی ان اکابر کی زندگیوں میں وہ ہمیں کہیں اور نظر نہیں آئی۔ اس تصویر کا نام ہے "دیوبند"۔ تو بھائی پیغام ہمیں جو ملتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو دیوبند سے منسوب کرتے ہیں اور اس پر بجا طور پر فخر بھی کرتے ہیں۔ لیکن کیا واقعۃً اکابرِ دیوبند کی اس خصوصیت کا کوئی عکس ہماری اپنی زندگیوں میں موجود ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو اپنے آپ سے کرنا ہے اور کیا واقعۃً ہم اپنے عمل سے اپنے ان دیوبند کے اکابر کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں؟ یہ بات ہمیں سوچنی چاہیے۔

دین نام ہے اعتدال کا

دین نام ہے ہر چیز میں اعتدال کا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز میں ہمیں کچھ حدود بتائی ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰه (۱)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۸۷)۔

ان میں سے ہر چیز کی حد مقرر ہے۔ کسی سے اختلاف ہے تو اختلاف کی بھی حد ہے، کسی سے محبت ہے تو محبت کی بھی حد ہے۔ کسی پر اعتماد ہے، عقیدت ہے تو اس عقیدت کی بھی حد ہے۔ ہر چیز ایک حد کی پابند ہے ان حدود سے جو چیز متجاوز ہوتی ہے وہ بدعت کی شکل اختیار کرلیتی ہے، کبھی گمراہی کی شکل اختیار کرلیتی ہے، کبھی کوئی فرقہ بن جاتی ہے۔ یہ دین خود حدود کی حفاظت کا نام ہے اور ان حدود کی حفاظت کے ذریعے جب ہم دنیا کے سامنے کوئی عمل وکردار پیش کریں گے تو وہ درحقیقت قابلِ تقلید ہوگا۔ وہ درحقیقت دیوبند کے اکابر کی صحیح نمائندگی ہوگی۔ اگر ہم نے ان حدود کی پابندی نہ کی تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دیوبند کی خصوصیت کو نہ سمجھ سکے۔ اس کو اپنی زندگیوں میں ڈھال نہ سکے۔ اور اس کے مطابق دیوبند کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش نہیں کرسکے، اس لیے اگر ہمیں دیوبند کی طرف نسبت کرنی ہے تو بھائی ذرا محتاط ہونا پڑے گا۔ اگر ہم دعویدار ہیں دیوبند سے نسبت کے، چاہے علمی نسبت ہو یا عملی نسبت ہو تو ہمیں اپنے اخلاق وکردار کا جائزہ لینا پڑے گا۔ اور ہر چیز کو اس کی حد میں رکھنا پڑے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا جامع الکمالات اس کائنات میں کون ہوسکتا ہے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:

"لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ" (۱)

میری اس طرح مبالغے کے ساتھ تعریف نہ کرو جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی کی۔

(۱) صحیح البخاری ٤/١٦٧ (٣٤٤٥)۔

آپ کے لیے تعریف کا کوئی کلمہ بھی شاید ایسا نہ ہو جو مبالغہ آمیز ہو جائے۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ خبردار! میری تعریف میں ایسی مبالغہ آمیزی نہ کرنا جیسی مبالغہ آمیزی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں کی تھی، اور کسی سے محبت کا اظہار کرنا ہو کسی سے عقیدت کا اظہار کرنا ہو تو وہ بھی حدود میں ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جی! ہم تو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار ہیں۔ لہٰذا آپ کو یہ بھی کہیں گے وہ بھی کہیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ محبت حدود سے متجاوز ہوگئی۔ اس نے بدعت یا شرک کی شکل اختیار کرلی اور محبت سے بعض اوقات اسلامی احکام کی مخالفت بھی ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ جذبہ صحیح ہوتا ہے اور قابلِ قدر ہوتا ہے، لیکن اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے یا اپنوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے یا اپنوں کے ساتھ رہنے والوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ قرآنِ کریم اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم اپنی زندگی کو نظم وضبط کا پابند بنائیں۔

دینِ اسلام میں نظم وضبط کی اہمیت

دیکھیے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ صافات میں صف بنانے والوں کی قسم کھائی ہے جو صف بناتے ہیں۔ حضراتِ محدثین ومفسرین فرماتے ہیں: یا تو اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو صف بنا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں (۱) یا وہ نمازی ہیں جو صف سیدھی کر کے نماز کے اندر کھڑے ہوتے ہیں (۲)، لیکن دونوں صورتوں میں تعلیم اس بات کی فرمائی گئی کہ فرشتے بے ترتیبی کے ساتھ عبادت

(۱) تفسیر طبری ۴۹۲/۱۹ طبع دار هجر۔
(۲) تفسیر مظهری ۱۰۵/۸ طبع مکتبة الرشیدیة۔

نہیں کرتے، عبادت صف بنا کر کرتے ہیں۔ تو ہمیں نظم وضبط کی تعلیم دی گئی کہ مسجد میں جاؤ تو یہ آداب ہیں، مسجد میں صف بناؤ تو یہ حکم ہے، لیکن اگر ہم اس محبت کے اظہار میں اس کی خلاف ورزی کر جائیں تو یہ دیوبند والی بات نہ ہوئی، دیوبند کے اکابر والی بات نہ ہوئی۔ لہٰذا میری گذارش یہ ہے کہ دیکھو جلسے ویسے بہت ہوتے رہتے ہیں اور اجتماعات بھی، وہ محض رسمی انداز میں ہو کر ختم ہو جاتے ہیں، اگر محض اجتماع کی رسم پوری کرنا ہو تو کرو، مگر وہ زیادہ سے زیادہ مباح ہوگا، لیکن مفید اجتماع وہ ہے جس میں آدمی سبق لے کر اٹھے اور اپنی زندگی میں اس کی بنا پر کوئی تبدیلی لانے کا عزم کرے، وہ ہے اجتماع صحیح معنی میں، ورنہ صرف یہی ہوگا کہ نشستند وگفتند وبرخواستند۔

دین صرف عبادات کا نام نہیں

یہ مجمع اس لیے ہے کہ دین کی کوئی بات سیکھیں، اور اگر آج سے ہم نے اس پر عمل کرنے کا پکا عزم کرلیا تو یہ اجتماع اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑا عظیم ہے۔ یہ وہ اجتماع ہے جس کے فوائد دنیا اور آخرت میں ملیں گے، اور یہ دنیا کے لیے ایک مثال بنے گا۔ لہٰذا میں یہی گزارش کرنا چاہتا ہوں پہلے اپنے نفس سے، اس کے بعد تمام حاضرین سے کہ یہاں سے یہ سبق لے کر اٹھیں کہ ہم جن بزرگوں سے وابستہ ہیں جن کی بنا پر دیوبند، دیوبند بنا ان کی سیرتوں کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کی کوشش کریں گے۔

ان میں ایک اہم مسئلہ یہ کہ دین صرف عبادات وعقائد کا نام نہیں ''معاملات'' کی بھی درستگی کا نام ہے، ''معاشرت'' کی بھی درستگی کا نام ہے۔

"اخلاق" کی درستگی کا نام ہے، میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا ماشاء اللہ آپ سب حضرات اہل علم ہیں، علمِ دین کے طالب ہیں، سب باتیں سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ عزم لے کر اٹھیں اور اس کا نظارہ اس طرح ہو کہ جب یہ اجتماع ختم ہو تو نظم وضبط کے ساتھ ختم ہو، بھیڑ بھاڑ کے ساتھ ختم نہ ہو جس طرح شروع ہوا۔ کیوں بھائی بتایئے! نظم وضبط کے ساتھ ختم ہوگا۔ انشاء اللہ۔ کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی، کسی کو دھکا نہیں دیا جائے گا، کسی کو تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر یہ فائدہ حاصل ہوگیا تو یہ آپ کی طرف سے دیوبند کی بہت بڑی نمائندگی ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے بھائی! دیوبند کے نام لیوا ہونے کے ناطے ان شاء اللہ یہ عزم کرکے یہاں سے اٹھیں کہ اکابرِ دیوبند کی سیرتوں کا مطالعہ کریں گے اور ان پر عمل کریں گے اور اپنی زندگی کو نظم وضبط کا پابند بنائیں گے۔ اللہ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

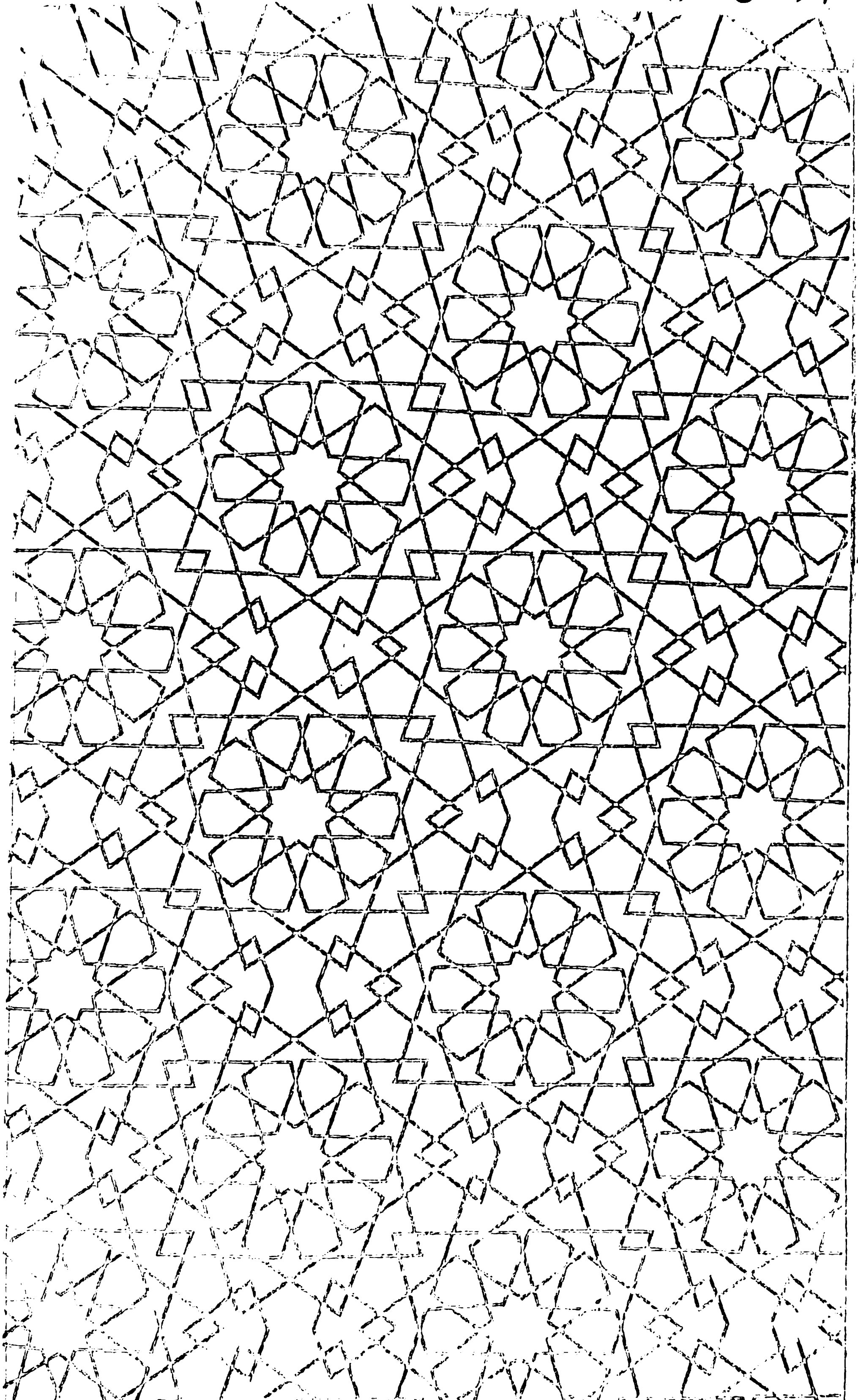

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم دیوبند اپنے مزاج کے آئینے میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [1]

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

حضرات علمائے کرام میرے عزیز طالبِ علم ساتھیو اور معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دارالعلوم میں حاضری پر خوشی کا اظہار

حقیقت یہ ہے کہ آج اس مبارک موقع پر مجھے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ نہیں مل رہے، دارالعلوم دیوبند کی وہ عظیم عمارت جس کو اپنے خوابوں کا محور بنایا تھا، وہ دارالعلوم جس کا تذکرہ شب وروز اپنے والدِ ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے سنتا تھا، اور اگر یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ جس میں میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کسی نہ کسی بہانے سے دارالعلوم دیوبند یا اس کے اکابر کا کوئی نہ کوئی تذکرہ نہ فرماتے ہوں، وہ دارالعلوم جس کے مسلک ومشرب کو سمجھنے کے لیے مدتوں کتابوں کا مطالعہ کیا، وہ دارالعلوم جس کے مسلک ومشرب کے فروغ کے لیے اپنی بساط کی حد تک زبان وقلم کی توانائیاں صرف کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، وہ دارالعلوم جس کے مسلک ومشرب کے بارے میں دنیا کے مختلف حصوں میں تعلیمی اسفار میں رہنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، وہ دارالعلوم کہ

(۱) سورۃ الزمر آیت (۹)۔

چہار دانگِ عالم جہاں بھی جانا ہوا ہو شاید ہی کوئی خطاب اس کے تذکرے سے خالی رہا ہو، آج اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم میں حاضری کی سعادت عطا فرمائی، اور یہاں کی درس گاہوں اور اس کے دارالحدیث کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، جہاں شیخ الہند سے لے کر حضرت مدنی قدس اللہ سرہ تک، اُن اکابر نے درس دیا ہے، جن کا صرف نام آتے ہی دل میں عقیدت ومحبت کے فوارے پھوٹنے لگتے ہیں، مجھے اس وقت اپنی زبان گنگ معلوم ہورہی ہے کہ کن الفاظ سے اپنے جذبات کا اظہار کروں۔

اظہارِ تشکر

میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد دارالعلوم کے منتظمین خصوصاً حضرت مہتمم صاحب حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب دامت برکاتھم اور اکابر دارالعلوم کا تہہِ دل سے ممنون ومشکور ہوں کہ ان حضرات نے بڑی محبت وشفقت سے مجھے یہاں حاضری کی دعوت دی اور کچھ کلمات کہنے کا شرف عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنے شایانِ شان بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔

درمدرسہ خانقاہ دیدیم

اس وقت میرا ذہن مختلف سمتوں کی طرف دوڑ رہا ہے کہ میں آپ سے کس موضوع پر خطاب کروں لیکن میں چاہتا ہوں کہ کل رات میں نے جو بات عرض کی تھی اسی کا کچھ تتمہ یہاں عرض کردوں، اللہ تعالیٰ مجھے صحیح طور پر کہنے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے اکابر جن کا نام لے کر آج ہم مسلک و مشربِ دیوبند کو اپنے لیے باعثِ فخر و مایہ ناز سمجھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگیاں اور ان کی سیرتیں ہمارے لیے عظیم مشعلِ راہ ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کا فریضہ ہے کہ ان کو اچھی طرح پڑھ کر ان سے استفادہ کر کے اپنی زندگی میں ان کو شامل کریں، وہ کیا لوگ تھے کن حالات، کن قربانیوں اور کس اخلاص کے ساتھ انہوں نے اس دارالعلوم کی بنیاد ڈالی کہ اس کا فیض ساری دنیا کی درس گاہوں میں اللہ تعالیٰ نے پہنچادیا، بنیادی بات تو یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نہ صرف علم اور دین کے میدان میں بلکہ عمل وتقویٰ اور ورع کے میدان بھی وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ جس کی نظیر آج اس زمانہ میں موجود نہیں ہے۔

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا انہوں نے میرے دادا مولانا یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے ہم عمر تھے اور پوری زندگی دارالعلوم کے درجہ فارسی وریاضی میں خدمت کرتے ہوئے گزاردی سے ان کا مقولہ سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جب اس کے شیخ الحدیث سے لے کر چپڑاسی اور چوکیدار تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔ چوکیدار دروازہ پر چوکیداری کر رہا ہوتا تھا اور اس کے لطائف ستہ جاری ہوتے تھے، اس کی زبان ذکر اللہ سے معمور ہوتی تھی۔ دارالعلوم کی جو تاسیسی تاریخ نکالی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم''۔

میں نے اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ اُس وقت دن میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجتی تھیں اور رات کے وقت اللہ کی طرف رجوع کر کے رونے اور گڑگڑانے کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دارالعلوم اور اس کا مزاج

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بڑے شگفتہ، بڑے باغ و بہار ہر وقت ہنسنے ہنسانے والے بزرگ تھے، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے شاگرد کہتے ہیں:

"كُنَّا نَسْمَعُ ضِحْكَهُ بِالنَّهَارِ وَبُكَاءَهُ بِاللَّيْلِ"(۱)

ہم دن کے وقت ان کے ہنسنے کی آوازیں اور رات کے وقت ان کے رونے اور گڑگڑانے کی آوازیں سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مزاج کی یہ درس گاہ بنائی تھی جو بیک وقت مدرسہ بھی تھی اور خانقاہ بھی تھی۔ اس میں اسلامی اخلاق وکردار کی ایک عملی تصویر پیش کی جاتی تھی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

یہاں کے تقویٰ اور ورع کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے مہتمم بھی تھے، ایک مرتبہ ان کے بارے میں، میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ انہوں نے ایک گائے پال رکھی تھی اور اتباعِ سنت میں اس کو چرانے کے لیے خود لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ لے کر گئے اور واپس آرہے تھے کہ کوئی ضرورت پیش آگئی، تو گائے کو احاطۂ مولسری میں کھڑا کرکے دفتر میں تشریف لے گئے، اور اپنا کام کرنے لگے۔ اب چند شریر قسم کے لوگوں نے دیکھا تو شور مچا دیا کہ اب دارالعلوم، مہتمم صاحب کا باڑہ بن

(۱) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر ۲۰۹/۵۳ طبع دار الفکر۔

گیا ہے، کہ انہوں نے یہاں گائے کھڑی کردی ہے، اب حضرت نے جب شور سنا تو تشریف لائے کہ بھائی کیا بات ہے؟ کسی نے کہا کہ یہ لوگ شور مچا رہے ہیں کہ آپ نے یہاں گائے کھڑی کردی ہے، آپ نے فرمایا کہ بھائی تھوڑی دیر کے لیے کھڑی کردی گئی تھی، لیکن وہ لوگ نہ مانے اور اسی طرح شور مچاتے رہے تو حضرت بجائے ناراض ہونے کے فرمانے لگے کہ بھائی! بات تو صحیح ہے، مجھے دارالعلوم کے احاطہ میں گائے نہیں کھڑی کرنی چاہیے تھی، میں معافی مانگتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، اب اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ یہ گائے تمہارے حوالے ہے تمہیں ہدیہ کرتا ہوں، اور وہ اللہ کے بندے بھی ایسے تھے کہ گائے لے کر چلتے بنے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ

حضرت کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آیا۔ ایک مرتبہ دارالعلوم کے لیے تین سو روپے چندہ لے کر کہیں سے آرہے تھے، اس وقت کے تین سو روپے آج کے تین لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہوتے ہوں گے، وہ چوری ہوگئے تو بہت صدمہ ہوا کہ دارالعلوم کا نقصان ہوگیا انہوں نے اپنی جیب سے اس کو ادا کیا کہ کسی طریقے سے دارالعلوم کا نقصان نہ ہو، اساتذہ نے کہا کہ حضرت آپ پر کوئی تاوان نہیں آتا، آپ کے پاس امانت تھی جو ضائع ہوگئی، لیکن حضرت نہیں مانے، اساتذہ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ وہ حضرت کو سمجھائیں کہ خواہ مخواہ اپنے اوپر مصیبت ڈال رہے ہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ بھیجا کہ بھائی مسئلہ یہ ہے کہ امانت غفلت کے بغیر ضائع ہوجائے تو

تاوان نہیں آتا۔ لہٰذا اپنے اوپر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔ جب یہ فتویٰ حضرت کے پاس آیا تو فرمایا کہ کیا رشید احمد نے ساری فقہ میرے لیے پڑھی ہے؟ میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ اگر ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو وہ کیا کرتے؟ یعنی فتویٰ بے شک صحیح ہے، لیکن تقوی اور ورع کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کا تاوان ادا کروں۔

یہ وہ حضرات تھے جن کے تقوی، ورع واخلاص نے ہی اس دارالعلوم کو عند اللہ مقبولیت کا شرف عطا فرمایا۔

واقعات بیان کرنے کا مقصد

میں یہ واقعات اس لیے دہرا رہا ہوں کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اس دارالعلوم اور اس کے اکابر سے جو نسبت عطا فرمائی ہے اس کی برکت سے ہمیں ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ آج اگر کوئی شخص ہم پر یہ اعتراض کرے کہ یہ لوگ اہلِ مدارس بظاہر اس ملک کو پیچھے کی طرف لے جارہے ہیں، اور کہے کہ یہ لوگ بنیاد پرست اور زمانے کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، تو ہمارے پاس الحمد للہ تمام اعتراضات کا مکمل جواب موجود ہے، لیکن اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کی زندگیوں میں اتباع سنت کی جھلک موجود نہیں ہے تو میرے عزیزو اور دوستو! ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے، آج ساری دنیا میں ایک تحریک کے ذریعے دینی مدارس کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور طرح طرح کے الزامات عائد کیے جارہے ہیں، لیکن مجھے تو اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے اور پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی طاقت دینی مدارس کو ختم نہیں کرسکتی، دینی مدارس عمارتوں

اور درودیوار کا نام نہیں، بلکہ اس استاذ اور شاگرد کا نام ہے جو انار کے درخت کے نیچے بھی درس گاہ کی بنیاد ڈال دیتے ہیں، اس لیے کوئی طاقت دینی مدارس کو ختم نہیں کرسکتی۔

اگر خدانخواستہ۔۔۔

لیکن اگر خدانخواستہ ہمارے حالات بدلے، ہماری زندگیاں تبدیل ہوگئیں، ہم نے اتباعِ سنت کا راستہ چھوڑ دیا اور طریقۂ اکابر کو خیرباد کہہ دیا تو ہمیں بچانے والا کوئی نہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہمیں انتہائی احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے اور اپنی زندگی اور طرزِ عمل کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر لانا ہے ورنہ اس کے بعد ہمارے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل

ابھی مجھ سے میرے محترم بزرگ مولانا ریاست علی صاحب نے فرمایا کہ تم ساری دنیا میں گھومتے ہو، مجھے بتاؤ کہ ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کیسے نظر آرہا ہے؟ تو بھائیو! مستقبل کی خبر تو اللہ جانے، لیکن میں تو اتنا جانتا ہوں کہ آج دنیا میں دو موافق اور مخالف لہریں چل رہی ہیں: ایک لہر دین اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف پورے زور وشور اور مکمل وسائل کے ساتھ چل رہی ہے، اور بے دینی کا یہ حال ہے کہ ہم ایک مسلمان ملک میں خیر سگالی وفد کا حصہ بن کر گئے، تو ہم نے اس ملک کے صدرِ مملکت جو کہ مسلمان تھے ان کو ہدیہ دینا چاہا تو اس کے لیے یہ طے کیا کہ قرآنِ کریم ہدیہ میں پیش

کریں گے۔ لہٰذا ہم نے ایک بہترین طباعت والا قرآن شریف کا نسخہ لیا اور وہ صدرِ مملکت کو ہدیہ میں پیش کیا، سر براہانِ مملکت کا یہ قاعدہ ہوتا ہے اگر ان کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ ان تک پہنچنے سے پہلے سکیورٹی کے لوگ اس کو اچھی طرح جانچتے ہیں کہ اس میں کوئی نقصان دہ چیز تو نہیں ہے، جب قرآنِ کریم ان کے پاس گیا تو انہوں نے اس کو واپس کر دیا اور کہا کہ آپ یہ ہدیہ پیش نہیں کر سکتے، ہم نے وجہ معلوم کی تو کہا گیا کہ ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے، اور اس میں ہم قرآن کا نسخہ صدرِ مملکت کو پیش کریں گے تو یہ سیکولرزم کا مذاق ہے، اور جو غیر مسلم یہاں رہتے ہیں وہ ناراض ہوں گے۔

تو دیکھیے! مسلمان ملک ہے، مسلمان صدرِ مملکت ہے، لیکن قرآنِ کریم کا ہدیہ لینے کے لیے تیار نہیں ہے، یہ حال ہے دین سے دوری کا میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے اُس وقت کتنا صدمہ ہوا کہ ایک مسلمان قرآن کو قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے۔

ان شاء اللہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کامیاب ہے

میں اسی صدمے سے نڈھال بیٹھا ہوا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے، نماز سے پہلے ہم نے دیکھا کہ مسجد نوجوانوں سے بھری ہوئی ہے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ان کے حلقے بنے اور اس میں ایک ایک لڑکا کھڑا ہو گیا، میں نے پوچھا کیا قصہ ہے؟ تو کہا گیا کہ یہ نوجوانوں کی تنظیم ہے، اور ہر نماز کے بعد ہر مسجد میں یہ سلسلہ ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر دینی کتاب پڑھتے اور سناتے ہیں اور مجھے معلوم ہوا کہ دن

بدن ان کی یہ تنظیم ترقی کی منازل طے کررہی ہے، میں نے کہا دیکھو! اوپر کیا ہورہا ہے اور نیچے نوجوانوں میں دین کی طرف بڑھنے کا کیا جذبہ ہے، یہ مختلف لہریں ہیں جو دنیا میں چل رہی ہیں، لیکن میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے اگر ہم نے ایمان اور حکمت کے تقاضوں پر عمل کیا اور ان دونوں کا دامن نہ چھوڑا تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ دینِ اسلام کا مستقبل بڑا کامیاب ہوگا۔ خدانخواستہ نقصان اگر پہنچے گا تو ایمان یا حکمت کے تقاضوں کو توڑنے سے پہنچے گا۔

جذباتی فکر وطرزِ عمل نقصان دہ ہے

آج کل ہمارے مسلم معاشرے میں ایک جذباتی فکر اور جذباتی طرزِ عمل پیدا ہورہا ہے جو کہ حکمت کے سراسر خلاف ہے، اور اس کے نتیجے میں دینِ اسلام کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچ رہا ہے، آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ اگر کوئی جذباتی نعرہ لگائے تو لوگ خصوصاً مسلم نوجوان اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، حالانکہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جذباتی نعروں کی ڈور کس سے جاکر ملتی ہے؟ کھڑے کھڑے کسی سازش کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لیے میرے بھائیو! میری گزارش ہے کہ اگر دو چیزیں یعنی ایمان اور حکمت کا دامن ہم نے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا تو ان شاء اللہ دین اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل بہت ہی تابناک ہوگا۔

اپنی زندگی کو پرکشش بنائیں

لہٰذا آپ اس بات کی کوشش کریں کہ جذباتی نعروں سے دور رہ کر اپنے

اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی کو پرکشش بنائیں، اور اپنی زندگی کو پرکشش بنانے کا راستہ یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں، خواہ معاملات ومعاشرت سے متعلق ہوں، خواہ اخلاقیات سے متعلق ہوں ان کی مجسم تصویر ہم میں سے ہر ایک کو بننا ہے۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں میں کشش پیدا ہو کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں تہذیب ہے، متانت ہے، سلیقہ ہے۔ دنیا میں لوگوں نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ دینِ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، لیکن افسوس کہ آج ہم اخلاق وکردار کے دامن کو چھوڑ رہے ہیں اور ہم دعوتِ اسلام دینے کے بجائے دعوتِ اسلام کے راستہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اس سے ہمیں بہت ہی بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے۔

باطل کے ابھرنے کی وجہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ باطل میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ وہ ابھرے

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً (۱)

باطل مٹنے والا ہے، وہ غالب نہیں، بلکہ مغلوب ہونے والا ہے لیکن اگر تم کسی باطل قوم کو دیکھو کہ وہ ابھر رہی ہے، تو سمجھ لو کہ کوئی حق بات اس کے ساتھ لگ گئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے ورنہ باطل میں ابھرنے کی کوئی صلاحیت اور طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار العمل بنایا ہے، اس میں انسان جیسا عمل کرتا ہے ویسا پھل پاتا ہے آخرت کا معاملہ اور ہے، وہاں اچھے بدلہ کے

---

(۱) سورۃ الإسراء آیت (۸۱)۔

لیے ایمان شرط ہے، لہٰذا فرماتے ہیں کہ آج یہ جو باطل اقوام دنیا میں پھل پھول رہی ہیں، یہ درحقیقت اپنے باطل کی وجہ سے نہیں، بلکہ کچھ حق چیزیں انہوں نے اپنی زندگیوں میں اپنالی ہیں، اور وہ حق چیزیں دراصل ہمارے دین کی تعلیم ہیں، دیانت وامانت، جہد وعمل، نظم وضبط، سلیقہ کو انہوں نے اختیار کرلیا ہے، اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو اس طریقہ سے ڈھال لیا ہے، جس میں دیانت وامانت وغیرہ ہے جب وہ تجارت کریں گے تو دیانت کے ساتھ کریں گے جھوٹ نہیں بولیں گے، وہ تجارت چاہے کتنی ہی اونچی ہو، میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ نظم وضبط ان میں اتنا کہ جہاں کہیں کسی مشترک کام کے لیے جمع ہوں تو فوراً لائن لگالیں گے، اور ساری مغربی دنیا مانتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگیوں میں جو ترتیب اور نظم وضبط پیدا کرلیا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں موقع دے دیا۔ اور فرمایا کہ جس طرح باطل میں ابھرنے کی طاقت نہیں، اسی طرح حق میں مغلوب ہونے کی صفت نہیں۔ حق تو غالب ہونے کے لیے آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں اگر حق کو کہیں دیکھو کہ ابھرنے کے بجائے مغلوب ہوتا جارہا ہے تو سمجھو کہ ضرور کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے، جس نے اس کو گرادیا ہے تو میری آپ سے گزارش ہے کہ مستقبل ہمارا روشن اور تابناک ہوگا، بشرطیکہ ہم اپنے حق کے ساتھ کسی باطل چیز کی آمیزش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدارسِ دینیہ میں عصری تعلیم

(خطباتِ دورۂ ہندص ۱۷۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارسِ دینیہ میں عصری تعلیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

حضرات علمائے کرام، اراکینِ جامعہ دارالسلام، اساتذۂ کرام اور میرے عزیز طالبِ علم ساتھیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ! میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں اور بڑی مسرت محسوس ہورہی ہے کہ اس مبارک مدرسے میں آپ حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

ابھی جامعہ دار السلام کا تعارف پیش کیا گیا اور اس کے جو امتیازات خاص طور پر بیان کیے گئے، وہ میرے لیے اور امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے بہت ہی مسرّت انگیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مقاصد میں جامعہ کو مکمل کامیابی عطا فرمائے۔

جامعہ کی پہلی خصوصیت

تعارف میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ جامعہ دار السلام میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے درمیان مسلکی اختلافات کو جس طرح وجہ نزاع بنایا گیا ہے، اس کا مقابلہ کیا جائے اور مسلکی اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں میں باہمی محبت اور مشترک مقاصد کے تحت اتحاد اور یگانگت کا مظاہرہ ہو، یہ بہت ہی عظیم مقصد ہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھنے پر میں تہِ دل سے اس جامعہ کے ذمے دار حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلکی اختلافات ہوں یا نظریاتی اختلافات، ایک ایسی چیز ہیں جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس موضوع پر میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ ''وحدتِ امت'' کے نام سے موجود ہے درحقیقت یہ والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر تھی، حضرت مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک دردمند اہلِ حدیث عالم تھے۔ ان کا فیصل آباد جو پہلے لائل پور کے نام سے مشہور تھا، اس شہر میں ان کا ایک مدرسہ تھا، اس مدرسے کی ایک تقریب میں حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ اور اس میں انہوں نے فرمایا تھا: ''اگر کسی شخص کے دل میں یہ خواہش ہے کہ نظریاتی اختلافات مٹ

جائیں تو یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نظریاتی اختلافات کا مٹ جانا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو سب بے عقل ہوجائیں یا بد دیانت ہوجائیں''۔

تو ظاہر ہے کہ وہ کیا اختلاف کرے گا اگر عقل ہی نہیں ہے، اس کے پاس دوسرے آدمی کی تائید کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہوگا۔ یا پھر بد دیانت ہوجائے، یعنی عقلی طور پر اختلاف رکھنے کے باوجود اس کے دل میں اس اختلاف کو واضح کرنے جرأت نہیں ہوگی۔ اگر عقل بھی ہو اور دیانت بھی ہو تو رائے کا اختلاف ناگزیر ہے، اس لیے کہ طرزِ فکر میں، سوچنے سمجھنے کے انداز میں، انسانوں کے مزاج اور مذاق میں اختلاف ہوتا ہی ہے، لہٰذا یہ اختلاف ناگزیر ہے۔نہ یہ مذموم ہے اور نہ یہ کوئی قابلِ نفرت چیز ہے، اس اختلاف کا اظہار بھی اگر حدود کے اندر ہوتو وہ ہرگز مذموم نہیں ہے۔

جہاں سے خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ اس اختلاف کو شقاق اور باہمی نفرتوں کا ذریعہ بنالیا جائے۔ چونکہ فلاں سے میرا اختلاف ہے، لہٰذا میں اس کے پاس بیٹھوں گا نہیں، اس کے گھر نہیں جاؤں گا، اس کی بات سنوں گا نہیں اور مشترک مقاصد کے اندر بھی اس کے ساتھ تعاون نہیں کروں گا۔ یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار پیدا کرتی ہے۔

اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی تھا لیکن۔۔۔

دیکھیے! اختلاف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی موجود تھا، یہاں تک کہ نماز جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کے طریقے میں بھی ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک

طریقے پر کاربند تھے تو دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ دوسرے طریقے پر، لیکن اس اختلاف کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق قرآنِ کریم نے شہادت دی ہے

"رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ"(۱)

وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم دل تھے اور شیر وشکر ہوکر رہتے تھے۔اس اختلافِ رائے کے باوجود حضرت امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے جَامِعْ بَيَانِ الْعِلْمِ وَفَضْلِه(۲) کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات کو ذکر کرکے فرمایا ہے کہ ان اختلافات کے باوجود کبھی آج تک نہیں سنا گیا اور نہ ایسی کوئی روایت ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے پیچھے اس بنا پر نماز پڑھنے سے اعراض کیا ہو کہ ان کا مسلک دوسرے سے مختلف ہے سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنی رائے کے برخلاف نماز پڑھی اور فرمایا "اَلْاِخْتِلَافُ شَرٌّ" اختلاف پیدا کرنا اچھی بات نہیں،غرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اُسوہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس اسوہ کو اپنایا جائے تو اللہ کے فضل وکرم سے مسلکی اختلافات، خاص طور پر جہاں راجح اور مرجوح کا اختلاف ہے وہ کبھی بھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف وانتشار کا سبب نہیں بنے گا۔

اختلافات کے درجات

اختلافات میں بھی درجات ہوتے ہیں، ایک راجح اور مرجوح کا اختلاف

(۱) سورۃ الفتح آیت(۲۹)۔
(۲) ملاحظہ ہو جامع بیان العلم وفضلہ ۸۹۸/۲تا۹۲۷ طبع دار ابن الجوزی السعودیۃ۔

ہے، جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافات ہوئے اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلافات تھے۔ دوسرا حق و باطل کا اختلاف ہے، ایک جانب حق ہے اور دوسری جانب باطل، لیکن اس حق و باطل کے اختلاف کے بھی درجات ہیں، کوئی اختلاف حق و باطل کا ایسا ہوتا ہے، کہ باطل ایسا سنگین ہوتا ہے کہ انسان کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے تو اس اختلاف کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج تو نہیں کرتا، لیکن وہ گمراہی تک پہنچا دیتا ہے یہ اختلاف بھی اپنی جگہ پر اہم اختلاف ہے، لیکن اس کے رد کا طریقہ یہ ہے کہ باطل کو باطل کہا جائے اور حق کو حق لیکن لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے، اور تشدد کی کارروائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے، ایک دوسرے کو سب وشتم کرنے سے، ایک دوسرے کے اکابر کو لعنت کا نشانہ بنانے سے پرہیز کیا جائے تو یہ معاملہ ختم ہوسکتا ہے۔

اختلاف سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کل ہی میں یہ بات بیان کر رہا تھا ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں''۔ نہ چھیڑنے کے یہ معنی نہیں کہ علمی تنقید نہ کی جائے، بلکہ تنقید کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اسے ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے اور اس میں کشادہ دلی کے ساتھ تنقید کو برداشت بھی کرنا چاہیے، لیکن نہ چھیڑنے کے معنی یہ ہیں کہ علمی تنقید کے بجائے اس کو سب وشتم اور ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی کا ذریعہ بنالیا جائے۔ یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں

میں اختلاف پیدا کرتی ہے۔ اگر اس لائحۂ عمل پر کاربند ہوجائیں جیسا کہ ہمارے دوست نے ابھی فرمایا کہ ان شاء اللہ مسلمانوں کے اختلاف و اتحاد کے مشترک مسائل میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

دعوت کے پیغمبرانہ اسلوب سے فتنہ پیدا نہیں ہوتا

اور پھر کوئی چیز باطل ہے تو اس کی تردید کے لیے بھی اگر پیغمبرانہ دعوت کا اسلوب اختیار کیا جائے تو باطل کی تردید سے بھی کوئی فتنہ اور کوئی انتشار پیدا نہیں ہوگا۔ میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے اور تمہارا مخالف فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا تو یہ فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (۱)

اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ پیغمبر کو یہ ہدایت دی جارہی ہے، وہ فرعون جس کے بارے میں اللہ کے علمِ ازلی میں یہ بات تھی کہ ہدایت اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ نرمی سے بات کرو اور یوں فرمایا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرلے اور ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوجائے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ نصیحت حاصل نہیں کرے گا اور خدا کا خوف مرتے دم تک اس کے دل میں نہیں

(۱) سورۃ طٰہٰ آیت (۴۴)۔

آئے گا۔ لیکن چونکہ داعی کو بھیجا جارہا تھا، دعوت کے لیے بھیجا جارہا تھا، اس لیے یہ نصیحت کی گئی اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ داعی کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، اسے اس بات کی امید رکھنی چاہیے کہ جس کو وہ دعوت دے رہا ہے شاید وہ نصیحت حاصل کرلے اور شاید اس کو خدا کا خوف حاصل ہوجائے۔ اگر اس پیغمبرانہ دعوت کے اسلوب کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے دے اور ہم اسے اختیار کرلیں تو پھر کوئی جھگڑا اور فساد پیدا نہیں ہوگا۔

جامعہ کی دوسری خصوصیت

دوسرا امتیاز اس جامعہ کا یہ بتایا گیا کہ الحمدللہ اس میں دینی اور عصری علوم کا ایک حسین امتزاج قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی ایک بہت اہم بات ہے اور چونکہ مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ میں اپنی رائے کا اظہار کروں تو اس سلسلے میں چند ضروری گزارشات پیش کرتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نعرہ آج اطراف عالم میں اٹھایا جاتا ہے کہ مدارس صرف دینی علم کی حد تک محدود ہوکر رہ گئے ہیں، جب کہ ان کو مروجہ عصری علوم کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ جو لوگ یہ نعرہ لگاتے ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ان قسموں کے درمیان امتیاز ضروری ہے۔ اگر ان میں امتیاز پیدا نہ کیا جائے تو ایسا کنفیوژن پیدا ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں آدمی کی لائن ہٹ جاتی ہے۔

بعض حضرات وہ ہیں جو عصری علوم کو اسلامی مدارس میں داخل کرنے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ایک انسان صرف عالم دین ہو، ڈاکٹر نہ ہو، انجینئر نہ ہو اور دوسرے علوم کا ماہر نہ ہو اس کو سب کچھ ہونا چاہیے۔ بعض لوگ

اس کے لیے قدیم زمانے کے علماء کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو کہ وہ بیک وقت فلسفہ کے استاذ بھی تھے اور محدث بھی تھے، مفسر بھی تھے، ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دینی مدارس کو بیک وقت عالم، ڈاکٹر اور انجینئرز پیدا کرنے چاہئیں۔

میرا اُن سے سوال

میں ان سے پوچھا کرتا ہوں کہ بھائی قانون کی تعلیم کے لیے اگر کوئی لاء کالج قائم کیا گیا ہے، وہاں کبھی آپ نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ اس لاء کالج میں صرف قانون دان ہی پیدا ہوتے ہیں، ڈاکٹر پیدا نہیں ہوتے، اگر کہیں میڈیکل کالج قائم کیا گیا ہے، تو آپ نے وہاں یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں صرف ڈاکٹر پیدا ہوتے ہیں اور کوئی انجینئرنگ کالج ہے تو وہاں آپ نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں صرف انجینئر پیدا ہورہے ہیں۔ یہ سارا نزلہ دینی مدارس ہی پر کیوں گرتا ہے کہ یہاں سے جو طالبِ علم فارغ ہو وہ بیک وقت عالم بھی ہو، ڈاکٹر بھی ہو، انجینئر بھی ہو اور لائر (قانون دان) بھی ہو۔ ان دونوں کے اندر آخر وجہ فرق کیا ہے؟

وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بیچارے یہ نہیں سمجھتے کہ دینی مدارس کا مقصود درحقیقت دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے۔ایک خاص فیلڈ کے اندر ماہرین پیدا کرنا ہے، معاشرے کو جہاں میڈیکل کے ماہرین درکار ہیں، وہیں ایسے لوگ بھی درکار ہیں جو علومِ قرآن وسنت کے ماہر ہوں۔ جب ایک آدمی ایک فیلڈ میں ماہر ہے تو اس سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ دوسری فیلڈ کا بھی ماہر ہو، یہ بالکل غیر منطقی

مطالبہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہاں بہت کچھ ہو یہ مدارس کے مزاج اور اس کے مقصد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، لہٰذا یہ بات یہاں اس لحاظ سے درست نہیں۔

دوسرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دینی مدارس کے لوگوں کو فارغ ہونے کے بعد ذریعۂ معاش یا تو مسجدوں میں ملتا ہے یا مدرسوں میں ملتا ہے۔ کیوں نہ ان کو کوئی ہنر سکھا دیا جائے، جیسے گھڑی سازی، تاکہ اس کے ذریعے اپنے معاش کا انتظام کرسکیں تو حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جس فیلڈ کے اندر تعلیم حاصل کرتا ہے، فطری بات ہے کہ اس فیلڈ سے اس کا ذریعہ معاش بھی وابستہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ علمائے کرام تعلیم تو مفت دیں، مسجد میں امامت اور خطابت مفت کریں، مدرسوں میں مفت پڑھائیں، اور اپنے معاش کے لیے گھڑی سازی یا جلد سازی کا کام کرلیں تو اس کا یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ انسان جس فیلڈ کا ماہر ہوتا ہے اسی فیلڈ کے ذریعے اللہ اس کا معاش پیدا کرتا ہے۔ جو معاشرہ ان سے خدمات لیتا ہے ان کی معاشی ضروریات کا بھی انتظام کرنا معاشرے کے ذمہ ہے۔ اگر کسی ڈاکٹر سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم لوگوں کا علاج مفت کیا کرو اور کوئی فیس نہ لیا کرو اور خدمتِ خلق کرو اور ذریعۂ معاش کے لیے گھڑی سازی کی دوکان کھول لو یا جلد بندی کا کام کرلو تو جس طرح ڈاکٹر سے یہ مطالبہ کرنا غیر منطقی ہے اسی طرح دینی مدارس میں پڑھنے والوں سے یہ مطالبہ بھی غیر منطقی ہے۔

عصری علوم کی تعلیم کس نقطہ نظر سے برحق ہے؟

لیکن تیسری ایک بات جو ابھی میرے دوست نے ارشاد فرمائی جو بالکل

برحق ہے، وہ یہ کہ عالم کو بحیثیتِ عالم دین اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنے زمانے کے مزاج ونفسیات سے پوری طرح واقف ہونا ضروری ہے، اگر کوئی شخص مخاطب کی نفسیات، اس کی ذہنیت اور مزاج سے واقف نہیں ہے تو وہ ان کے سامنے مؤثر بات نہیں کہہ سکتا اور یہ فرمایا کہ:

"کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ"

لوگوں سے بات کرو تو ان کی ذہنیت کے اندازے کے لحاظ سے بات کرو۔ یہ صرف اپنے خصوصی میدان میں علم دین اور اس کی نشر واشاعت اور اس کی طرف دعوت میں ضرورت اور اہل زمانہ کی ضروریات اور ان کے مزاج سے باخبر ہونے کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ ان عصری علوم کو اپنا ذریعہ معاش اور خصوصی میدان بنائے اس کے بغیر اگر کوئی بات کرے تو وہ مؤثر نہیں ہوگی اور یہی تو سیاق ہے جس میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ میں نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

"مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اَهْلَ زَمَانِهٖ فَهُوَ جَاهِلٌ"(۱)

"جو شخص اپنے اہلِ زمانہ کو نہ پہچانتا ہو وہ جاہل ہے"۔

یہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ شامی کا جملہ ہے یہ اس لیے کہ اگر آپ صورتِ مسئلہ سے واقف نہیں، لوگوں کی حاجات وضروریات اور جوصورتِ حال پائی جارہی ہے اس کو آپ نہیں سمجھیں گے تو پھر فتویٰ کیسے دیں گے؟ کیسے اس کے

---

(۱) قال العلامة الشامی فی رد المحتار ۳۵۹/۵ وقد قالوا "من جهل باهل زمانه فهو جاهل"۔

بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینی ہے تو آپ کو اُن فکری گمراہیوں کو سمجھنا ہوگا جن فکری گمراہیوں کے نتیجے میں لوگ غلط راستے پر جارہے ہیں، انہیں سمجھے بغیر آپ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس نقطۂ نظر سے بعض عصری علوم پڑھائے جائیں، تو عین برحق ہے، نہ صرف برحق ہے بلکہ وہ ہماری عظیم ضرورت ہے۔

اس وقت کی صورتِ حال

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کے پورے نظام میں اور دنیا کے طرز زندگی میں ایسی انقلابی تبدیلیاں، پچھلی ایک صدی کے اندر آئی ہیں جو ہزارہا سال میں بھی نہیں آئیں، ہزارہا سال تک دنیا کے اندر جو تبدیلیاں اور جو انقلابات آئے ہیں وہ ایک طرف رکھ دیں تو یقیناً ان انقلابات کا پلڑا بھاری رہے گا۔ مشین کی ایجاد، مشینی زندگی، اور تمدن کی ترقی اور مختلف ٹیکنالوجیز کے وجود میں آنے کی وجہ سے ایسے بے شمار مسائل پیدا ہورہے ہیں کہ ان کا حل اس وقت تک تلاش نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ ان کی گہرائی میں جاکر دیکھا نہ جائے۔

اس نقطۂ نظر سے ایک عالم کا فریضہ ہے کہ وہ صورت حال کو سمجھے اور اس کے لیے اس کا حل پیش کرے اور لوگوں کو بتائے۔ مثلاً دیکھیے! اب بازار کے اندر جو معاملات چل رہے ہیں تاجروں کے درمیان اور اس وقت دنیا ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہوچکی ہے۔ پہلے زمانے میں جن فاصلوں کو طے کرنے لیے سال درکار ہوتے تھے، آج گھنٹوں میں طے ہوجاتے ہیں۔ اور مواصلات کے ذرائع ٹیلی فون، فیکس، انٹرنیٹ نے وہ قرب پیدا کردیا ہے کہ ساری دنیا ایک دوسرے

کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ اس صورت حال میں جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں اگر ان کو گہرائی میں جا کر نہیں سمجھا جائے گا، تو اس صورت میں ہم کبھی کسی فقہی مسئلہ کا صحیح جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے، اسی طرح طب میں میڈیکل سائنس نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں، نئی نئی دوائیں وجود میں آ رہی ہیں، نئی نئی ٹیکنالوجیز سامنے آ رہی ہیں جب تک ان کو سمجھا نہیں جائے گا تب تک ہم امت کے مسائل کو حل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج ہم کسی مسئلے کی گہرائی میں جا کر سمجھنے کے بجائے آسانی اسی میں سمجھتے ہیں کہ یہ چیز بظاہر تو غلط ہی نظر آ رہی ہے لہٰذا اس کو حرام کہہ دو لیکن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَنَا الرُّخْصَةُ مِنْ ثِقَةٍ"(۱)

ہمارے نزدیک علم اس کا نام ہے کہ جس ثقہ شخص کے علم وتقویٰ پر اعتماد کیا جا سکتا ہو وہ لوگوں کے لیے حتی الامکان شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سہولت کا راستہ نکالے پھر فرمایا:

"اَمَّا التَّشْدِيْدُ فَيُحْسِنُه كُلُّ اَحَدٍ"

یعنی صرف اتنا کہہ دینا کہ یہ چیز حرام ہے، یہ کام تو ہر ایک کو آتا ہے، لیکن امت کی نبض پر جس کا ہاتھ ہو اور عالم کو ایسا ہونا چاہیے جب اس طرح کا کوئی

(۱) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۳۶۷/۶۔

مسئلہ پیش آئے تو علم کی گہرائی میں جا کر اس کو تلاش کرے، اس کی حقیقتِ حال تک پہنچنے کی کوشش کرے پھر کوئی جواب دے اور لوگوں کے لیے حتی الامکان آسانی کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرے، لیکن آسانی کا راستہ ظاہر ہے کہ ان حدود اور ان اصولوں کے درمیان میں رہتے ہوئے تلاش کیا جائے گا جو قرآن و سنت نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ غرض یہ کہ اس نقطۂ نظر سے عصری علوم کا پڑھانا اور اس کی تعلیم دینا یہ خود علم دین کا حصہ ہے۔

کسی زمانے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ درس نظامی میں منطق بھی پڑھائی جاتی تھی، اب بھی بعض مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے، فلسفہ یا منطق کا دین سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، وہ بالکل ہی الگ علوم ہیں، بلکہ فلسفہ کے بطلان پر دلائل قائم ہیں، لیکن وہ ہمارے مدارس میں پڑھائے گئے کیوں؟ اس لیے پڑھائے گئے کہ اس زمانے میں یونانی فلسفہ کا رواج تھا اور یونانی فلسفہ کے راستہ سے بہت سی گمراہیاں مسلم معاشرے میں آ رہی تھیں، اور علماء کے لیے ضروری سمجھا گیا تھا کہ اس یونانی فلسفہ کو سمجھیں اور سمجھ کر اس کا توڑ پیش کریں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے یونانی فلسفے کا توڑ اسی زبان میں پیش کیا، جب اس نقطۂ نظر سے عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں تو وہ عصری علوم بھی عبادت بن جاتے ہیں، اور دینی علم کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔

عصری علوم بھی دین کا ایک حصہ ہیں

مجھے یاد آیا کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ ایک

مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں منطق کی کوئی کتاب پڑھا رہے تھے، اتنے میں کوئی صاحب آئے اور انہوں نے ذکر کیا کہ فلاں صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ان کے لیے کچھ ایصال ثواب کردیجئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی جو یہ سبق پڑھ رہے ہیں اس کا ثواب ان کو پہنچادو تو وہ سبق تھا منطق کا، لوگوں نے کہا: صاحب! کوئی قرآن یا حدیث پڑھ کر ثواب پہنچاؤ، یہ منطق پڑھ کر آپ ثواب پہنچا رہے ہیں، تو حضرت نے جواب دیا کہ بھئی ہماری نیت اس کو پڑھانے سے وہی ہے جو قرآن وحدیث کو پڑھانے سے ہے یعنی اللہ کو راضی کرنا ہے، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔ غرض یہ ہے کہ اگر نیت درست ہو عصری علوم بھی عصری علوم نہیں، بلکہ دینی علوم کا ایک حصہ ہیں اور دین کے علوم جس مقصد سے پڑھائے جارہے ہیں اسی مقصد کے تحت اس کی تعلیم دی جارہی ہو تو انشاء اللہ اس پر بھی اجروثواب کی امید ہے، اس لیے میں آپ کو اس پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس میں اعتدال کے راستہ کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح مقصد پر قائم رکھے اور اس میں ترقی عطا فرمائے۔

نیت کے بگاڑ کا نتیجہ

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ ماضی میں قدیم وجدید علوم کے امتزاج اور ان دونوں کو جمع کرنے کی بہت سی کوششیں ناکام ہوئیں، ان سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے، ان کی ناکامی کی میری نظر میں بنیادی وجوہ دو ہیں۔

ایک بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ شروع ہی سے نقطۂ نظر ہی غلط تھا، لہٰذا وہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ بعض جگہ ان دونوں علوم کو جمع کیا گیا اور مقصود یہ تھا کہ

سرکاری دفاتر میں ملازمتیں مل جائیں وغیرہ، لہٰذا خالص ٹھیٹ دینی مزاج جو مدارس سے پیدا ہونا چاہیے تھا وہ مزاج پیدا نہ ہوسکا، اور بعض جگہ اس وجہ سے خرابی پیدا ہوئی کہ جدت پسندی کے شوق میں اپنے متوارث مزاج ومذاق کو قربان کردیا گیا۔

دینی مدارس کی اصل روح تعلق مع اللہ ہے

دینی مدارس کی اصل روح محض علم نہیں، بلکہ اس کی اصل روح تعلق مع اللہ، اللہ کی طرف رجوع ہے، اتباعِ سنتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اگر اس روح کو قربان کردیا جائے تو جدت پسندی کے شوق میں اس کا مطلوبہ نتیجہ جو کہ مقصود ہے، وہ حاصل نہیں ہوگا،لیکن جہاں اس بات کا اہتمام ہو کہ ان شاء اللہ ہمارے مزاج، طرزِ عمل اور مجموعی ماحول میں اتباعِ سنت کا رنگ غالب رہے گا، قرآن وسنت ہی اس کی اصل بنیاد اور عصری علوم کو محض ایک ضرورت کے تحت اختیار کررہے ہیں،اور علوم کے ساتھ جو مزاج وابستہ کردیا گیا ہے بیرونی دنیا میں اس سے ہم متاثر نہیں ہوں گے تو ان شاء اللہ یہ تجربہ انتہائی کامیاب ہوگا۔

کسی بھی زبان یا علم کی ذات میں کوئی بے دینی نہیں ہوتی

کسی زبان یا کسی بھی علم کی اپنی ذات کے اندر کوئی بے دینی نہیں ہوتی، ایک زمانہ وہ تھا جب ہمارے یہاں انگریزی پڑھنے ہی کو منع کیا جاتا تھا، اس کی حقیقت یہ نہیں کہ صرف زبان میں بے دینی تھی، یا سائنس کے علم میں کوئی بے دینی ہے، یا مادیت کے علم میں بے دینی ہے، بے دینی درحقیقت اس ماحول

اور اس ذہنیت سے پیدا ہوتی ہے جس ذہنیت کے ساتھ وہ علوم مرتب کیے گئے اور جس ذہنیت کے ساتھ انہیں پڑھایا جاتا ہے، لیکن اگر انہی علوم کو صحیح ذہنیت کے ساتھ مرتب کیا جائے اور صحیح ذہنیت کے ساتھ پڑھایا جائے تو وہ انسان کو بے دینی کی طرف لے جانے کے بجائے دین کی طرف لے جائیں گے، سائنس کے جو علوم ہیں اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے بہترین ذریعہ ہیں، اگر انسان اپنے نفس کا جائزہ لے قرآن مجید خود کہتا ہے:

وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ (۱)

یعنی خود تمہارے وجود میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں، تو کیا پھر بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟

تو انسان کے جسم کے اندر جو کارخانہ اللہ نے لگایا ہے اس کی معرفت کے نتیجے میں اللہ کی معرفت ضرور حاصل ہوگی، لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جن لوگوں نے سائنس کو بام عرج تک پہنچایا، وہ خود خدا کے منکر ہو گئے، اور سائنس کو اس طرح ترتیب دیا کہ وہ اللہ تک پہنچانے کے بجائے بے دینی کی طرف لے گئے، لیکن ایک سلیم الفطرت انسان اس کو اس طرح ترتیب دے اور اس طرح پڑھائے جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہو تو یہ اللہ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

جامعہ کی تیسری خصوصیت

تیسرا امتیاز جو جامعہ کا بیان فرمایا گیا وہ ماشاء اللہ خاص طور پر غیر مسلموں

---

(۱) سورۃ الذاریات آیت (۲۱)۔

میں دعوت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے یہ تو ایسی بات ہے اس پر جتنی مبارک باد دی جائے کم ہے۔

"لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيرٌ لَكَ مِنْ حمرِ النِّعَمِ"(۱)

یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑا احسان ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ہماری بہت بڑی کوتاہی ہے کہ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں اس کی بہت ضرورت ہے لیکن ہم اس سے غافل ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس میں اگر وہ طریقہ اختیار کیا جاتا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا کہ جہاں گئے وہاں کے سارے ماحول کو بدل دیا اور وہاں ایمان کی روشنی پھیلادی تو ہندوستان میں وہ صورتحال نہ ہوتی، جو آج ہے۔ لہٰذا اس طرف بڑی اہمیت کے ساتھ توجہ کی ضرورت ہے اور دینی مدارس پر یہ بہت اہم ذمے داری عائد ہوتی ہے، اس جامعہ نے ماشاء اللہ دعوت کا کام شروع کیا ہے تو یہ واقعی قابلِ تقلید ہے، دوسرے مدارس بھی اس کی تقلید کریں کہ تدریسی طریقے پر اپنے نظام کو بنائیں کہ یہاں کے اساتذہ وطلبہ لوگوں کو اسلام سے متعارف کرانے کے لیے اپنے اوقات صرف کریں تو ان شاء اللہ رفتہ رفتہ چراغ سے چراغ جلتے جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کام میں بھی اس جامعہ کو مکمل کامیابی عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱) صحیح البخاری ٤/٦٠ (٣٠٠٩)۔

اسلامی معاشی تبدیلیاں لانے کا طریقہ

چوتھی بات جو جناب عبد الرقیب صاحب نے فرمائی کہ میں عرض کروں کہ ملک میں اسلامی اقتصادی تبدیلیاں لانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے، صورت حال یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا جب کبھی یہ کہا جاتا تھا کہ سود حرام ہے اور بینکوں کے سود کو خاص طور پر حرام قرار دیا جاتا تھا، تو کہنے والے کہتے تھے کہ سود کے بغیر زندگی ناممکن ہے، اور معیشت کا پہیہ اس کے بغیر چل نہیں سکتا، اگر کبھی ہم غیر سودی بینک کاری کی بات کرتے تھے تو کہا جاتا تھا کہ یہ احمقوں کی جنت میں بستے ہیں، بھلا بغیر سود کے بھی کوئی بینک کاری ہوسکتی ہے، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے کچھ لوگ اس کام پر لگ گئے، اس میں تحقیق بھی کی، ریسرچ بھی کی، لوگوں میں غیر سودی بینک کاری کو متعارف کرانے اور معلومات مہیا کرنے کی بھی کوشش کی اور کچھ دردمند مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے کھڑا کیا، تو آج صورتِ حال یہ ہے کہ ساری دنیا میں ملا کر دو سو سے زیادہ اسلامی مالیاتی ادارے قائم ہوگئے، جو غیر سودی بنیادوں پر کام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب کے سب سو فیصد شرعی بنیادوں پر ہی کام کررہے ہیں، ان کے اندر کوئی غلطی نہیں، لیکن بحیثیتِ مجموعی غیر سودی بنکاری کی صنعت آج تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ اس کی سالانہ فروغ شرحِ نمو پندرہ فیصد سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے، جب کہ عام سودی بینکوں کی شرحِ نمو اس سے بہت کم ہے، یہاں تک کہ غیر اسلامی ملکوں میں بھی یہ بینک قائم ہورہے ہیں اور دنیا کے عالمی بینک، انٹرنیشنل، ملٹی نیشنل بینک اپنے یہاں اسلامی بینک کاری کے الگ الگ یونٹ قائم کررہے ہیں۔ سٹی

بینک، ایچ۔ ایس۔ بی۔ سی اور غرض جتنے مشہور عالمی بینک ہیں، ان سب نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔

غیر مسلموں کا اسلامی معیشت کی طرف بڑھتا ہوا رجحان

ایک مرتبہ ایک ملٹی نیشنل بینک کے سربراہ مجھ سے ملے اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے بینک کا ایک یونٹ اسلامی بینک کے سلسلہ میں قائم کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ہمیں اس سلسلہ میں مشورہ دیں کہ کیا طریقہ ہوسکتا ہے، وہ خود غیر مسلم تھے تو میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی آپ کیوں قائم کرنا چاہتے ہیں؟ آپ مسلمان تو ہیں نہیں تو جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ بھائی سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ تمہارے مذہب کے لوگ ہمارے گاہک ہیں ان میں خاص طور سے مڈل ایسٹ ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ سے اس وقت تک معاملہ نہیں کریں گے جب تک آپ اپنے یہاں اسلامی بینک کاری کا شعبہ قائم نہیں کرتے، تو اپنے گاہکوں کو بڑھانے کے لیے اور ان کی خواہش پوری کرنے کے لیے ہم یہ کام کررہے ہیں، اس سے پتہ یہ چلا کہ مسلمان تاجروں میں شعور پیدا ہوجائے تو یہ سب سے بڑا پریشر ہے جو وہ بینکوں پر ڈال سکتے ہیں کہ ہم اس وقت تک آپ کے ساتھ معاملہ نہیں کریں گے جب تک آپ اپنے ہاں غیر سودی بینکاری کا راستہ اختیار نہیں کریں گے، اس لیے میرے نزدیک دو کام اس وقت کرنے کے ہیں۔

پہلا کام! سود کی حرمت کا شعور پیدا کیا جائے

پہلا کام یہ کہ تاجروں میں سود کی حرمت کا شعور پیدا کیا جائے، اور اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ سود کتنا بڑا حرام ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے

بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلانِ جنگ فرمایا ہے[1] کہ جو نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلان جنگ کرے اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اللہ بچائے سود کا ایک درہم جو کسی نے لیا ہو وہ ۳۶ چھتیس مرتبہ اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے۔[2] یہ شعور پیدا کیا جائے کہ سود کتنی بڑی برائی ہے الحمدللہ مسلمانوں کی بڑی تعداد ہے، بڑی طاقت ہے یہ شعور پیدا ہو کہ مسلمان اپنی طاقت استعمال کریں، اور بینکوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ پہلے درجے میں اپنے یہاں کم از کم اس طرح کے یونٹ قائم کریں جب بینکوں پر دباؤ پڑے گا، تو بینک خود اپنی اپنی حکومتوں سے نمٹ لیں گے، اور ان سے اجازت لینے کے جو ذرائع ہیں خود تلاش کرلیں گے۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ شعور پیدا ہوجائے اور سود کی حرمت اور غیر سودی بینک کاری کی اہمیت پیدا ہوجائے۔

دوسرا کام! علماء بھی جدید معیشت کے مسائل سے واقف ہوں

دوسری بات مدارس دینیہ سے تعلق رکھتا ہے چونکہ ہر کام کا ایک طریقہ اور اسلوب ہوتا ہے اسکے معاملات کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ علماء کرام میں ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں جو اس میدان سے کما حقہ واقفیت رکھنے والے ہوں، اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ نصاب کے

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۷۹)۔

(۲) مسند احمد ۲۸۸/۳۶ (۲۱۹۵۷) والمعجم الاوسط للطبرانی ۳۰۹/۸ (۳۳۸۱) قال الهيثمی فی "مجمع الزوائد" ۱۱۷/٤ (٦۵۷۳) رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجال احمد رجال الصحیح۔

اندر بھی کچھ چیزیں شامل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے علاوہ اسپیشل کورسز کا اہتمام کیا جائے جن سے علمائے کرام کو جدید معیشت کے مسائل سے باخبر کیا جائے اور اس سلسلہ میں اب تک جو علمی اور فقہی تحقیقات ہوئی ہیں ان سے ان کو باخبر کیا جائے، ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد تیار ہوجائے جو ایک طرف آج کل کے معاملات میں اچھی بصیرت رکھتے ہوں، تاکہ جب کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اور کوئی ایسا مالیاتی ادارہ قائم ہوتو اس کی رہنمائی کے لیے علمائے کرام کی ایک اچھی تعداد موجود ہو، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے، میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان تمام مقاصدِ حسنہ میں مکمل کامیابی عطا فرمائے اور آپ کی جدوجہد کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عالم باعمل بنیے

(خطباتِ دورۂ ہند ص ۱۹۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم باعمل بنیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا إِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ

اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

حضرات علمائے کرام میرے عزیز طلباء اور معزز سامعین!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا شکر ہے کہ اس نے اس مبارک مدرسے میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی، جو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ہے۔ میں بچپن سے حضرت سے متعارف ہوں، اس لیے کہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی جو ڈاک آتی تھی ان میں اکثر وبیشتر کوئی نہ کوئی خط حضرت کا ہوتا تھا، شروع میں جو خط آتے تھے ان پر پیارم پیٹ لکھا ہوتا تھا بعد میں پرنامبٹ لکھا ہوا دیکھا تھا، لہٰذا مجھے حضرت سے اور پرنامبٹ سے بچپن ہی سے تعارف ہوگیا تھا اور پھر جب میں مشکوۃ شریف کا سال پڑھ کر فارغ ہوا۔ اگلے سال دورۂ حدیث کے درجے میں جانا تھا، شعبان کی چھٹیوں میں اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ حضرت مولانا کا ایک خط حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا ہوا تھا۔

ایک اہم سوال

اس خط میں ایک سوال حضرت نے حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۱۰۵)۔

آیا رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ خط کے ساتھ اسی مسئلے کے بارے میں ایک استفتا بھی تھا میں چونکہ رمضان کی چھٹیوں میں آیا ہوا تھا اور حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ اپنی مصروفیات کم کرکے زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گذاریں اور کوئی تحقیقی اور تصنیفی کام بھی رمضان میں نہیں کرتے تھے، لیکن چونکہ مسئلہ اہم تھا، اس لیے حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال سے کہ میری مشق بھی ہو جائے گی، مجھ سے فرمایا کہ اس سوال کا حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے جواب لکھ دو، میں نے کئی کتابیں دیکھیں گویا کتابوں کا ڈھیر لگ گیا اور بڑی محنت کے ساتھ اس سلسلے میں ایک مسودہ تیار کرکے حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور معمولی دو چار جگہ اصلاح کے بعد اس فتوے کو حضرت کی خدمت میں ارسال کیا اور خط لکھا یہ سوال میں نے اپنے بیٹے کے حوالے کیا تھا اور انہوں نے میری نگرانی میں حوالہ جات کے ساتھ یہ جواب لکھا ہے، تو گویا یہ میرا پہلا مقالہ یا پہلی تصنیف تھی، جس کا سبب بھی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنے تھے۔

اس لیے حضرت سے عقیدت ومحبت اور احسان مندی کا جو جذبہ اس وقت سے دل میں موجود ہے، اس کو بیان نہیں کرسکتا۔ اور تصور بھی نہیں تھا کہ کبھی ان کی جگہ پر یا ان کے مدرسے میں حاضری کی توفیق ہوگی، لیکن الحمد اللہ، اللہ تعالیٰ نے آج وہ موقع عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس مدرسے کو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

تنہا علم کسی کام کا نہیں

یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی کہ مدرسہ میں الحمد للہ صرف رسمی تعلیم کا ہی نہیں بلکہ تربیت کا بھی اچھا انتظام ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے صرف علم کسی کام کا نہیں جب تک کہ اس علم کے مطابق عمل نہ ہو اور عمل کے لیے تربیت ضروری ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت کا راز

دارالعلوم دیوبند کی جو خصوصیت اور فضیلت ہے وہ اسی وجہ ہے کہ اس میں صرف محض علم نہیں پڑھایا جاتا، بلکہ طلباء کی دینی و اخلاقی تربیت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت کا اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تنہاء علم فضیلت کا معیار ہوتا تو ابلیس سب سے افضل ہوتا، کیونکہ اس کے پاس علم بھی بہت تھا، لیکن وہ علم بھی کس کام کا جو اللہ کی نافرمانی اور معصیت کے ساتھ حاصل ہو، لہٰذا علم وہی ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ حاصل کیا جائے۔

میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک مقولہ سنا یا کرتے تھے اور یہ مقولہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے کہ

"نَادَی الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ فَاِنْ اَجَابَه وَاِلَّا ارْتَحَلَ "(۱)

کہ جب علم کسی کے پاس آتا ہے تو اپنے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے کہ تم بھی

(۱) ذم من لا یعمل بعلمہ ص ۳۸ (۱٤) واقتضاء العلم للخطیب ص ۳۵ (۴۰)۔

آجاؤ اگر وہ بھائی یعنی عمل اس کے پاس آجاتا ہے تو علم بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ بھائی عمل نہیں آتا تو علم بھی رخصت ہوجاتا ہے۔ یعنی علم کی حقیقت رخصت ہوجاتی ہے۔

علم وہ ہے جو انسان کو اللہ تک پہنچائے

میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ قرآنِ کریم میں سورۂ بقرہ میں جہاں یہودیوں کا ذکر آیا ہے وہاں ایک آیت ایسی ہے جس میں ان کے علم کا اثبات کیا ہے کہ ان کو علم حاصل ہے لیکن اگلی ہی آیت میں ان کے علم کی نفی کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۱)

یہودیوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کفر اور نفاق کو خریدے گا۔ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ جانتے ہیں کہ یہ جو پیسے لے کر تورات میں تحریف کرتے ہیں تو جو کوئی ایسا کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، یہاں کہا لَقَدْ عَلِمُوْا کہ ان کو یہ بات معلوم ہے تو گویا علم کا اثبات کیا اور لام تاکید اور قد جو دونوں تاکید کے لیے آتے ہیں ان کے ساتھ اثبات کیا کہ ان کو علم حاصل ہے۔ پھر فرمایا: وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کہ بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے، کاش کہ وہ جانتے، تو پہلے تو کہا گیا تھا کہ ان کو معلوم ہے، آخر میں فرمایا کہ کاش کہ وہ جانتے تو دونوں میں تعارض ہے تو

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۰۲)۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور فرمایا کہ اِفِی عَلِمُوْا میں فرمایا کہ علم کا ظاہر ان کو حاصل ہے لیکن علم کی حقیقت اور روح جو عمل سے ظاہر ہوتی ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ تو علم محض تحقیق، تصنیف، الفاظ ونقوش کا نام نہیں ہے، بلکہ درحقیقت علم وہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے۔

آج بھی دیکھو مغربی ملکوں میں بڑے بڑے ادارے بنے ہوئے ہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں اور ان میں اسلامک اسٹڈیز کے ڈپارٹمنٹ ہیں۔ مستشرقین اسلام کے بارے میں بڑی تحقیق وریسرچ کرتے ہیں، وہ ادارے میں نے خود دیکھے ہیں، ان کے کتب خانے ایسے ہیں کہ ہمارے مدارس کے کتب خانے اتنے اچھے نہیں ہوتے اور اتنی کتابیں نہیں ہوتیں جو ان کے پاس موجود ہیں، جو تحقیقی مقالے وہ لکھتے ہیں وہ ایسے ایسے حوالوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن کے نام بھی بعض اوقات ہمارے مدارس کے طلبا وعلماء کو معلوم نہیں ہوتے اور ان کی ساری کتابیں ہمارے مآثر کے حوالوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔

وہ علم کس کام کا جس سے ایمان نصیب نہ ہو

لیکن وہ علم کس کام جو انسان کو ایمان کی دولت بھی نہ دے سکے، سارا علم حاصل کرنے کے باوجود وہ لوگ کافر کے کافر ہیں، معلوم ہوا کہ صرف جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اور تربیت بھی ضروری ہے۔ اب یہ منظر بکثرت نظر آنے لگا ہے کہ ایک طالبِ علم ہے جو نورالایضاح اور قدوری سے لے کر، بلکہ اس سے بھی آگے ہدایہ، مشکوۃ اور بخاری تک ہر جگہ نماز

کا طریقہ پڑھتا ہے کہ نماز کا طریقہ کیا ہے، اس کے آداب کیا ہیں؟ لیکن عمل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں مسنون قرار دی گئی ہیں جو آداب بتائے گئے ہیں اس کی نماز ان مسنون چیزوں اور آداب کے مطابق نہیں ہوتی، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز وہی بے ڈھنگی ہی رہتی ہے، نہ اس میں آداب کا خیال ہوتا ہے اور نہ سنتوں کا لحاظ ہوتا ہے تو آپ بتایئے یہ علم کس کام کا؟ کیا صرف اس لیے کہ جب لوگوں کو پڑھائیں گے یا بتائیں گے تو اس وقت کام آئے گا، کیا علم اپنے لیے نہیں؟

جب تربیت نہ ہو

اگر تربیت نہ ہو تو ایسی ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، معلوم ہے کہ تکبر بُری چیز ہے، حسد بُری چیز ہے، غصہ ضرورت سے زیادہ کرنا بُری بات ہے۔ لیکن اپنا معاملہ کہیں پڑ جائے تو تکبر بھی آجاتا ہے، حسد بھی دل میں پیدا ہو جاتا ہے، زبان سے غلط باتیں بھی نکل جاتی ہیں۔ غیبت اور ضرورت سے زیادہ غصہ بھی آنے لگتا ہے۔ یہ ساری باتیں ہوتی ہیں باوجود اس علم کے کہ یہ چیزیں بُری ہیں، ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے، معلوم ہے کہ نظر کا غلط استعمال ناجائز ہے، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہ علم نظر کو بچاتا نہیں، اسی طرح بہت سی برائیاں معلوم ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں۔

طلبائے مدارس اسلامی اخلاق وکردار کا نمونہ پیش کریں

اسی لیے علم اور تدریس وغیرہ درحقیقت اسی وقت اپنے نتائج دیتے ہیں

جب ان کے ساتھ تربیت بھی ہو، اور الحمدللہ یہ سن کر مسرت ہوئی کہ اس مدرسے میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر ہم مدارسِ دینیہ میں اسلامی اخلاق و کردار کا نمونہ پیش نہ کرسکیں، تو بتائیے کہ دنیا اور کہاں جاکر دیکھے گی کہ اسلامی اخلاق اور کردار کیا ہیں؟ اگر ہمارے اندر نظم وضبط نہیں، اگر ہمارے اندر سلیقہ نہیں، اگر ہمارے اندر حلم اور بردباری نہیں، تواضع اور انکساری نہیں، اخلاص اور للّٰہیت نہیں، تو ہم دنیا کے سامنے اسلام کا کیا نمونہ پیش کریں گے؟

لہٰذا میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس تربیتی نظام سے طلبہ کو مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ بات بھی ضروری ہے کہ یہ طلبہ جو علم حاصل کررہے ہیں وہ محنت کے ساتھ ساتھ تکرار اور مطالعہ کا اہتمام بھی رکھیں۔ اساتذۂ کرام اور آلاتِ علم کا ادب کرنے کی کوشش کریں اور کوئی مسئلہ جب تک اچھی طرح سمجھ میں نہ آجائے آگے نہ بڑھیں، ان چیزوں کے اہتمام کے ساتھ اگر آپ تعلیم حاصل کریں گے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو علمِ نافع کی دولت سے مالامال فرمائے گا۔ بس یہ چند گذارشات تھیں، دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو علمِ نافع عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدارس میں معیاری تعلیم کی ضرورت اور اہمیت

(خطبات دورۂ ہند ص ۲۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارسِ اسلامیہ میں معیاری تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

أَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (۱)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاهدین والشاکرین، والحمد لله رب العالمین۔

تمہید

جنابِ صدرِ محترم، علمائے کرام، عزیز طالبِ علم ساتھیو اور معزز حاضرین!

یہ میرے لیے بڑی خوش قسمتی کا موقع ہے اور آزمائش کا بھی۔ خوش قسمتی کا موقع اس نقطۂ نظر سے کہ الحمد للہ اس مبارک مدرسہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاضری کی توفیق ہوئی، جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ طلباء کی ایک بڑی تعداد یہاں زیرِ تعلیم ہے۔ اور یہاں تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی اس لیے بھی کہ اس مبارک درسگاہ میں علاقہ کے بلکہ علاقہ کے باہر کے علماء سے بھی ملاقات و زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے اس پر میں اللہ کا شکر گذار ہوں۔ اور آزمائش اس لیے کہ حضراتِ علماءِ کرام سے خطاب اور ان کے سامنے لب کشائی مجھ جیسے طالبِ علم کے لیے ہمیشہ سے ایک

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۱۲۲)۔

آزمائش رہی ہے۔ کیونکہ طالب علم ہوں علمائے کرام کو کیا نصیحت کروں؟ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا۔

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ جب کبھی علمائے کرام سے خطاب کی نوبت آتی ہے تو میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ دینی مدارس میں ایک طریقہ جاری ہے جس سے ہم اور آپ سب متعارف ہیں۔ وہ یہ کہ جب طلبہ کسی استاذ سے سبق پڑھ لیتے ہیں تو آپس میں بیٹھ کر اس کا تکرار کرتے ہیں۔ اور تکرار کے لیے کوئی ساتھی منتخب کرلیا جاتا ہے۔ تو تکرار کرانے والا باقی ساتھیوں کا استاذ نہیں بن جاتا، بلکہ وہ ساتھی ہی ہوتا ہے۔ تو جب کبھی علمائے کرام سے خطاب کا موقع ہوتا ہے تو میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ میں بزرگوں سے سنی ہوئی باتوں کا تکرار کرا رہا ہوں۔ اس سے تکرار کرانے والے اور سننے والے دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کا فائدہ عطا فرمائے۔

ایک جامع آیت

جیسا کہ حضرت مولانا نے بتایا کہ آج کا یہ اجتماع مدارسِ دینیہ کے طرزِ تعلیم، ان کے مقاصد، ان کے نظام اور طریقۂ کار سے متعلق ہے، تو خیال آیا کہ اس آیتِ کریمہ پر اپنی بات کی بنیاد رکھوں جو ابھی میں نے تلاوت کی اور اس کی جو تشریح میں نے اپنے والدِ ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنی ہے اور بار بار سنی ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ہمارے نظامِ تعلیم، نظامِ تربیت اور نظامِ دعوت غرضیکہ ان تمام پہلوؤں کے لیے جامع ہے۔ طالبِ علمی سے لے کر داعی بننے تک اور داعی بننے کے بعد ایک انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ ساری باتیں اس ایک آیتِ کریمہ

میں جمع ہیں۔

اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں، لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) اِن کے پاس واپس آئیں تو یہ اُن کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔

آیت کی تشریح

آیت کی دو تفسیریں حضراتِ مفسرین نے بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ "فَلَوْلَا نَفَرَ" سے مراد جہاد میں جانے والی جماعت ہے اور "لِيَتَفَقَّهُوْا" کی جو ضمیر ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہے، جو جہاد میں نہ جائیں اور مدینہ منورہ ہی میں رہ جائیں۔ یعنی ایک بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جائے تاکہ باقی لوگ تفقہ فی الدین حاصل کریں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں پر طائفہ سے مراد وہ طائفہ ہے جو ہر بڑی جماعت میں سے دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے نکلے اس تفسیر کے مطابق "لِيَتَفَقَّهُوْا" کی ضمیر اسی طائفہ کی طرف راجع ہے جو دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے نکل رہا ہے۔

ہم سب طالبِ علم ہیں

اس دوسری تفسیر کی بنیاد پر اپنے والدِ ماجد رحمہ اللہ کے ارشادات نقل کرتا ہوں۔ فرمایا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت اس کام کے لیے نکلے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ نکلنے کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا وہ "نَفَرَ" ہے، حالانکہ سیدھا سادا لفظ "خَرَجَ" تھا۔ لیکن "خَرَجَ" کے بجائے نکلنے کے لیے "نَفَرَ" فرمایا۔ اور اس کی وجہ والدِ ماجد یہ فرماتے ہیں کہ "نَفَرَ" ایک خاص مفہوم رکھتا ہے خاص مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایک چیز سے نفرت کرکے اس سے دستبردار ہو کر جب دوسری چیز کی طرف جاتا ہے تو اس وقت نَفَرَ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "نَفَرَ مِنْهُ اِلَيْهِ" یعنی ایک چیز سے نفرت کرکے دوسری چیز کی طرف گیا، تو نَفَرَ کا لفظ ایسے موقع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم نَفَرَ کے لفظ سے ان لوگوں کو جو دین کا علم و سمجھ حاصل کرنے کے لیے جارہے ہیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ ان کو چاہیے کہ وہ باقی ساری چیزوں، خواہشات اور مقاصد سے نفرت کرکے دستبردار ہو کر صرف ایک ہی مقصد یعنی دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے وقف ہو جائیں۔ اور نَفَرَ کے لفظ میں یہ پیغام بھی موجود ہے کہ طالبِ علم کی سب سے زیادہ توجہ اور فکر علم کے حصول کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ علم حاصل کرتے ہوئے دنیا یعنی دنیا کا عیش وآرام بھی اُسے نصیب ہو اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیا کا شوق بھی ہو، مال کا طلب گار بھی ہو، نفسانی خواہشات پوری کرنے کا عادی بھی ہو تو ایسا شخص صحیح معنی میں طالبِ علم نہیں ہے۔ اس لیے کہ نَفَرَ کے لفظ میں طالبِ علم کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ دوسری چیزوں سے نفرت کرکے علم کی طلب میں لگ جائے۔

طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ہوتا ہے ضابطہ کا طالبِ علم کہ کسی مدرسہ میں اپنا نام رجسٹرڈ کرا دیا۔ اس کو داخلہ نمبر مل گیا اور طالبِ علم کہلانے لگا۔ یہ تو ضابطہ کا طالبِ علم ہے۔ جب کہ حقیقۃً طالبِ علم وہ ہے جو ساری زندگی طالبِ علم رہتا ہے۔ "طَلَبُ الْعِلْمِ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ" طالب علمی ماں کی آغوش سے شروع ہوتی ہے اور قبر کے کنارے تک جاتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہم سب طالبِ علم ہیں۔ اگر ہم واقعی طالبِ علم ہیں تو ہمیں علم کی طلب میں ساری خواہشات قربان کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طالبِ علمی

آپ نے سنا ہوگا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون کے باشندے تھے۔ دیوبند پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے وہاں حضرت کے پاس اپنے عزیزوں کے خط آیا کرتے تھے، رشتے داروں کے خط آتے تو وہ سارے خطوط کو ایک جگہ جمع کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ اگر خط پڑھیں گے تو ذہن وطن اور اعزہ کی محبت کی طرف لگ جائے گا اور طلبِ علمی کے کام میں نقص رہ جائے گا۔ پھر جب فارغ ہوئے تو سارے خط پڑھنے لگے۔

ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت جب میں دیوبند جاتا ہوں، تو وہاں اپنے عزیز و اقارب بھی ہیں ان کا تقاضہ ہوتا ہے کہ میں ان سے جا کر ملوں۔ تو ان خاندانی بزرگ نے کہا کہ تم وہاں حصول علم کے لیے گئے ہو یا رشتہ داریاں جتلانے کے لیے۔ اگر حصول علم کے لیے گئے ہو تو تم صرف اسی کام کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرو کہ حصول علم کے سوا تمہارا کوئی کام

نہ ہو۔ جب اس درجہ کی طلب ہوتی ہے تب اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے کرم ہوتا ہے اور علم کے دروازے کھلتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی انہماک

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے حاشیے پڑھ پڑھ کر ہم درسِ نظامی کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے علم کا سمندر لیے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا نورالانوار پر حاشیہ ہے۔ بڑے نواب آدمی تھے، ساتھ ہی ساتھ بڑے دولتمند بھی تھے، انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جس کمرے میں پڑھنے لکھنے میں مشغول رہتے تھے اس کے چار دروازے تھے، ہر دروازے پر ایک جوتے کی جوڑی رکھی ہوتی تھی، تاکہ اگر کسی دروازے سے باہر نکلیں اور پھر اندر جا کر پھر دوسرے دروازے سے آنا چاہیں تو دوسرے دروازے کے لیے پہلے دروازے کے جوتے نہ اٹھانے پڑیں اور اس کی وجہ سے وقت ضائع نہ ہو، یہ انتظام اس لیے کیا تھا کہ ان کا ذہن پوری طرح علم کی طلب میں لگا رہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مولانا مطالعہ میں مشغول تھے، پیاس لگی تو کسی خادم سے کہا ہوگا پانی لاؤ، تو والد صاحب نے خادم سے کہا کہ پانی میں تیل ملا کر دے دو، وہ تیل ملا کر لے گیا مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نگاہ کتاب پر رکھے ہوئے ہیں اور پانی پی رہے ہیں، پورا پانی پی لیا، لیکن پتہ نہیں چلا کہ تیل پیا یا پانی پیا۔ اس لیے کہ دل و دماغ تمام تر علم کی طرف تھا۔

طلبِ علم کے لیے علمی پیاس کی ضرورت ہے

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ ان کی وفات اسی میں ہوئی کہ مطالعہ میں تھے، بھوکے تھے، پاس کھجور کی تھیلی رکھی ہوئی تھی، کھاتے جاتے تھے اور ذہن کتاب میں مشغول تھا، اتنا زیادہ کھا لیا کہ اسی میں ان کی وفات ہوگئی۔[1] طلبِ علم ہو تو ایسی ہو جیسا کہ بھوکے کو جب تک کھانا نہ ملے چین نہیں آتا، پیاسے کو جب تک پانی نہ ملے چین نہیں آتا، اسی طرح طالبِ علم کو جب تک علم کا مسئلہ حل نہ ہو جائے چین نہ آئے۔ تب وہ حقیقی طالبعلم ہے۔ جب ایسی طلب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ...... ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بہ جوشد آب از بالا و پست

مطلب یہ ہے کہ پانی کم ڈھونڈو لیکن پیاس پیدا کرو۔ جتنی پیاس ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں اوپر نیچے ہر طرف سے پانی مہیا کر دیں گے۔ وہی پیاس تو تھی جس نے بارہ چشمے توڑ دیئے ؎

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

اللہ اس کے لیے راستہ کھولتا ہے جس میں یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو صیانة صحیح مسلم لابن الصلاح ص ٦٤ طبع دار الغرب الإسلامی.

اکابر اہل اللہ کی طالب علمانہ زندگی

سارے اکابر کے حالات آپ دیکھ لیجئے جنہوں نے صحیح معنوں میں طلبِ علم کیا ہے انھوں نے دوسری چیزوں کی طرف سے منہ موڑ کر اپنا وجود علم کے حوالہ کردیا حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ کُلَّكَ"(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم کس طرح دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یہ علم راتوں کو جاگنے اور فاقہ برداشت کرنے سے ملا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ سارے تنعم وعیش سے علم حاصل ہوگا تو یہ

ایں خیال است ومحال است وجنون

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ میں نے کئی دفعہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ وہ طلبہ سے سبق کے دوران فرماتے تھے کہ جاہلین! اگر چائے پی پی کر کوئی عالم ہوتا تو میں سب سے بڑا عالم ہوتا۔ تو نَفَرَ کے لفظ میں یہ معنی پنہاں ہے کہ جب علم کی طلب لے کر جاؤ تو دوسری چیزوں سے منہ موڑ کر جاؤ۔ اپنے آپ کو علم کے لیے خالص کرکے جاؤ۔ ایک ہی لفظ میں طلبِ علم کا طریقہ، شرائط، آداب سب کچھ بیان کردیا گیا ہے۔

طلبِ علم کے لیے جانے کا مقصد کیا ہو

پھر فرمایا کہ طلبِ علم کے لیے جانے کا مقصد کیا ہو؟ "لِیَتَفَقَّهُوا فِی

(۱) الجامع لاخلاق الراوی للخطیب ۱۷۲/۲۔

الدِّیۡنِ" تاکہ دین میں تفقہ یعنی دین کی سمجھ حاصل کریں۔ یہاں بھی غور فرمائیے کہ سیدھی بات تو یہ تھی "لِیَتَعَلَّمُوۡا الدِّیۡنَ" تاکہ وہ دین کا علم حاصل کریں۔ لیکن یہ فرمایا "لِیَتَفَقَّهُوۡا" تاکہ وہ دین کے اندر سمجھ پیدا کریں۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی بات کا صرف جان لینا یہ علم نہیں، بلکہ جس بات کو جانا جارہا ہے اس کی سمجھ جس کو بصیرت کہا جاتا ہے، جس کو ملکہ کہا جاتا ہے وہ مقصود ہے۔ ہم جو کتابیں پڑھتے ہیں ان کے صرف الفاظ مقصود نہیں۔ اور صرف کتاب کے مفہوم کو سمجھ لینا بھی مقصود نہیں بلکہ جس علم کو حاصل کررہے ہو اس علم کا مزاج پیدا کرنا، اس کی بصیرت پیدا کرنا! اس کے اندر ملکہ پیدا کرنا یہ مقصود ہے۔ اس لیے استاذ و طالبِ علم کو اس پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ کتاب حل ہوگئی۔ بلکہ جس فن کی وہ کتاب ہے اس فن کو گہرائی کے ساتھ پڑھایا جائے۔

آج بکثرت ہمارے یہاں ایسا ہوتا ہے کہ استاذ و شاگرد کتاب کی حد تک محدود رہتے ہیں۔ اور اس کتاب کے علاوہ اس کتاب کا جو فن ہے یعنی اس کے نکات، لطائف اور حقائق اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس علم کے اندر سمجھ اور بصیرت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ دیتا ہوں کہ ہم مختصر المعانی پڑھتے ہیں اور اس کتاب سے مقصود بلاغت ہے۔ لیکن ساری مختصر المعانی پڑھنے اور اس میں چون و چرا کرنے کے باوجود بلاغت ہمیں چھو کر بھی نہیں گزرتی، کتاب تو حل کرلی لیکن اس علم کا سایہ تک نہیں پڑا۔ مختصر المعانی پڑھ کر کیا کوئی آدمی بلیغ بنا ہے؟ نہیں۔ یہ صرف اس لیے کہ اس فن کو کتاب کی حد تک محدود رکھا جاتا ہے۔

ایک علمی لطیفہ

"هداية النحو" نحو کی کتاب ہے۔نحو کی غرض و غایت میں لکھا ہوا ہے "اَلْاِحْتِرَازُ عَنِ الخطأِ اللَّفْظِیِّ فِی الْکَلَامِ" ساری ھدایۃ النحو پڑھ لی لیکن خطاءِ لفظی سے احتراز نہیں ہوتا۔ ایک صاحب نے لطیفہ سنایا وہ کہتے تھے کہ "قَرَأْتُ النَّحْوَ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰی آخِرِهٖ وَلَمْ اَحْفَظْ مِنْهُ اِلَّا حَرْفَ الْجَرِّ" تو یہ حالت بن جاتی ہے۔ اس لیے کہ کتاب پڑھ لی، سمجھ لی، اور حل بھی کر لی لیکن چونکہ تمرین نہیں، مشق نہیں، اس کے نتیجہ میں اصل مقصود فوت ہوگیا۔ اس لیے "لِیَتَعَلَّمُوْا" نہیں فرمایا، بلکہ "لِیَتَفَقَّهُوْا" فرمایا۔تفقہ اسی وقت پیدا ہوگا جب اس کے ساتھ تمرین اور ممارست ہو۔

ہمارے مدارس میں بصیرت کی کمی

آج کل ہمارے مدارس میں اسی چیز یعنی بصیرت کی کمی ہے اور ہم اسی لیے بیٹھے ہیں کہ اگر کوئی نقص ہو تو دور کریں۔ کسی نے نحو میر، ھدایت النحو، کافیہ، شرح جامی اور اس کے سوالات حل کر لیے ہیں لیکن اگر اس سے کہیں کہ صحیح عربی میں ایک صفحہ لکھ دو یا عربی میں ایک تقریر کر دو تو اس میں وہ گڑبڑ کرے گا۔ وہی "مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰی آخِرِهٖ" کہے گا، یہ اس لیے ہوا کہ کتاب مقصود تھی وہ تو حل ہوگئی "تعلّموا" تو ہوگیا لیکن "تفقّهوا" نہیں ہوا۔ یہی معاملہ فقہ کا ہے۔ مسائل یاد کر لیے لیکن عملی زندگی میں ان کو منطبق کرنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ اس لیے علم میں بصیرت پیدا ہونی چاہیے محض الفاظ ونقوش کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔

تفقہ کے لیے مشقت کی ضرورت ہے

پھر فرمایا "لِیَتَفَقَّھُوا" کا مادّہ مجرد میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی "فَقِہَ" حدیث میں بھی مجرد آیا ہے

"خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا"(۱)

اس کے معنی سمجھنے کے آتے ہیں لیکن قرآن میں "لِیَتَفَقَّھُوا" استعمال کیا جو کہ باب تفعّل ہے، باب تفعّل کی ایک خاصیت ہے "تکلّف" کسی چیز کو مشقت سے حاصل کرنا۔ یعنی علم آسانی سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ تو محنت کا مفہوم بھی اس کے اندر داخل ہے، پھر فرمایا " فی الدِّیْن "ساری دوڑ دھوپ، ساری تگ ودو دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اگر اس کے لیے آپ کو بہت سارے علوم پڑھنے پڑھ رہے ہیں تو وہ سارے علوم آلات ہیں مقاصد نہیں ہیں، لیکن مقصود اصلی دین میں سمجھ پیدا کرنا ہے، یعنی قرآن، حدیث، عقائد اور فقہ میں صحیح معنوں میں سمجھ پیدا کرنا اصل مقصد ہے، انہی علوم کو علومِ عالیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن ہندستان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے سارا زور علومِ عقلیہ منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ پر تھا۔ قرآن وحدیث کے علم کو اہمیت سے نہیں پڑھتے تھے، بس سرسری سا پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام وہ کہلاتا تھا جو معقولات کا امام ہوتا

(۱) صحیح مسلم ۱۸٤٦/٤ (۲۳۷۸)۔

تھا۔ یہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا احسان ہے کہ انھوں نے مدینہ منورہ جا کر علماءِ عرب سے علمِ حدیث حاصل کیا، الحمدللہ آج ہم اس کے فیوض پا رہے ہیں۔

روایتِ حدیث مستقل مقصود ہے

یہ جو ذہنیت پیدا ہوگئی تھی کہ عقلیات اصل علم ہے اور قرآن و حدیث ضمنی چیز ہے (معاذ اللہ) اس ذہنیت کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ختم کر دیا، لہٰذا قرآنِ کریم کے لیے جتنے علوم چاہو پڑھو، لیکن مقصود دین کے اندر ملکہ پیدا کرنا ہے۔ اڑتی سی بات میں نے سنی ہے کہ اس قسم کا رجحان اس علاقے میں بھی ہے کہ سارا زور عقلی علوم پر ہے اور حدیث کی تکمیل پر توجہ نہیں ہے، اگر یہ بات ٹھیک ہے تو قابلِ اصلاح ہے، ورنہ دروغ برگردنِ راوی۔ اکابر نے دورۂ حدیث کا جو سلسلہ شروع کیا ہے بہت بڑی چیز ہے، یہ جو کہتے ہیں کہ ایک گھنٹہ میں یہ حدیث پڑھی دوسرے میں وہ پڑھی اس سے کیا فائدہ ہے یہ بالکل غلط خیال ہے روایتِ حدیث مستقل مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ علم اس طرح سینہ بہ سینہ منتقل فرمایا ہے اور اس کے بے شمار برکات اور ثمرات ہیں۔

عالمِ اسلام کا ہمارے دورۂ حدیث پر رشک

الحمدللہ! پورے عالمِ اسلام میں دیکھ کر آیا ہو، لیکن جو طریقہ ہمارے اکابر نے دورۂ حدیث کا شروع کیا ہے وہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اور جب لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ یہ پوری کتابیں جنہیں صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے ہم پڑھاتے ہیں اس پر وہ نہ صرف حیران ہوتے ہیں بلکہ رشک کرتے ہیں اور ہم سے اجازتِ حدیث لینے کی فکر میں ہوتے ہیں۔

نئے نظریات کی تعلیم

میری گذراش یہ ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے اور یہ یونانی اور فلسفہ کی کتابیں جن کی اہمیت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے توڑ کے لیے کچھ یونانی فلسفہ کی کتابیں پڑھانے کی ضرورت تھی۔ مگر آج وہ فلسفہ خوابِ خیال ہوگیا اس کا بطلان الم نشرح ہوگیا اور اب نئے فلسفہ اور نئے نظریات کی تعلیم دینا چاہیے تاکہ ان کا توڑ کیا جائے مگر تھوڑا سا اب بھی ان نظریات کو پڑھانا ضروری ہے اس لیے کہ ساری کتابیں ان کی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہیں وہ علم حاصل نہ ہو تو صحیح طریقے سے ان کتابوں کو سمجھا نہیں جاسکتا ہے، لہٰذا کچھ نہ کچھ پڑھانا اب بھی ضروری ہے، لیکن اس کو مقصود بنا لینا اور قرآن و حدیث کو کوئی اہمیت نہ دینا یہ صحیح نہیں ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے اور ان علوم اور نظریات کی تعلیم دینا چاہیے جو آج گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

علم کے ساتھ صحبتِ اہل اللہ

میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ نے اپنے بڑوں سے نقل کیا ہے کہ تفقہ فی الدین محض کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ تفقہ فی الدین حصول علم کے ساتھ ساتھ اللہ والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ استاذ اگر صرف کتاب پڑھا کر چلا جائے تو اس سے کبھی تفقہ حاصل نہیں ہوگا۔

کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آرہا ہے اور آپ علوم الاوّلین والآخرین

کے جامع تھے لیکن پھر بھی اُمی تھے۔

امّی و نکتہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کتابیں نہیں پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے تو صحبت کاملہ سے انھیں صحابی بنایا اور ان میں سے ہر ایک مہتاب و آفتاب کی طرح ثابت ہوا۔ ہمارے یہاں مدارس میں جو استاذ و شاگرد کا رابطہ ہے، وہ عام اسکول و کالج کے رابطوں کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ استاذ آیا، لیکچر دیا اور چلا گیا، ایسا رابطہ ہو کہ استاذ صرف کتاب نہ پڑھا رہا ہو بلکہ اس کے اخلاق و کردار اور چال ڈھال کی نگرانی کے ساتھ اس کے ظاہر و باطن کی بھی اصلاح کر رہا ہو۔

تربیت کے لیے صرف لیکچر اور تقریر کافی نہیں

ہمارے یہاں مدرسہ صرف مدرسہ نہیں، بلکہ تربیت گاہ بھی ہے اور دارالعلوم دیوبند کی تو ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم'' تاریخِ تاسیس نکلتی ہے۔ تفقہ کے لیے صرف لیکچر و تقریر کرنا کافی نہیں، بلکہ مدارس کے اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی عملی نگرانی کریں، طلبہ کو عملی تربیت دیں۔ ان کی عبادات، اخلاق، معاملات و معاشرت کی نگرانی کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب طلبہ کی تعداد استاذ کے پاس کم ہو۔ خاص طور سے ابتدائی طلبہ کی جماعت ایک استاذ کے پاس محدود ہو ورنہ زیادہ ہونے کی صورت میں استاد کا شاگرد سے رابطہ بھی صحیح نہیں ہوتا، بلکہ اسے نام بھی یاد نہیں رہتے۔ اگر طلبا زیادہ ہوجائیں تو دوسری جماعت بنادی

جائے اور وہ دوسرے استاذ کے پاس پڑھیں۔

لفظِ ''انذار'' کی خصوصیت

پھر آگے فرمایا ''وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ'' یہ سارا تفقہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا مقصد قرآن نے بتایا کہ جب وہ علم حاصل کر کے اپنی قوم کے پاس جائیں تو وہ ان کو ڈرائیں۔ لفظِ ''انذار'' استعمال کیا ہے۔ یہ بھی بڑا معنی خیز لفظ ہے ورنہ سیدھی بات یہ ہے ''لِيَعَلِّمُوْا، لِيُبَلِّغُوا قَوْمَهُمْ'' اس کے بجائے ''لِيُنْذِرُوْا'' استعمال کیا اور مصیبت تو یہ ہے کہ اردو زبان کا دامن اتنا تنگ ہے کہ اگر ترجمہ کرنا چاہیں تو اس کے پاس ایک ہی لفظ ہے ڈرانا اور عربی میں انذار، تخویف، ترھیب، خشیت اور اتقاء کے معنی ڈرنا اور ڈرانا ہے۔ ایک جن بھوت سے ڈرانا ہوتا ہے اور ایک ڈرانا شیر یا ہاتھی سے ہوتا ہے، لیکن ایک ڈرانا وہ ہے جو شفقت کی بنا پر ہو اسی کو انذار کہتے ہیں اس ڈرانے میں شفقت پنہاں ہوتی ہے اور قرآن میں انبیائے کرام علیہم السلام کو نذیر فرمایا مخوّف نہیں فرمایا، کیونکہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے ڈرانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پتا نہیں لوگ کن کن اغراض کے لیے ڈراتے ہیں، لیکن پیغمبر اور اس کے وارث ڈراتے ہیں تو ان کے پیش نظر صرف شفقت ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ''أَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَان'' جو اپنی قوم وملت کا درد رکھتا ہو وہ اس شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ خدا کے لیے یہ کام مت کرنا، ادھر مت جانا، خدا کے لیے یہ عقیدہ مت رکھنا اور ایسا عمل نہ کرنا۔ یہ ڈرانا ''انذار'' کے مفہوم میں داخل ہے۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا اندازِ دعوت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام شفقت سے دعوت دیتے تھے۔ چونکہ علماء حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں تو ان کی دعوت و تبلیغ کا کام بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرح شفقت سے ہونا چاہیے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس دعوت دینے کے لیے بھیجا تو فرمایا

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (۱)

نرمی سے بات کرو۔

حالانکہ اللہ کے علمِ ازلی میں اس کے حق میں ہدایت مقدر نہیں تھی، پھر بھی فرمایا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے جب کہ وہ نصیحت پکڑنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا داعیِ حق کو اسی طرح امید ہونی چاہیے کہ شاید وہ نصیحت پکڑ لے اور فرماتے تھے کہ حضرت موسیٰ و ھارون علیہما السلام سے بڑھ کر مصلح کون ہوگا اور فرعون سے بڑا گمراہ کون ہوگا؟ مگر اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ یہ جو طریقہ چلا ہے کہ مخاطب کو طعنہ دو، فقرے کسو، طعن و تشنیع کرو، سب و شتم کرو، تو یہ قرآنِ کریم کی اس عظیم ہدایت کے خلاف ہے جو "لِيُنْذِرُوْا" سے نکل رہی ہے۔

پتھر کا جواب پھول سے

انبیائے کرام علیہم السلام پر گالیوں کی بارش کی گئی، لیکن وہ گالی کا جواب گالی

---

(۱) سورۃ طٰہٰ آیت (۴۴)۔

سے نہیں دیتے تھے حضرت ھود علیہ السلام کو کہا جا رہا ہے

"اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ سَفَاهَةٍ" (۱)

ہم آپ کو بے وقوف و جھوٹا سمجھتے ہیں۔ آج اگر کسی مقتدی کو یہ کہا جائے تو وہ کہے گا ''جھوٹا ہوگا تیرا باپ'' لیکن نبی کیا جواب دے رہے ہیں

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲)

اے میری قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں، لیکن رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

جس کے دل میں مدعو کی رحمت وشفقت موجزن ہو اس کو باطل سے نفرت ہوتی ہے، لیکن باطل والے انسانوں سے نفرت نہیں ہوتی۔ اس پر شفقت کرو کہ یہ کسی طرح باطل سے نکل جائے۔ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث باطل کی تردید بھی شفقت کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ آج کل فقرے کسنے، سخت جملے چسپاں کرنے، طعن وتشنیع کرنے میں مزہ آتا ہے، جس کے نتیجے میں باطل والوں کے لیے قبولِ حق کے لیے راستہ نہیں کھلتا۔ باطل کو باطل تو کہنا ہے لیکن باطل کے ابطال میں شفقت ورحمت کا پہلو ہونا چاہیے۔

والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک قیمتی نصیحت

میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں ۱۹۶۱ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا،

(۱) سورۃ الاعراف آیت (٦٦)۔
(۲) سورۃ الاعراف آیت (٦٦)۔

دو تین سال ہوئے ہوں گے کہ ایوب خان مرحوم نے عائلی قوانین کے نام سے ایک کتاب لکھوائی، جو شریعت کے خلاف تھی۔ اور اس میں انہوں نے عائلی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق قرار دینے کی کوشش کی۔ وہ کتاب جب سامنے آئی تو والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس کا جواب لکھنے کو کہا اور میں نے لکھنا شروع کیا۔ چونکہ ابھی نیا نیا دورۂ حدیث سے فارغ ہوا تھا، جوش وخروش تھا، قلم استعمال کرنے کا بھی ذوق تھا، فقرے چسپاں کرنے میں بھی دلچسپی تھی۔ دو سو صفحے کی کتاب جس میں دندان شکن جواب، طعن وتشنیع کے الفاظ بھی تھے، مگر بد تہذیبی کے الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں کیے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کتاب سنی تو فرمایا کہ کتاب بہت اچھی لکھی ہے، اگر تمہارا مقصد یہ ہو کہ کتاب دیکھ کر ہم خیال لوگ تعریف کریں کہ کیا شاندار جواب دیا ہے۔ اگر اس مقصد کی خاطر لکھی گئی ہے تو یہ کتاب کامیاب ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ جو لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کی غلط فہمی دور ہو جائے تو تمہاری کتاب ایک کوڑی کی بھی نہیں، اس لیے کہ اس میں طعن وتشنیع کے نشتر لگا کر مخاطب کو پہلے ہی دفاع پر آمادہ کر دیا ہے، دل ودماغ کے دروازے بند کر دیے ہیں، تو میں سوچ میں پڑ گیا اور انھوں نے ایسی بات کہی کہ دل میں اتر گئی، پھر کتاب ادھیڑ کر ازسرِ نو مرتب کی اور وہ ہمارے عائلی مسائل کے نام سے شائع ہوئی۔

اس دن سے آج تک وہ بات دل میں بیٹھ گئی، اللہ کے فضل وکرم سے ہر باطل فرقے کے خلاف کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی۔ قادیانیت، اہلحدیث (غیر مقلدین) شیعہ، عیسائیت سب کے خلاف میری کتابیں موجود ہیں، مگر اپنی حد تک دل خراش فقروں سے احتراز کیا ہے۔ میری کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟'' اس

کو پڑھ کر اللہ کے فضل وکرم سے دسیوں عیسائی مسلمان ہوئے۔ کیونکہ کتاب کا عنوان ہی ایسا رکھا تھا کہ وہ لوگ اس کو پڑھنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت پر عمل کے فوائد ظاہر ہوئے۔

باطل کا اِبطال ضرور کرنا چاہیے

ابھی تاجروں کے اجتماع میں ایک سوال اٹھایا گیا کہ مسلکی اختلافات کی وجہ سے انتشار پیدا ہوتا جاتا ہے،کیا کیا جائے ؟ اس کے جواب میں موقع کے لحاظ سے میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ کہا تھا کہ اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں۔ یہ اجمال تھا۔ اسی وقت ایک عالم صاحب نے پوچھ بھی لیا کہ کیا باطل فرقوں کی تردید نہیں کرنی چاہیے کیا وہ بھی چھیڑنے میں داخل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ باطل کا اِبطال ضرور کرنا چاہیے لیکن ابطال اس طرح کیا جائے کہ مسلمانوں میں اشتعال پیدا نہ ہو۔ دل آزاری، دل خراشی والے جملے استعمال نہ کیے جائیں۔

باطل کی قسمیں

باطل کی کئی قسمیں ہیں۔ باطل کی ایک قسم کفر ہے مثلاً قادیانی ہیں،ان کے ساتھ بیٹھنا ہی نہیں کیونکہ ان پر کفر کا فتویٰ جاری ہو گیا ہے۔ اور بہت سے فرقے وہ ہیں جن سے ان کے باطل نظریے کی بنا پر اختلاف ہے،تو ان کی تردید علمی انداز سے کی جائے اور حتی الامکان دل خراش جملوں سے پرہیز کیا جائے تاکہ اجتماعی مصالح میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

عالمِ دین اور داعیِ حق کا فریضہ

باطل کا ابطال ایک عالمِ دین اور داعیِ حق کا فریضہ ہے لیکن بات اِبطال کے طریقہ اور اسلوب کی ہے۔ ایسا انداز نہ ہو جس سے اشتعال پیدا ہو جائے بلکہ شفقت و محبت کے ساتھ انبیاء کی دعوت کے اصولوں کے ساتھ کی جائے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے اور جب کبھی خطاب کا موقع ہوتا ہے یا تحریر کا موقع ہوتا ہے تو دعا کرتا ہوں کہ ان کے مقولہ پر عمل کی توفیق ہو جائے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

"حق بات حق نیت سے حق طریقے سے کہی جائے تو اس سے کبھی فتنہ پیدا نہیں ہوتا"۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات تو حق ہوتی ہے لیکن نیت حق نہیں ہوتی، مجاہدانہ انداز میں ایسا دندان شکن جواب دیا جاتا ہے جس سے مقصود اللہ کو راضی کرنا نہیں ہوتا، بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ دنیا دیکھے کہ فلاں نے باطل پر ایسی مجاہدانہ تقریر کی ہے۔ تو نیت حق نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ پیدا ہوگا۔ اور جو تقریر اللہ کی رضا کے واسطے ہو، تو کبھی فتنہ پیدا نہیں کرتی۔ کبھی بات حق ہوتی ہے اور نیت بھی حق ہوتی ہے، لیکن طریقہ حق نہیں ہوتا، مثلاً کسی فرد کی اصلاح مقصود ہوتی ہے تو طریقہ یہ کہ تنہائی میں سمجھایا جائے لیکن اُسے علیٰ رؤوس الاشھاد کہا جاتا ہے جس سے اس کی رسوائی ہوتی ہے۔ تو یہاں بھی فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طریقہ کار بھی سیکھنا چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اس جگہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا کر بات ختم کرنا چاہتا ہوں ایک دفعہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو وعظ سے پہلے کسی کا ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کافر ہیں اور جولاہے ہیں اور یہ کہ اگر آپ نے یہاں وعظ میں اختلافی مسائل چھیڑے تو آپ کی خیر نہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط پر مشتعل ہونے کے بجائے وعظ کے آغاز میں لوگوں کو وہ خط پڑھ کر سنایا اور اس کے بعد فرمایا اس خط میں تین باتیں کہی گئی ہیں، پہلی بات تو یہ کہ میں کافر ہوں اس کا جواب تو یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" اب اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر ہوں یا نہیں؟ میں مسلمان ہوگیا۔ دوسری بات یہ کہی گئی میں جولاہا ہوں اس کا جواب یہ کہ میں یہاں نکاح کا پیغام تو لے کر نہیں آیا جس کے لیے تحقیق کی ضرورت ہو۔ اگر بالفرض میں جولاہا ہوں مگر دین کی کوئی صحیح بات بتاتا ہوں تو محض جولاہے ہونے کی بنا پر اسے رد نہیں کرنا چاہیے، اگر کسی کو واقعی میرے نسب کی تحقیق مقصود ہو تو تھانہ بھون کے لوگوں سے خط لکھ کر تحقیق کر لے۔ تیسری بات یہ کہی گئی کہ میں وعظ میں کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہ کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وعظ کہنے کے لیے میں خود نہیں آیا مجھے اس مقصد کے لیے بلایا گیا ہے، اگر اس مجمع میں کوئی ایک صاحب بھی اٹھ کر مجھے وعظ کہنے سے منع کر دیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا اور وعظ میں میری عادت اختلافی مسائل کو موضوع بنانے کی نہیں ہے، لیکن اگر درمیان میں ایسا اختلافی مسئلہ جائے جس کی وضاحت ضروری ہو، تو پھر میں اس کے بیان سے رکتا بھی

نہیں۔اب اگر آپ بات سننا چاہیں تو میں شروع کروں ورنہ رک جاؤں۔

حکیمانہ اندازِ کلام کا نتیجہ

اس اندازِ کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک شخص نے بھی وعظ میں رکاوٹ نہ ڈالی اور پھر جب وعظ شروع ہوا تو اتفاق سے اختلافی مسائل بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے اور بہت سے مخالفین اتنے متاثر ہوئے کہ ہم خیال بن گئے۔ اور جس نے وہ پرچہ لکھا تھا وہ کھڑا ہوا وہ مولود یہ تھا،اس نے اعتراف کیا کہ میں نے یہ خط لکھا تھا اور میں آج آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔تو بات حق ہو، نیت حق ہو اور طریقہ حق ہو تو وہاں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا، البتہ جہاں کہیں ان میں سے کسی ایک چیز کی کمی ہوتی ہے وہاں خرابی پیدا ہوتی ہے۔لہٰذا یہ جو بات بتائی گئی کہ دوسروں کے مسلک کو نہ چھیڑو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا انداز اور ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ باطل میں اشتعال پیدا ہوجائے۔ باطل کا اِبطال ضرور کرنا چاہیے۔مگر اِبطال کا طریقہ انذار کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

یہ چند گزارشات ہیں جو میں نے اپنے بڑوں سے سنی تھیں۔آپ کے سامنے پیش کردیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور شر و فتنہ سے حفاظت فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

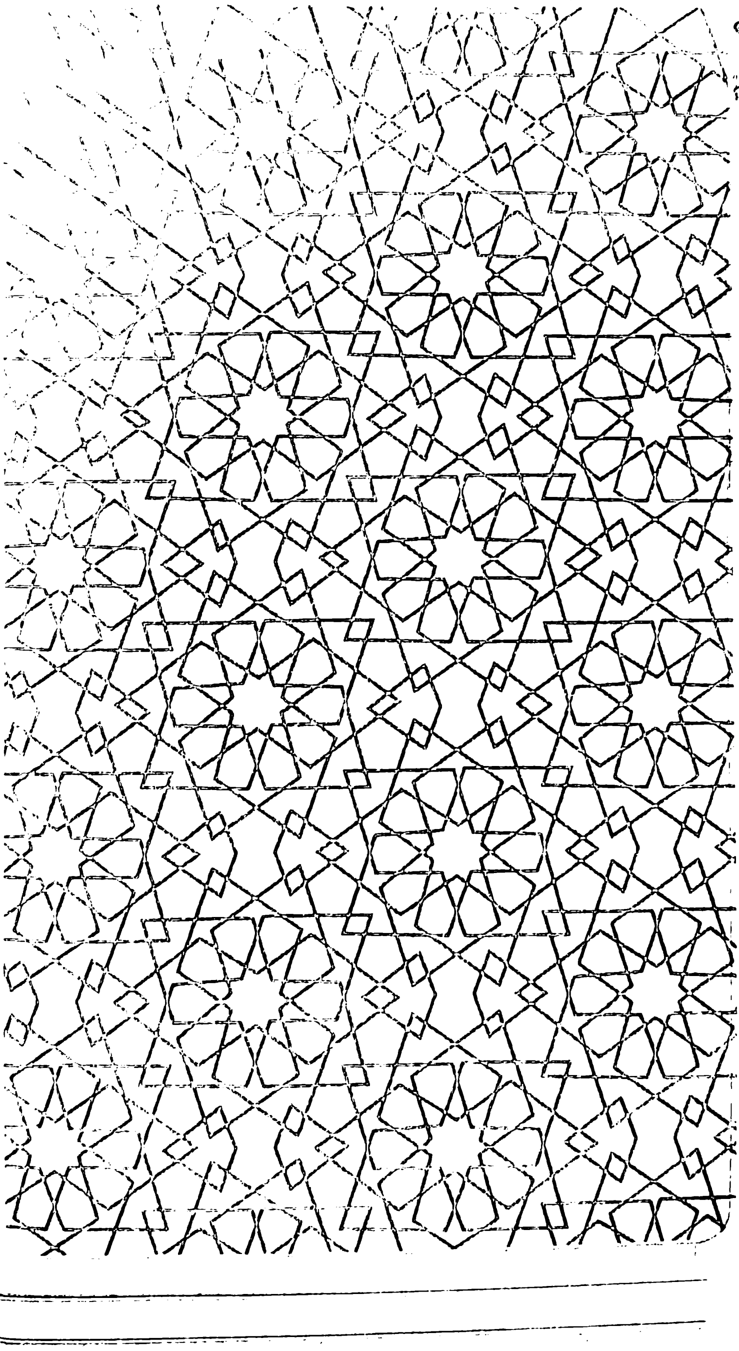

دینی مدارس کی اثر انگیزی
میں کمی کے اسباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی مدارس کی اثر انگیزی میں کمی کے اسباب

جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا، ہمارے انحطاط کا بنیادی سبب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ دینی مدارس کے تعلیم وتعلّم کا یہ نظام ایک رسم بنتا جارہا ہے، اور اس کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہورہا ہے، اگرچہ ہماری زبانوں پر یہی جملہ رہتا ہے کہ ہماری تمام کاوشوں کا مقصدِ اصلی دین کی خدمت ہے، لیکن بسا اوقات یہ بات محض گفتار ہی کی حد تک محدود رہتی ہے، اور دل کی گہرائیوں میں جاگزیں نہیں ہوتی، اگر یہ مقصد واقعتاً ہمارے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوتا تو اس کی لگن سے ہمارا کوئی لمحہ خالی نہ ہوتا، پھر ہمیں اپنے اسلاف کی طرح ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ہمارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں، اور ہمارا طرزِ عمل خدمتِ دین اور اس کے مقصد کے لیے مفید ہورہا ہے یا مضر؟

اس کے برعکس عملاً ہماری تمام تر توجہات دینی مدارس کے ظواہر پر مرکوز رہتی ہیں، اور ان توجہات میں مقصدِ اصلی کی لگن کا کوئی عکس نظر نہیں آتا، عموماً

منتظمین کے عملی مسائل یہ ہوتے ہیں کہ کس طرح مدرسے کی شہرت میں اضافہ ہو؟ کس طرح اس میں طلبہ کی تعداد بڑھے؟ کس طرح مشہور اساتذہ کو اپنے یہاں جمع کیا جائے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کس طرح عوام میں مدرسے اور اس کے اہل حل وعقد کی مقبولیت میں اضافہ ہو؟

ہمارا طرزِ عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مدارس کے قیام سے ہمارے پیش نظر یہی بنیادی مقاصد ہیں، جن کے حصول کی دھن میں ہمارے شب وروز صرف ہورہے ہیں، چنانچہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات ایسے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، جو کسی دین اور اہل دین کے شایان شان نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات تو ان مقاصد کے لیے واضح طور پر ناجائز ذرائع کے استعمال میں بھی باک محسوس نہیں کیا جاتا، اور اگر کسی مدرسے کو ان مقاصد میں فی الجملہ کامیابی حاصل ہوجائے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ مقصد اصلی حاصل ہوگیا، لیکن طلباء کی تعلیمی، اخلاقی اور دینی حالت کیسی ہے؟ ہم کس قسم کے افراد تیار کرکے اس سے معاشرے کی قیادت کے خواہش مند ہیں؟ اور فی الواقعہ ہماری جدوجہد سے دین کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے؟

ان سوالات پر غور کرنے اور ان کی تڑپ رکھنے والے رفتہ رفتہ مفقود ہوتے جارہے ہیں۔اس صورت حال کا بنیادی سبب یہ کہ ہم ایک مرتبہ زبان سے اپنا مقصد اصلی خدمت دین کو قرار دینے کے بعد عملی زندگی می اسے بھول جاتے ہیں، اور اپنی کوششوں کا تمام تر محور ان ظواہر کو بنالیتے ہیں، جو یا تو شرعاً مطلوب ہی نہیں، یا اگر مطلوب ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ ان کو نیک نیتی سے مقصد کا محض ذریعہ قرار دیا جائے، خود مقصد نہ سمجھ لیا جائے۔اسی طرح اساتذہ کا معاملہ عام

طور سے یہ نظر آتا ہے کہ ان کا محورِ فکر بسا اوقات یہ رہتا ہے کہ ہمیں کونسا مضمون یا کونسی کتاب پڑھانے کے لیے ملے؟ طلبہ پر کس طرح اپنے علمی تفوق کی دھاک بٹھائی جائے، وہ کونسے ذرائع اختیار کیے جائیں جن سے طلبہ می اپنی مقبولیت بڑھے؟ اور پھر اس مقبولیت میں اضافہ کی خاطر بسا اوقات یہ بات مدنظر نہیں رہتی کہ طلبہ کے لیے کونسا طرزِ عمل زیادہ مفید اور مناسب ہے؟ بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کیا طرزِ عمل طلبہ کی خواہشات کے مطابق ہے؟ چنانچہ اس کے نتیجے میں اساتذہ اپنے طلبہ کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہو کر رہ جاتے ہیں، اور طلبہ اساتذہ کے پیچھے نہیں چلتے، بلکہ اساتذہ طلبہ کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔ ماضی میں خاص طور پر دینی مدارس کی روایت یہ رہی ہے کہ اساتذہ اور طالب علم کا رشتہ محض ایک رسمی رشتہ نہیں ہوتا تھا جو درسگاہ کی حد تک محدود ہو، اس کے بجائے وہ ایک ایسا روحانی رشتہ ہوتا تھا، جو دائمی طور پر عمر بھر قائم رہتا تھا۔ استاذ صرف کتاب پڑھانے کی ڈیوٹی ادا کرنے والا معلم نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ اپنے طلبہ کے لیے ایک مشفق باپ، ان کا اخلاقی اور روحانی مربی اور علم و عمل دونوں کے میدان میں ایک شفیق نگراں کی حیثیت رکھتا تھا جو طلبہ کے نجی معاملات تک دخیل ہوتا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ اپنے اساتذہ سے علمی استعداد کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی حاصل کرتے تھے، ان سے زندگی کا سلیقہ سیکھتے تھے، ان سے للّٰہیت، ایثار، تواضع اور دوسرے اخلاقِ فاضلہ اپنی زندگی میں جذب کرتے تھے اور اس طرح شاگرد اپنے استاذ کے علم و عمل کا آئینہ ہوا کرتا تھا۔

اب رفتہ رفتہ یہ باتیں داستانِ پارینہ ہوتی جا رہی ہیں اور وجہ وہی ہے کہ

استاذ نے اپنا مقصد صرف درسگاہ میں ایک ایسی تقریر کرنے کو بنالیا ہے جسے طلبہ پسند کرسکیں، رہی یہ بات کہ کس قسم کی تقریر ان طلبہ کے لیے زیادہ مفید ہے؟ ان طلبہ کو مفید تر بنانے کے لیے ان کو کن کاموں کا مکلّف کرنا ضروری ہے؟ طلبہ کے کون سے رجحانات ان کے علم وعمل کے لیے مضر ہیں؟ ان رجحانات کو کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے؟ طالبِ علم درسگاہ سے باہر جاکر کس قسم کی زندگی گزارتے ہیں؟ ان سوالات کے بارے میں سوچنے اور ان مقاصد کی لگن رکھنے والے۔الا ماشاء اللہ۔مفقود ہوتے جارہے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کی بنیادی خصوصیت جس کی بناء پر وہ برصغیر کے دوسری درسگاہوں سے ممتاز ہوا، یہ تھی کہ وہ علم برائے علم کا ادارہ نہ تھا بلکہ انسانوں کی ایسی تربیت گاہ تھی جس سے صحیح العقیدہ سچے اور پکے مسلمان تیار ہوتے تھے، اپنی گفتار سے زیادہ کردار سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔اس وقت ہمیں سب سے پہلے اپنے ماحول میں دینی مدارس کی اسی روح کو از سرنو تازہ کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کے بغیر ہماری درسگاہیں اگر بہت کامیاب ہوئیں تب بھی محض علم برائے علم کے مراکز بن کر رہ جائیں گی، مدرسے قائم کرنا اور ان میں چند لگے بندھے علوم کا درس دینا بذاتِ خود ایک مقصد بن جائے گا، جس می بہت سے مستشرقین یورپ بھی سرگرم عمل ہیں، اور رفتہ رفتہ ہم سے سارے اوصاف گم ہوجائیں گے جو ان علوم کی درس وتدریس کے لیے لازمی شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دینی مدارس میں یہ اصل روح جو مرورِ ایام سے دھیمی پڑتی جارہی ہے، از سرنو تازہ کرنے کے لیے سب سے اہم ذمہ داری ان درسگاہوں کے اساتذہ اور

منتظمین پر عائد ہوتی ہے، ان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ پہلے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ اسلامی علوم نے ان میں اپنا کوئی رنگ پیدا کیا ہے یا نہیں؟ خوف خدا اور فکر آخرت میں کتنا اضافہ ہوا؟ اللہ کے ساتھ تعلق کتنا بڑھا؟ عبادت کے ذوق میں کتنی زیادتی ہوئی؟ جن فضائل اعمال کی دوسروں کو شب و روز تلقین کی جاتی ہے، ان پر خود کتنا عمل پیرا ہوئے؟ جس انفاق فی سبیل اللہ کی دوسروں کو بڑھ چڑھ کر تاکید کی جاتی ہے، اس میں ہم خود کس قدر حصہ دار بنے؟ دین کے خاطر جان و مال کی قربانی دینے کے جذبے نے کتنی ترقی کی؟ معاشرے کے بگاڑ سے کرب و اضطراب کی کیفیت اور اس کی اصلاح کی فکر کس حد دل و دماغ پر طاری ہوئی؟

یہ ساری باتیں ہمارے سوچنے کی ہیں۔ اور اگر ہم حقیقت پسندی کے ساتھ ان سوالات کا جواب اپنے عمل میں تلاش کریں، تو ندامت و حسرت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ضرورت اسی ندامت و حسرت سے کام لینے کی ہے، لیکن اس سے صحیح کام اسی وقت لیا جاسکتا ہے، جب ندامت و حسرت محض وقتی ابال نہ ہو، بلکہ اس کا بار بار استحضار ہوتا رہے، یہاں تک کہ یہ مستقبل کے لیے نشان راہ بن جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اساتذۂ کرام کے لیے رہنما اصول

رموزِ تدریس وتدریب ص ۱۰۳ تا ص ۱۱۱

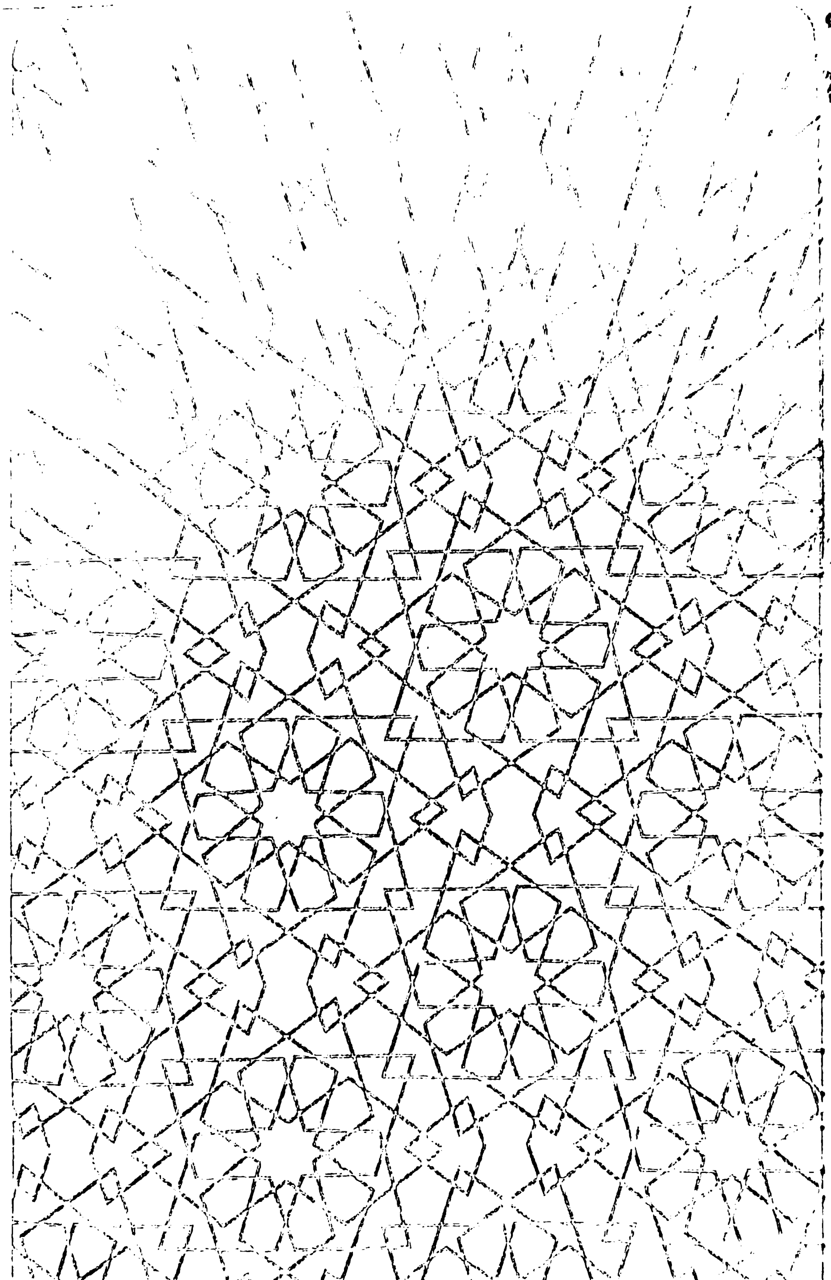

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اساتذہ کے لئے رہنما اصول

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا
و مولانا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وقائد
الغر المحجلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی کل
من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد!

یہ میرے لیے باعث سعادت بھی ہے اور باعث مسرت بھی کہ ماشاء اللہ یہاں ''تدریب المعلمین'' کے ایک منہاج کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو نافع اور مفید بنائے۔ مجھ سے بھی فرمائش کی گئی کہ کچھ کلمات اس سلسلے میں آپ سے عرض کردوں۔ میں خود تدریب کا محتاج ہوں تو کسی کی تدریب کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، لیکن اپنے بزرگوں سے جوکچھ باتیں سنی ہیں ان کی تکرار کرادینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

طلبہ اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہیں

واقعہ یہ ہے کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالی سرہ بکثرت ہم لوگوں سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طلبہ آپ کے پاس پڑھنے کے لیے آئے ہیں وہ اللہ جل جلالہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ کیوں کہ تعلیم بھی درحقیقت دعوت وتبلیغ کا ایک شعبہ ہے اور اصل دعوت وتبلیغ تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنے گھر سے نکل کے کہیں جاتا ہے، کسی کو دعوت دیتا ہے۔اس کو حق کا کوئی کلمہ پہنچاتا ہے۔اس کے لیے بعض اوقات سفر کرنا بھی پڑتا ہے۔اپنی جگہ کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ محنت اور مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے، لیکن مدرسین کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو جن کی دعوت دینی ہے یا تبلیغ کرنی ہے، ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان کو دعوت وتبلیغ کرنے کے لیے سفر کرکے کہیں اور جائیں، اللہ تبارک وتعالی نے ان کے مستقر پر طلبہ کو جمع کردیا تو سب سے پہلی بات جو ہر مدرس اور معلم کو ذہن میں رکھنی چاہیے وہ یہ کہ یہ طلبہ اللہ تبارک وتعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔

دوسری نعمت

اور پھر آدمی تبلیغ و دعوت کے لیے جائے تو کسی میں بات سننے کی طلب ہوگی کسی میں نہیں ہوگی۔کوئی دھیان سے سنے گا کوئی نہیں سنے گا۔کوئی مانے گا کوئی نہیں مانے گا۔لیکن جو طلبہ آپ کے پاس پڑھنے آئے ہیں وہ تو درحقیقت اسی نیت سے آئے ہیں کہ آپ کی بات سنیں اور آپ کی بات مانیں تو اس میں

غالب گمان یہ ہے کہ ان پر جو محنت کی جائے گی وہ انشاء اللہ ضرور بآور ہوگی۔ اگر ہم کہیں کسی عام آدمی کو کوئی دعوت دینے جائیں، تبلیغ کرنے جائیں تو یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ ضرور قبول کرے گا۔ رد بھی کرسکتا ہے۔ لیکن یہاں چونکہ طالبِ علم آئے ہیں، طالبِ علم کہتے ہی اس کو ہیں جو طلبِ علم رکھتا ہو۔ علم کی طلب لے کر آیا ہو تو اس بات کا اطمینان ہے کہ طلب ہے۔ اور چونکہ طالبِ علم غالباً اسی لیے مدرس اور استاذ کے پاس زانوئے تلمذ طے کرتا ہے کہ اس سے کچھ سیکھے تو غالب گمان یہ بھی ہے کہ جو کچھ اس کو بتایا جائے گا اس کو ان شاء اللہ وہ قبول بھی کرے گا۔ لہٰذا یہ دوسری عظیم نعمت ہے ایک تو طالب علم کا آجانا نعمت اور طالب علم کے آجانے کے اس بات کا اطمینان ہونا یہ نعمت ہے۔ تو سب سے پہلے تو ہر معلم، مدرس، ہر استاذ کو اللہ جل جلالہٗ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے یہ نعمت ہمارے پاس بھیج دی۔

طلبہ امانت ہیں

دوسری بات یہ کہ یہ نعمت ایک امانت ہے استاذ کے پاس۔ اور اس امانت کا حق یہ ہے کہ جس کام کے لیے وہ آیا ہے اور جس کام کے لیے آپ اس کو پڑھانے بیٹھے ہیں اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا(۱) اگر بالفرض اس امانت میں کوتاہی ہو تو اس کوتاہی کا مطلب یہ کہ یہ خیانت ہے اس طالب علم کے ساتھ بھی، اس کے والدین کے ساتھ بھی، اس کے سرپرستوں کے ساتھ بھی، مدرسہ کے ساتھ بھی

(۱) سورۃ النساء آیت (۵۸)۔

اور مدرسہ کے معاونین کے ساتھ بھی جو چندہ دے کر یہ چاہتے ہیں کہ یہاں پر دین کی صحیح تعلیم ہو۔ایک آدمی کی خیانت نہیں ہے۔خود طالب علم کی، اس کے والدین،سرپرستوں کی، اور مدرسہ والوں کی، اور مدرسہ کے معاونین کی۔ اگر اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی جائے تو ان سب کے ساتھ خیانت ہے۔اس لیے سب سے اہم بات اپنی ذمہ داری کا احساس (یعنی)ان نعمتوں کی قدر ہے۔

طالب علم صدقہ جاریہ ہے

اور اس ذمہ داری کا نہایت خوشگوار پہلو یہ ہے کہ اگر ایک طالبِ علم بھی ہمارے ذریعہ کوئی بات سیکھ گیا تو وہ ہمارے لیے مستقل ایک صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک وہ اس بات پر خود عمل کرتا رہے گا اور دوسروں تک پہنچاتا رہے گا اور اس کی پہنچائی ہوئی باتوں پر دوسرے عمل کرتے رہیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب ہماری طرف منتقل ہوتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے ثواب کمانے کا یہ اتنا عظیم راستہ رکھا ہے۔ اور اللہ بچائے اگر حق میں کوتاہی کی جائے، امانت میں خیانت کی جائے تو عذاب کا بھی بہت بڑا خطرہ ہے۔کیونکہ اس میں صرف حق اللہ ہی نہیں حقوق العباد بھی پا مال ہورہے ہیں، اس واسطے ذمہ داری ادا نہ ہونے پر گناہ کا بھی بڑا شدید اندیشہ ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس وبال سے محفوظ رکھے۔ اور امانت کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ایک بات تو سب سے پہلی (اور) مقدم یہ کہ اس عظیم ذمہ داری کو آدمی سمجھے اور اگر اس ذمہ داری کو ادا کرے تو

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ(۱)

کی حدیث کا مصداق بننے کا اللہ تعالیٰ نے ایک موقع عطا فرمایا ہے۔

علم اور تعلیم کا مقصد

تیسری بات یہ کہ تعلیم کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ جو سبق ہمارے سپرد ہے وہ سبق پڑھادیا جائے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جو ہمارے پاس پڑھ رہا ہے اس کو علم پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا جائے جو اس کو دیا جارہا ہے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ یہ دونوں کام ایک ساتھ ضروری ہیں۔فرمایا:

العلم بلاعمل وبال والعمل بغیر علم ضلال(۲)

اگر علم نہ ہو اور عمل کرنا شروع کردے تو کیا ہوگا؟ ضلال! یہ گمراہی ہے۔ اور اگر علم ہو اور العیاذ باللہ اس پر عمل نہ ہوتو یہ ایک مستقل وبال ہے۔ اللہ بچائے۔ میرے والد ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے اگر صرف کسی چیز کو جان لینا کسی چیز کا علم حاصل کرلینا موجب فضیلت ہوتا تو ابلیس سب سے زیادہ افضل ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس کے پاس جتنا علم تھا وہ بہت سے بڑے بڑے محققین کے پاس نہیں ہوتا۔ امام رازی کو انتقال کے وقت ابلیس دلائل سے شکست دے گیا۔آپ نے ان کا قصہ سنا ہوگا مشہور ہے۔علم تو اس کے پاس بھی ہے۔لیکن وہ علم کس کام کا جو انسان کو اللہ تعالیٰ تک نہ

---

(۱) صحیح البخاری ۱۹۲/۶ (۵۰۲۷)۔

(۲) بستان العارفین للسمرقندی ص ۳۱۳ طبع موسسۃ الکتب الثقافیۃ۔

پہنچا سکے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ نہ کر سکے۔

مستشرقین کا حال

ایسا علم آج بھی مغربی دنیا میں جا کے دیکھئے کہ مستشرقین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ جو ہماری ساری فقہ، حدیث، تفسیر کی کتابیں کھنگالے ہوئے ہیں۔ ان کے مقالے دیکھو ان کی کتابیں دیکھو ہر کتاب اور مقالے میں ہماری اتنی کتابوں کے حوالے آپ کو نظر آئیں گے کہ بسا اوقات مسلمان علماء کی کتابوں میں اتنے حوالے نہیں ہوتے۔ ایسی ایسی کتابوں کے حوالے نظر آئیں گے کہ جن کا بعض اوقات نام بھی نہیں سنا ہوگا اتنی تحقیق! تو بظاہر علم تو ہے لیکن وہ علم کس کام کا جو انسان کو ایمان بھی عطا نہ کر سکے۔ تو اس واسطے العلم بلا عمل وبال وہ تو وبال ہے العیاذ باللہ اور العمل بغیر علم ضلال۔ لہٰذا دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے تب مقصد حاصل ہوگا۔ اس کے بغیر یہ مقصد پورا حاصل نہیں ہوتا۔

اساتذہ درس کی تیاری کیسے کریں؟

تو اہم بات یہ ہے کہ طالب علم کو علم صحیح دو۔ ہمارے بزرگوں نے اس کے لیے فرمایا کہ ہر استاذ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ جانے سے پہلے اپنے سبق کی تیاری کرے۔ اس تیاری میں صرف اتنی بات نہیں ہے کہ جو کچھ پڑھانے جا رہا ہے اس کا مطالعہ کر لیا، یہ تو ہے ہی ضروری کہ مطالعہ کر کے اچھی طرح اس کو خود اپنے ذہن میں بٹھائے۔ اور جب تک کوئی مسئلہ واضح اور منشرح طور پر

فرماتے تھے۔

أولٰئكَ ابَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِم
اِذَا جمعَتْنَا يَا جَرِيْرَ المجَامِعُ

مجھے ان اکابر کی یہ زندگی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی نظیر ہم میں نہیں ملتی۔ آخر وہ کیا بات تھی کہ دین کی سچی محبت، سنت کا صحیح مقام اور سنت کی عملی تفہیم ان کی زندگی کے اندر رچی بسی ہوئی تھی۔

اکابرِ دیوبند "ما انا علیہ واصحابی" کی صحیح تفسیر تھے

عرض یہ کررہا تھا کہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بچپن سے بچپن کا زمانہ دیوبند کے اندر گذارا اور کبھی دیوبند سے چند دنوں کے لیے بھی باہر جانا پڑتا تھا تو مجھے شاق گزرتا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ دیوبند کی بنیادی خصوصیت درحقیقت وہ اللہ والے تھے جو "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی" کی صحیح تفسیر تھے۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق۔ ان پانچوں شعبوں کے مجموعے کا نام دین ہے۔ میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے ایک معتدل مزاج اپنی تحریر وتقریر سے بھی اور اپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا ہے۔

کو سوچنے کے لیے پورا وقت دیتا ہوں۔ بعض اوقات اس
کا خاکہ لکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کا خاکہ لکھ کر
بورڈ پر سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ سوچ کر
جاتا ہوں کہ بورڈ پر کس طرح سمجھاؤں۔

جب آدمی یہ سوچ کر جاتا ہے تو پھر دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل سے بحث طلبہ کے لیے آسان ہوجاتی ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا واقعہ

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کان پور میں پڑھاتے تھے اور پتہ نہیں آپ نے نام سنا کہ نہیں سنا، پہلے زمانے میں فلسفے کی کتاب ہوتی تھی "صدرا" یہ مشہور کتاب تھی فلسفہ کی، دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں بھی داخل تھی، اب تو خیر نکل گئی، اچھا ہی ہوا کہ نکل گئی لیکن اُس زمانے میں وہ پڑھائی جاتی تھی۔ اس میں ایک بہت مشہور بحث مثناۃ بالتکریر کی آتی تھی۔ بڑی دقیق بڑی مشکل بحث تھی، طلبہ کو اس کا بڑا ہوّا ہوتا تھا کہ جب یہ بحث آئے گی تو پتہ نہیں کیا ہوگا؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن سبق میں جاکے اس سبق کے آنے سے پہلے یہ نام لئے بغیر کہ مثناۃ بالتکریر کی بحث پڑھا رہا ہوں ویسے ہی ایک عام طریقہ سے آسان انداز میں اس کا خلاصہ طلبہ کو بتادیا، جب طلبہ کو بتادیا تو ان سے پوچھا کہ سمجھ گئے؟ سب نے کہا سمجھ گئے۔ سب سے پوچھا تو معلوم ہوگیا کہ سمجھ گئے۔ جب سب نے کہا کہ ہم سمجھ گئے تو کہا یہ جو بحث میں نے آپ کے سامنے بتائی ہے

یہ، مشاۃ بالتکریر کی بحث ہے۔اب طلبہ بڑے حیران ہوئے کہ ہم نے تو یہ سوچا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑی گھاٹی ہے مشکل گھاٹی، جس کو عبور کرنا بڑا مشکل ہے یہ تو پانی ہوگئی۔

طلبہ کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھیں

تو استاذ کا کام یہ ہے کہ علم ایک تو صحیح دے اور ایسے طریقے سے دے جو دل میں اتر جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کلموا الناس علی قدر عقولھم (۱)

یعنی جس ذہنی سطح کا آدمی ہے اسی کے حساب سے اس سے بات کرو یہ نہ ہو آپ نے اپنی طرف سے تو تقریر جھاڑ دی اور طالب علم کے پلے کچھ نہ پڑا تو درس کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔لہذا تیاری کے دوران یہ ضروری ہے کہ سمجھانے کا طریقہ بھی طے کیا جائے۔

طلبہ کی عملی تربیت کا اہتمام

اور پھر علم کا جو دوسرا شعبہ ہے یعنی عمل، اس کی عملی تربیت طلبہ کو دینے کا اہتمام ہو، طلبہ کی زندگیوں میں مدرس داخل ہو، ان کے دکھ درد میں شریک ہو۔ یہ دیکھے کہ آیا اس علم کے اثرات ان کی زندگی کے اندر آرہے ہیں یا نہیں

(۱) وفی صحیح البخاری ۳۷/۱ (۱۲۷) قال علی حدثوا الناس بما یعرفون. وروی السلمی فی تفسیرہ ۳۷۷/۱ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال أُمِرْنَا مَعَاشِرَ الأَنْبِیَاءِ أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُولِهِمْ.

آرہے ہیں۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند جن کے ہم سب نام لیوا ہیں۔ اس بارے میں ان کا طریقہ کیا تھا؟ دارالعلوم دیوبند کے قیام کی تاریخ اس جملہ سے نکلتی ہے:

درمدرسہ خانقاہ دیدیم

کہ ہم نے مدرسہ میں خانقاہ دیکھی، اور یہ حقیقت تھی کہ جو لوگ پڑھ رہے ہوتے تھے وہ پڑھ بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ دین کی، اتباع سنت کی، ذکرواذکار کی، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی، تعلق مع اللہ کی تربیت بھی لے رہے ہیں۔

چنانچہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دن کے وقت وہ جگہ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گونجتی تھی اور رات کے وقت وہاں سے اللہ کے ذکر کی اور لوگوں کے رونے کی اور اللہ کے سامنے گڑگڑانے کی آوازیں آتی تھیں۔

ہمارے اکابر کی زندگیوں میں صحابہ کی جھلک

وہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں آتا ہے کہ رھبان باللیل فرسان بالنہار[1] رات کے وقت راہب ہوتے اور دن کے وقت بہترین شہسوار ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جھلک ہمارے حضرات اکابر کی زندگیوں میں دکھائی تھی۔ ان میں سے ایک ایک رھبان باللیل فرسان بالنہار کا نمونہ تھا۔ میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ پایا ہے کہ جب وہاں شیخ

(۱) تایخ مدینۃ دمشق لابن عساکر ۱۴۲/۱۹۔

الحدیث سے لے کر چوکیدار تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔ چوکیدار، چوکیداری کر رہا ہے اور ذکر میں مشغول ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی تھی۔ ورنہ تحقیقی ادارے دنیا میں بہت ہیں۔ اب بھی ہیں اور پہلے بھی رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کا امتیاز

لیکن دارالعلوم دیوبند کو اور دارالعلوم دیوبند کا جو ہم پلہ ''مظاہر علوم'' تھا ان مدارس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو امتیاز بخشا وہ درحقیقت اس وجہ سے تھا کہ عمل کی تربیت تھی اور تربیت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب اساتذہ خود عمل پیرا ہوں۔ اس کے لیے دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں یہ بات آپ دیکھیں گے کہ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی سے لے کر حضرت مدنی، حضرت عثمانی، حضرت والد ماجد، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ تک جتنے ہمارے اکابر ہیں جنہوں نے کوئی کام کیا جن کا فیض پھیلا ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے دورہ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد کسی نہ کسی اللہ والے سے بیعت کر لیتے تھے۔ ان کی صحبت اٹھاتے تھے ان سے اصلاحی تعلق قائم کرتے تھے۔ ان کے آگے جا کر اپنے آپ کو پامال کرتے تھے ان کی نقل وحرکت کو، ان کی ادا، ادا کو دیکھتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی دولت، رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ عطا فرماتے تھے۔ تو ہر شخص بذات خود (یعنی) استاذ کی جو ذات ہے وہ معلم ہوا کرتی تھی۔

دار العلوم دیوبند میں اساتذہ کا تاخیر سے آنا

ایک واقعہ سنا کر بات ختم کرتا ہوں۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے ان کو اطلاع ملی کہ اساتذہ دیر سے آتے ہیں۔ یعنی ذرا دیر کردیتے ہیں تو حضرت نے اور کچھ نہیں کیا بس اپنی چارپائی اٹھاکے دار العلوم دیوبند کے گیٹ پر ڈال دی۔ اور صبح کو بیٹھ کر وہاں تسبیح پڑھتے رہتے تھے۔ اب جو کوئی مدرس دیر سے آرہا ہے (انہیں دیکھ کر فرماتے) السلام علیکم! بس اور کچھ نہیں صرف سلام کرلیتے تھے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اساتذہ چوکس ہوگئے اور صحیح وقت پر آنے لگے۔ سارے استاد تو صحیح وقت پر آنے لگے مگر حضرت یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو صدر مدرس تھے، بڑے جامع الکمالات اور جامع العلوم آدمی تھے، دنیا کا کوئی علم وفن انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ اللہ نے ہر علم وفن میں ماہر بنایا تھا ان کے ساتھ لوگ لگے رہتے تھے۔ کوئی تعویذ مانگ رہاہے، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی دعا کرارہا ہے، تو آتے آتے ان کو دیر ہوجاتی۔ اور اساتذہ تو وقت پر آنے لگے وہ رہ گئے، وہ پھر بھی دیر سے آتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا۔ حضرت گنگوہ میں تھے۔ دار العلوم کے سرپرست تھے ان کو خط لکھا کہ حضرت! اساتذہ دیر سے آتے تھے اب اس طرح میں بیٹھتا ہوں تو اس کے نتیجہ میں الحمدللہ لوگ صحیح وقت پر آنے لگے ہیں۔ البتہ مولانا یعقوب صاحب اب بھی بہت دیر کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو خط لکھا حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور خط میں لکھا کہ مولوی صاحب! آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم خدمتِ خلق میں مشغول ہیں اور بڑی خدمت خلق کررہے ہیں۔ یاد رکھو آپ خدمتِ خلق میں لگ کر ان طلبہ کا نقصان کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ ہوجائے گی کہ طالبعلموں کا نقصان کررہے ہو۔ پھر ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند آئے تو مولانا رفیع الدین صاحب کو یعنی مہتمم صاحب کو بلایا اور بلاکر کہا کہ میں نے ان کو کہہ تو دیا ہے۔ لیکن اب بھی وہ آئیں گے نہیں۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ مسائل بہت سارے ہیں۔ ان کا فیض جاری ہے پتہ نہیں کہاں کہاں جاری ہے۔ لہٰذا صحیح وقت پر آنا ان کے لیے مشکل ہے، کوشش کریں گے لیکن ایک بات بتادیتا ہوں کہ اب تم ان کو بھول جاؤ، اس لیے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اگر سارے دن میں مدرسہ کا صرف ایک چکر لگالے تب بھی اس کی تنخواہ مہنگی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہ پڑھائے صرف مدرسہ کا ایک چکر لگالیا کرے۔ تو بھی مہنگا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اتنا اثر رکھا ہے۔ اتنی عظیم ان کی روحانیت ہے۔ تو اس روحانیت کی وجہ سے پھر بھی طلبہ کو فائدہ ہوگا۔ تو بھائی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے۔

رجوع الی اللہ کا اہتمام

اور راستہ اس کا ہے رجوع الی اللہ، ہرچیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

ہو۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سبق پڑھانے جاؤ تو راستے میں دعا مانگتے ہوئے جاؤ کہ یا اللہ! پڑھانے جارہا ہوں شرح صدر کے ساتھ پڑھانے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچا دیجئے۔ اور اس کو میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دیجئے۔ جتنا جتنا اللہ تعالی کی طرف رجوع ہوگا اتنا ہی اس کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا، اتنا ہی طلبہ کو فائدہ ہوگا۔

بس بھائی یہ چند باتیں تھیں جو بزرگوں سے سنی ہوئی ہیں اور آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنی تھیں۔ جہاں تک اس تدریب المعلمین کے علمی وفنی مسائل ہیں تو میں خود اس تدریب کا محتاج ہوں۔ اس واسطے میرے لئے کچھ عرض کرنا مشکل ہے اور وقت بھی نہیں لیکن یہ چند بنیادی باتیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ ہمارے ذہنوں میں بٹھادیں اور اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمادیں تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ یہ ہماری تدریس نافع بھی ہوگی اور ہمارے لئے بہت اعلیٰ درجہ کی ذخیرہ آخرت بھی ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا
موضوع وار مجموعہ

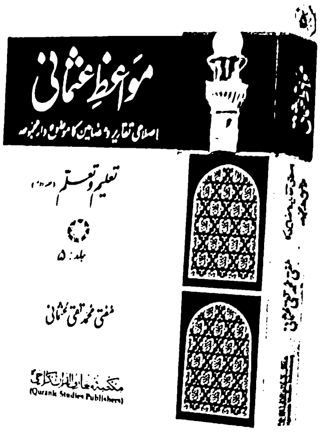

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور ﷺ نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر و فکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریر ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات و خطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مواعظ عثمانی جلد-5
010319

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)